بسم الله الرحمن الرحيم

فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ
لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى ٱلسَّمَآءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجْسَ
عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کر دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

اسلامی علوم ومعارف اور علمی وثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان
شمارہ: ۲۲۹/ ستمبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء

خصوصی شمارہ

بصیرت
قرآن وحدیث کی روشنی میں

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۱۸۔ تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱
فون: ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷
ichdelhi@gmail.com
http://newdelhi.icro.ir

راہ اسلام

شمارہ: ۲۲۹/ستمبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء

چیف ایڈیٹر: علی فولادی

مشاورین علمی

احمد عالمی، مولانا نذرِ امام و مولانا سید غلام حسین رضوی

مدیر اجرائی : احمد عالمی

ایڈیٹر : ڈاکٹر اختر مہدی رضوی

معاون ایڈیٹر : علی ظہیر نقوی

تزئین جلد : عائشہ فوزیہ

صفحہ آرائی وکمپوزنگ : قاری محمد یاسین

ناظر چاپ : حارث منصور

پریس : الفا آرٹ، نویڈا، یو۔پی

ISSN: 2349 – 0950

ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا ضروری ہے۔ اگر ممکن ہو تو ٹائپ شدہ MSword فائل ارسال فرمائیں۔ صرف غیر مطبوعہ مقالہ ہی ارسال فرمائیں۔

مقالہ کے متن میں جن مآخذ ومدارک کا استعمال کیا گیا ہو ان کا ذکر ضرور فرمائیں۔

اگر ممکن ہو تو مقالہ، بذریعہ ای میل ichdelhi@gmail.com پر ارسال فرمائیں۔

مقالہ ایران کلچر ہاؤس کے پتہ پر پوسٹ بھی کر سکتے ہیں۔

مقالے کی اشاعت کے لئے ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

آپ کے ارسال کردہ مقالہ کی اشاعت یا عدم اشاعت کے لئے ادارہ کو اختیار ہوگا۔

نوٹ: آپ اپنا مقالہ ۲ مہینہ کے اندر ادارہ کو ارسال کردیں۔ مذکورہ شرائط نہ پائے جانے کی صورت میں مقالہ، شامل اشاعت نہیں ہوگا۔

فہرست

شمارہ: ۲۲۹/ ستمبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء

اداریہ		ز
مفہوم بصیرت، قرآن وحدیث کی روشنی میں	زہرا مدرسی	۱
دینداری اور دینی بصیرت کا باہمی ارتباط نہج البلاغہ کی روشنی میں	دل آراء نعمتی و فاطمہ مسجدی	۱۲
امام خمینی کی قیادت میں بصیرت کے امتیازات . . .	علی آقا پیروز	۲۹
دینی بصیرت: مقام معظم رہبری کی نظر میں	مہدی محمد طاہری	۴۹
اصحاب امام زمانہ میں عنصر بصیرت کا جائزہ	محسنی رحیمی جعفری و رحیم کارگر	۷۰
امام سجادؑ کے قول و عمل میں بصیرت کے جلوے	علی رضا زنگوئی	۸۸
شعور و بصیرت فتنوں سے نجات کا ذریعہ	احمد عالمی	۱۰۴
دنیا سے متعلق حضرت علیؑ کی قرآنی بصیرت	ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی	۱۳۱
حضرت زینبؑ کی سیرت اور کلام میں بصیرت آفرینی	علی رضا زنگوئی	۱۴۹
بصیرت کی قدر و قیمت اور اثرات	زہرا فولادی	۱۵۷
بصیرت کے اسباب و موانع	زہرا قمی	۱۷۱

اداریہ

قرآن کریم نے عبادت کو انسانی تخلیق کا مقصد جانا ہے، ایسی عبادت جو معرفت کی حامل ہو اور معرفت بہر حال مومن کی بصیرت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ قرآن کی متعدد آیات میں بصیرت کو اندھا دل ہونے کے مقابل برتر قرار دیا ہے تاہم بصیرت کے حصول کی تاکید اور بے بصیرتی کی سرزنش بھی قرآن کریم میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بصیرت ہی وہ نور ہے جو انسان کو اندھے حوادث کے خاکستری ماحول میں بینائی عطا کرتا ہے اور اگر کسی کے پاس یہ بینش و منش نہ ہو تو وہ قبر میں لیٹے ہوئے اس انسان کی طرح ہے جس میں ترقی و تحریک، حرکت و تکامل اور پیشرفت کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔

تاریخ اسلام میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ بسا اوقات عدم بصیرت کی بناپر لوگ حق و باطل میں تمیز پیدا کرنے میں ناکام رہے، سیاسی شعبدہ بازوں کے آلہ کار بن گئے اور حیلہ کاروں کی دسیسہ کاریوں کے جال میں پھنس گئے۔ حضرت علیؑ نے بے بصیرتوں سے متعلق یوں فرمایا ہے: "یہ بدترین خلائق ہیں یہ ایسے تیر ہیں جو شیطان کی کمان میں ہیں درحالیکہ وہ خود ہی نشانہ پر ہیں اور لوگ ان کے ذریعے حیرت، استعجاب اور ضلالتوں میں مبتلا ہیں۔

شک و شبہ اور گمراہی، بے بصیرتی کے سب سے معمولی نتائج ہیں جبکہ دین و دانش، تواضع وانکساری اور حدود الٰہیہ سے فکری یکسوئی کسی بھی صاحب بصیرت کے خاص امتیازات میں سے ہے۔ ایسا معاشرہ جہاں بصیرت پائی جائے وہ حق پسند ہوتا ہے،، برحق رہنماؤں کا تابع ہوتا ہے اور باطل چاہے جس لباس میں ہو اسے پہچان لیتا ہے، دشمنوں کی تشخیص اس کے لئے آسان ہوتی ہے اور وہ تاریخ سے عبرت لیتے ہوئے ایسا منظّم اور مضبوط قدم اٹھاتا ہے جو حق پر مبنی ہو اور پھر نتیجہ میں اسے وہ عبرت و مکرمت حاصل ہو جاتی ہے جو خدا و رسولؐ کے مقربین کے لائق ہوتی ہے۔

راہ اسلام کے زیر نظر شمارہ میں ہماری کوشش ہے کہ اس اہم موضوع پر جو کہ اسلام کی تاریخ میں کلیدی کردار کا حامل رہا ہے اور آج بھی امت مسلمہ کی زندگی پر غیر معمولی طور پر تاثیر گزار ہے اور آئندہ بھی اسلامی معاشروں کی سربلندی اور نیک نامی کا ضامن ہے مختصر مگر مفید گفتگو کریں۔

علی فولادی

رایزن فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی

مفہوم بصیرت، قرآن وحدیث کی روشنی میں

تالیف: محترمہ زہرا مدرسی
ترجمہ: مہدی باقر

انسان اپنی فکری صلاحیتوں کے سبب انسان ہے اور یہ فکر ودانائی ہی اس کی زندگی کے اہم عناصر ہیں۔ اسلامی تہذیب میں فکر کو غیر معمولی اہمیت اور مفکر کو اہم مقام حاصل ہے جیسا کہ اسلامی تعلیمات میں متعدد مقامات پر اس کی نشاندہی ہوئی ہے۔ جیسے جیسے انسان معرفت حاصل کرتا جاتا ہے اس کے لئے نجات کے راستے ہموار ہوتے جاتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں ہر زمان ومکان کی انفرادی اور اجتماعی انسانی زندگی کے لئے نیک نامی کے اسرار ورموز پوشیدہ ہیں بصیرت بھی انہی مصادیق میں سے ایک ہے۔ اسلام نے اس کی حصولیابی کی تاکید اور اس سے محروم فرد کو اندھا قرار دیا ہے، البتہ بصیرت کے مختلف مراتب ہیں چنانچہ انسانوں کی ذاتی صلاحیت "النّاس معادن کمعادن الذهب والفضه" کی رو سے یکساں نہیں ہوتی۔ جتنا زیادہ انسانی وجود پاک ومنزہ ہوگا اس کے اندر فہم وشعور اتنا ہی زیادہ ہوگا اور اس کی بصیرت بڑھتی جائے گی۔ زیر نظر مقالہ میں ہم لفظ بصیرت کے مفہوم پر روشنی ڈالیں گے۔

۱۔ بصیرت، لغت اور اصطلاح میں

الف: بصیرت کے معنی اور مفہوم، لغت میں

بصیرت ایسا لفظ ہے جو قرآن واحادیث میں استعمال ہوا ہے۔[۱] یہ لفظ "بَصَرَ" سے لیا گیا ہے اور احمد بن فارس کے مطابق اس کے دو اصلی معنی ہیں: ایک علم اور دلیل، دوسرے سختی اور موٹاپن۔[۲] ابن منظور نے حسب ذیل معنیٰ بیان کئے ہیں: سپر یا زرہ، شاہد وگواہ بینش قلبی وچالاکی، ذہانت وسوجھ بوجھ عبرت ونصیحت آموزی[۳] علاوہ ازیں: بصیرت یعنی دینی مسائل کے تئیں دل میں یقین اور اعتقاد پیدا ہونا۔[۴]

ب: بصیرت کے اصطلاحی معنی ومفہوم

راغب اصفہانی بصیر وبصیرت کے معنی سے متعلق لکھتے ہیں:

بصیر کے معنی آنکھوں کی دیکھنے کی طاقت اور دل کا قوت ادراک ہے اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ اسے

ایسے دیکھنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہو جو قلبی اور درونی فکر وادراک سے عاری ہو۔۵

صاحب "التحقیق فی کلمات القرآن الکریم"، کی نظر میں اس لفظ کے معنی علم اور آگاہی کے ہیں جو ظاہری آنکھوں یا قلبی احساس وادراک سے حاصل ہوتا ہے۔۶ بصیرت، انسانی دل کی اس قوت کا نام ہے جو ربانی نعمت ہے اور انسان اس کے ذریعے چیزوں کی حقیقت تک پہونچتا ہے۔۷

بصیرت ۸ کی "ت" کے لئے تین طرح کے خیال پائے جاتے ہیں: تاء مصدری، جس کے مطابق بصیرت کے معنیٰ بینائی اور آگاہی کے ہوں گے۔ تاء تانیث، اس صورت میں بصیرت کے وصفی معنیٰ ہوں گے جیسے باخبر انسان، کیونکہ انسان سے مراد اس کے اعضا وجوارح یا نفس بھی ہے تاہم یہ تانیث مجازی ہے۔ تاء مبالغہ کے لحاظ سے بصیرت، منتہائے آگاہی کی عکاس ہے۹ علم اور بصیرت کے فرق سے متعلق کہا گیا ہے، کہ بصیرت علم اور معرفت کے مکمل ہونے کا نام ہے۔۱۰ "بصر" و" عین" کے فرق کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ "عین"، وسیلۂ بینائی ہے اور "بصر" دیکھنے کا نام ہے، چنانچہ مستبصر وہ ہوتا ہے کہ جو کسی چیز کو جاننے کے بعد اس کے تئیں آگاہی اور یقین پیدا کرے۔ اسی لئے اللہ کے لئے " انّ اللہ بصیر" کہا جاتا ہے، "ان اللہ مستبصر" نہیں کہا جاتا۔۱۱ صاحب قاموس قرآن نے ابصار کو بصر اور بصیرت دونوں کی جمع جانا ہے۔۱۲ جبکہ راغب نے باوجودیکہ دلی ادراک کو بصیرت وبصر جانا ہے، بصر کی جمع کو ابصار اور بصیرت کی جمع کو بصائر قرار دیا ہے۔۱۳

مجموعی طور پر بصیرت وابصار، بینائی کے معنی میں ہے جو کبھی ظاہری آنکھوں سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی داخلی اور اندرونی آنکھوں سے جسے عقل اور قلبی ادراکات کا نام دیا جاسکتا ہے۔۱۴ بصیرت، اور بصر معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے نزدیک ہیں اور دونوں ہی علم ومعرفت کو بیان کرتے ہیں البتہ اس فرق کے ساتھ کہ بصیرت سے مراد ایسی خاص بنیائی، دانائی اور آگہی ہے جو دل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور حواس ظاہری کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔ جیسے آنکھ، ظاہری طور پر دیکھنے کا ذریعہ ہے تو دل، اسباب بصیرت یعنی باطنی وقلبی بینائی کا ذریعہ ہے۔۱۵

بصیرت کو بھی بصر کی طرح دیکھنے کے لئے نور کی ضرورت ہے ۱۶ بصیرت وحکمت کے درمیان بھی تعلق ہے، حکمت وہ عطیہ ہے جس سے بصیرت، تہذیب نفس، خیر وشر اور حق وباطل میں تمیز کرنے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ بصیرت وہ ملکہ ہے جس سے انسان معرض وجود میں آتا ہے اور اسی بصیرت کے عناصر کے طفیل منزل کمال کو طے کرتا ہے۔ ایک بصیر انسان اسی بصیرت کے سہارے سچے عقائد کی شناخت تک کا مرحلہ طے کرتا ہے اور جتنا زیادہ یہ قوت متحرک ہوگی انسانی عقائد اتنے مضبوط ہوں گے ۱۷ چنانچہ بصیرت کو سچے عقائد کا ذریعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بصیر وہ ہے جس کے پاس بصیرت وبصارت دونوں

ہے اور وہ اس کی روشنی میں اپنی دنیاوی اور اخروی ترجیحات کو طے کرتا ہو چنانچہ "ضریر" اور نابینا کو بصیر کہا جاتا ہے ۱۸؛ تاہم ابوبصر کو باطنی بینائی کے سبب اس لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

۲۔ بصیرت کے مترادفات

بصیرت کو دیکھنے، نظارہ کرنے، سمجھنے، یقین کرنے اور واضح وروشن دلیل تک پہونچنے جیسے معنی میں استعمال کیا جا سکتا ہے ۱۹۔

بصیرت کے لغوی معنی میں غور کرنے کے بعد فارسی لغت کے اعتبار سے اس کے مندرجہ ذیل معنی کئے جا سکتے ہیں: ہوشیاری ۲۰، چالاکی ۲۱، سمجھداری ۲۲، سوجھ بوجھ ۲۳، ذہانت ۲۴، آگہی ۲۵، اطلاع ۲۶، دیکھنا ۲۷، واضح ہونا، ۲۸ اور زیرکی ۲۹۔

فارسی زبان، میں بصیرت کے نزدیک ترین معنی بینش وبینائی کے ہیں، بینش کو ایک خاص قسم کی آگاہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس لئے ہر قسم کی آگہی بینش نہیں ہے مگر ہر قسم کی بینش، آگہی ہے۔

بصیرت ایسی دقیق اور عمیق قسم کی آگہی کا نام ہے جو صاحب بصیرت میں تجزیہ اور تحلیل کی صلاحیت کو اجاگر کر دے۔ دینی متون میں دیگر ایسے الفاظ کا استعمال مشاہدہ میں آتا ہے جو معنی کے لحاظ سے بصیرت سے نزدیک ہیں جیسے:

۱۔ نور: صدر المتألھین کے قول کی رو سے خداوند متعال کے قول "افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور مّن ربّہ" میں ۳۰ انسان کو نور خدا کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۳۱

حق کی نور افگنی کے نتیجہ میں سالک وعارف، حیرت وشبہات سے چھٹکارا پا لیتے ہیں اور حقیقت کو کشف کر لیتے ہیں؛ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: "یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ برسولہ یؤتکم کفلین من رحمتہ ویجعل لکم نوراً تمشون بہ"۔ ۳۲

یہ مومنین دنیا وآخرت دونوں جگہوں پر نور کے حامل ہیں ۳۳ اللہ، تقویٰ کے ذریعہ مومنین کو بصیرت کا وہ نور عنایت کر دیتا ہے جس کے ذریعہ وہ صحیح راستہ پر گامزن رہیں اور حق وباطل میں فرق کر سکیں۔

۲۔ فرقان: قرآن کریم نے محض ان لوگوں کو اس کا مصداق جانا ہے جو تقوائے الٰہی اختیار کریں۔

"یَاَیّھا الّذین آمنوا ان تتّقوا اللہ یجعل لّکم فرقانا"۔ ۳۴

۳۔ یقظہ: بصیرت سے نزدیک لفظ "یقظہ" ہے امام علیؑ، یقظہ کے تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں: "یقظہ استبصار" ۳۵؛ یقظہ یعنی بیداری طلب بصیرت ہے۔

۴۔ عقل: قرآن کریم، قوم عاد اور ثمود سے متعلق ارشاد فرماتا ہے: "وعاداً وّثمود وقد تبیّن لکم من مّساکنهم و زیّن لهم الشّیطان اعمالهم فصدّهم عن السّبیل وکانوا مستبصرین"۳۶۔ طبرسی کی رو سے باوجودیکہ وہ لوگ صاحب عقل تھے پھر بھی شیطان نے ان کو اللہ کے راستے سے بھٹکادیا۔۳۷

صدر المتالہین نے بھی بصیرت کو عقل سے تعبیر کیا ہے" تسمی بالقوۃ العاقلة والبصیرۃ الباطنہ وھی تدرک المعانی التی لیست متخیلة ولامحسوسة"۳۸ غزالی بھی بصیرت و عقل کے درمیان محض لفظ کے فرق کے قائل ہیں وگرنہ معنی کی رو سے یہ دونوں لفظ مترادف ہیں۔۳۹ "البصیرۃ، العقل والفطنة، قوۃ فی القلب تدرک بھاالمعقولات---"۴۰

۵۔ دیدہ دل: انسان کی باطنی شخصیت میں ایسا ملکہ پایاجاتا ہے جو قدرت کی فطری توفیقات کی وجہ سے اچھائی اور برائی، حق و باطل میں فرق کرتا ہے چنانچہ حقائق کو پہچاننے کے لئے فطرت ایک اہم عنصر ہے اور یہ عقل سے اس کے تمام تر فکراور نظری و علمی ادراکات کے باوجود قدرے متفاوت ہے امام صادقؑ فرماتے ہیں: "انّما شیعتنا اصحاب الاربعة الا عین،عینان فی الرأس وعینان فی القلب الّا و الخلائق کلهم کذلک الا ان اللہ عزو وجل فتح ابصارکم واعمی ابصارهم"۴۱ ہمارے چاہنے والوں کی چار آنکھیں ہوتی ہیں دوسر کی جانب اور دو دل میں البتہ سارے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں بس بعض کی آنکھوں کو پروردگار عالم نے کھول دیا ہے مگر بعض ابھی بھی اندھے ہیں۔

۶۔ معرفت: امام صادقؑ سے مروی روایت کے مطابق معرفت کی دو قسمیں ہیں: باطنی وظاہری۔ معرفت باطنی، بصیرت کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے اور انسان اس کی مدد سے دین خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے تاہم معرفت ظاہری والے لوگ ایسے نہیں ہوتے گوکہ وہ بھی حق پر ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔۴۲

۳۔ قرآن کریم میں بصیرت کے مترادفات

قرآن کریم میں بصر کے مشتقات ۱۴۸ دفعہ ۶۲ سوروں اور ۱۳۹ آیات میں اور لفظ بصیرت دوبار۴۳ اور بصائر ۵ مقامات پر استعمال ہوا ہے اتفاق یہ ہے کہ سبھی آیات مکی ہیں۔

اللہ کو قرآن کریم میں ۴۲ مقامات پر بصیر کہا گیا ہے چنانچہ بصیرت ذات خداوندی کی اصل ہے تاہم بصیر کو ۷ معنوی صفات جیسے علم، قدرت، زندگی، سماعت وصدق وغیرہ کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کے اوصاف میں ہی جانا گیا ہے۔

الف: بصیرت یعنی یقین اور گواہ

قرآن کریم، دعوت توحید کے تعلق سے پیغمبر اکرمؐ کی سیرت کے بارے میں فرماتا ہے: "قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتّبعنی" ۴۴ تفاسیر میں آیا ہے کہ یہ دعوت، یقین، بینائی، دلیل وبرہان کی رو سے دی گئی دعوت ہے۔ ۴۵

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ "بل الانسان علی نفسہ بصیرہ" ۴۶ آدمی خود پر بصیر یعنی گواہ ہے اس طرح سے کھلی ہوئی اور واضح حجت کا قیام اسی کی بنیاد پر ہوگا۔ ۴۷

ب: مبصر یعنی روشن، روشنی بخش اور بینا

بعض آیات میں مبصر، روشن یا روشنی بخش کے معنیٰ میں آیا ہے جیسے: "ھو الّذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیہ والنّھار مبصراً" ۴۸ وہ وہی خدا ہے جس نے رات کو آرام وسکون کے لئے اور دن کو اجالوں بھرا بنایا ہے۔

اس کے علاوہ، مبصر، دیکھنے والے اور متقین کی توصیف کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے: "انّ الذین اتّقوا اذا مسّھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون" ۴۹ اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ جب بھی شیطان ان کے (متقیوں کے) دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے اور انہیں غلط کاموں کی ترغیب دلاتا ہے تو وہ خدا کے عتاب کو یاد کرتے ہیں اور یہ سبب بنتا ہے کہ وہ اپنے حرکات پر نظر رکھتے ہیں اور شیطانی وسواس سے دوری اختیار کرتے ہیں۔ ۵۰

قرآن کریم میں مبصرہ کا لفظ، آشکار کرنے والے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے "فلمّا جاء تھم اٰیاتنا مبصرہ" ۵۱ پس جیسے ہی ہمارے واضح معجزے ان کے سامنے آئے۔

ج: مستبصر یعنی بینا اور ہوشیار، بصیرت کا طالب

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: "وکانوا مستبصرین" ۵۲، لفظ مستبصر اس آیت میں بینا ۵۳ اور طالب بصیرت کے معنیٰ میں آیا ہے۔ ۵۴

د: تبصرہ یعنی بینائی عطا کرنا یا آگاہ کرنا

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: "تبصرۃ وّذکریٰ لکلّ عبد مّنیب" ۵۵ اس آیت شریف میں تبصرہ، بینائی دینے یا واضح کرنے کے معنیٰ میں آیا ہے ۵۶

ھ: بصیر یعنی آگاہ وبینا

قرآن کریم، اللہ کی توصیف میں کہتا ہے: "وکفیٰ بربّک بذنوب عبادہٖ خبیراً بصیراً"۵۷؎
مذکورہ آیت میں لفظ بصر کے معنی آگاہ و باخبر کے ہیں جیسا کہ اس کے ترجمہ سے واضح ہے: اللہ کا اس کے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا ان کے لئے کافی ہے۔ ۵۸؎ ایک دوسری آیت میں یہی لفظ بینا کے معنی میں استعمال ہوا ہے: "فالقوہ علی وجہ ابی یاتِ بصیراً" ۵۹؎ میرا پیراھن ان پر ڈال دو تاکہ ان کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آئے۔

و: بصائر یعنی دلائل اور اندرونی بینائی

بصائر، قرآن میں دلائل کے معنی میں آیا ہے جیسے: "قد جائکم بصائر من رّبکم" ۶۰؎ یقیناً اللہ کی طرف سے تمہارے واضح دلائل آچکے ہیں۔ تفسیر جامع البیان میں بصائر کے معنی حجج اور بینات درج کئے گئے ہیں کہ جو ہدایت و گمرہی اور کفر وایمان کے بیچ شناخت کا ذریعہ ہے۔ ۶۱؎

قرآن ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے: "قل انّما اتبع مایوحی الی من ربی ھذا بصائر من ربّکم وھدًی وّرحمۃ لّقوم یومنون "۶۲؎: کہدو کہ بیشک جو میرا پروردگار مجھ پر وحی کرتا ہے میں اسی کی پیروی کرتا ہوں یہ (قرآن) دیدہ دروں کا سرمایہ ہے یہ تمہارے خدا کی جانب سے سرتاسر ہدایت ورحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے۔

ز: ابصار یعنی آنکھیں

لفظ ابصار قرآن میں آنکھوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: "فانّھا لا تعمی الابصار" ۶۳؎ بیشک ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں ۶۴؎ البتہ قرآن نے اولی الابصار صاحبان بصیرت کے لئے بھی کہا ہے جیسا کہ ارشاد ہے؛ "فاعتبروا یا اولی الابصار" ۶۵؎؛ اے دیدہ وروں غیرت حاصل کرو۔ ۶۶؎

ح: ابصر اور باب افعال سے اس کے مشتقات دیکھنے، جاننے، سمجھنے اور معرفت حاصل کرنے کے معنی میں

لفظ ابصر اور اس کے مشتقات بہت ساری آیات میں آئے ہیں جیسے: "وابصر ھم فسوف یصرون"۶۷؎ انہیں دیکھو وہ بہت جلد اپنے کیفر کردار کو پہونچ جائیں گے ۶۸؎ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: "لھم اعین لّا یبصرون بھا"۔۔۔ ۶۹؎ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں یعنی وہ اپنی

ظاہری آنکھوں سے حقائق کو نہیں دیکھ پاتے، چنانچہ خیر وحق سے محروم ہیں۔ ۲۰؎ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: "فمن ابصر فلنفسه" ۱؎ جو کوئی بھی دیکھے یا سوچے اپنے لئے بھی سوچے۔

لفظ بصر، مفرد اور جمع دونوں حیثیتوں سے ظاہری آنکھ اور باطنی آنکھ کے معنی میں ۳۸ آیتوں میں استعمال ہوا ہے اور ان تمام مقامات پر خداوند متعال کی توصیف کی گئی ہے۔ یہی مصدر ۲۰ سے زائد مقامات پر مختلف صیغوں میں فعل کی حیثیت سے آیا ہے علاوہ ازیں، فاعل کی حیثیت سے اس کی جمع دو آیتوں میں ذکر ہوئی ہے۔ ۲؎

۴۔ بصیرت الٰہی

بصیر ہونا اللہ کی صفات ثبوتیہ میں سے ایک ہے اس حیثیت سے کہ جو اشیاء بھی لائق دید ہیں وہ بغیر کسی وسیلہ بینائی کے اسے دیکھتا ہے بلکہ یوں کہا جائے: قابل دید چیزیں اسی کی ذات سے عیاں اور مشہود (ظاہر) ہوئی ہیں۔

مصنف مجمع البحرین لکھتے ہیں: "البصير في اسمائه تعالىٰ هو الّذي يشاهد الاشياء كلّها ظاهرها وخافيها من غير جارحة، والبصر عبارة في حقه عن الصفة الّتي ينكشف بها كمال نعوت المبصرات" ۳؎ بصیر، اسمائے الٰہی میں سے ہے جس کہ معنی یہ ہیں کہ اللہ ہر شی کے ظاہر و باطن کو بغیر کسی شیٔ کی مدد کے دیکھتا ہے اور اس حوالے سے بصر کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ ایک شیٔ جو اپنے تمام حقائق کے ساتھ اس کے لئے قابل دید ہے۔

۵۔ درجات بصیرت

بصیرت یعنی باطنی بینائی کے مختلف مراحل ہیں، انبیاءؑ اور ائمہ معصومینؑ اس کے نقطۂ کمال پر فائز ہیں حضور اکرمؐ کی ذات اقدس ان تمام الٰہی اقدار وکمالات کا آئینہ اور مظہر ہے جن میں بصیرت بھی شامل ہے۔ بصیرت بھی دیگر اوصاف کی طرح مرحلہ وار شیٔ کا نام ہے چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ بصیرت کے بلند ترین ممکنہ درجہ پر فائز ہیں۔ قرآن کریم نے دعوت توحید کے سلسلے میں پیغمبرؐ کی سیرت پر ارشاد فرمایا ہے: "قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى وسبحان الله وما انا من المشكرين" ۴؎

کہدو کہ یہ میرا راستہ ہے میں اور میرے پیروکار بصیرت کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اللہ کی ذات پاک ہے اور میں مشرک نہیں ہوں۔

بصیرت بھی دیگر اوصاف کی طرح تدریجی ہے اور پیغمبرؐ، اللہ کے بعد کامل ترین اور افضل ترین شخصیت ہیں۔

ہر وہ فضیلت جو اہل بیتؑ کے لئے ثابت ہے وہ حضرت فاطمہ زہرا (س) کو شامل ہے چونکہ بہر حال آپ اہل بیتؑ سے ہیں اور یہ پاک خانوادہ نور واحد سے ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مختلف روایات میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے امام معصومؑ کی بصیرت سے متعلق فرمایا: "فاذا صار الامر الیه جعل اللہ لہ عموداً من نور یبصر بہ ما یعمل اهل کل بلدة"۵ے

جب انھیں امامت ملتی ہے اللہ ان کے لئے ایک نور کا منارہ قائم کرتا ہے جس سے وہ ہر دیار کے باشندوں کے اعمال کو دیکھ سکیں۔

گو کہ یہ مذکورہ رتبہ اولیاء اللہ اور معصومینؑ سے مخصوص ہے مگر مؤمنین بھی اس درجہ پر فائز ہو سکتے ہیں۔ جو شخص اس خداداد نور باطن کو بروئے کار لائے اور اس کے کان اور آنکھیں کھل جائیں تو وہ اللہ کی نشانیوں کو دل کی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور موجودات ہستی کی تسبیح وتقدیس کی آواز کو سن سکتا ہے باوجودیکہ اہل بصیرت کی صلاحتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں: "النّاس معادن کمعادن الذهب والفضة": ۶ے امام صادقؑ کے قول کی رو سے بعض مومنین کی بصیرت کے مقابل بعض دوسرے مومنین کی بصیرت راسخ تر ہے اور یہی اس کے مراتب ہیں: "وبعضهم انفذ بصیرة وهی الدرجات" ۷ے یہ وہی درجات ہیں جن کے لئے اللہ نے کہا: "هم درجات عند اللّٰه" ۸ے

حوالہ جات:

۱۔ یہ لفظ، عرفان وتصوف کے علاوہ علوم نفسیات میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ ابن فارس، ابی الحسین احمد بن فارس بن زکریا، "معجم مقاییس اللغة"، ترتیب وتنقیح: سعید رضا علی عسکری وحیدر مسجدی، پژوہشگاہ حوزہ ودانشگاہ، قم، ۱۳۸۷، ج ۱، ص ۹۳ لفظ بصر۔

۳۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، ۲۰۰۰ء، ج ۲، ص ۹۳۔

۴۔ فراہیدی عزدی، خلیل بن احمد بن عمر تمیم، " العین"، طبع دوم، ہجرت، قم، ۱۴۱۰ق، ج ۷، ص ۱۱۷۔

۵۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد، "المفردات فی غریب القرآن"، ترجمہ غلام رضا خسروی حسینی، طبع سوم۔ مرتضوی، تہران، ۱۳۸۳، ج ۱، ص ۲۷۵۔

۶۔ مصطفوی، حسن، "التحقیق فی کلمات القرآن الکریم"، آثار علّامہ مصطفوی، تہران، ۱۳۸۵، ش ج ۱، ص ۳۰۳۔

۷۔ التھانوی، محمد علی، " موسوعہ کشاف اصطلاحات الفنون العلوم، طبع اوّل، نشر سپاس، تہران، ج ۱، ص ۲۵۷۔

۸۔ بل الانسان علی نفسہ بصیرہ۔
۹۔ مکارم شیرازی و دیگران، ناصر، "تفسیر نمونہ"، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۷۴ش، ج ۲۵، ص ۲۹؛ جوادی آملی، عبد اللہ، "تسنیم"، محقق علی اسلامی، اسراء، قم، ۱۳۸۸ش ج ۳، ص ۲۹۔
۱۰۔ عسکری، ابی ہلال، "معجم الفروق اللغہ"، مکتبہ بصری، قم، ۱۰۔ ص ٦٤۔
۱۱۔ ایضاً، ص ٦
۱۲۔ قرشی، سید علی اکبر، قاموس قرآن، دار الکتب اسلامیہ، تہران ۱۳۷۰ش ج ۱، ص ۱۹۵۔
۱۳۔ راغب اصفہانی، قاموس قرآن، ج ۱، ص ۲۷٦۔
۱۴۔ مکارم شیرازی، ناصر، پیام قرآنی، اڈیشن ۵، سید علی بن ابی طالب، قم ۱۳۷۴ش ج ۱، ص ۱۵۵۔
۱۵۔ سیر تاج الدین علی بصیرت، در منظر قرآن، عرفان ویرہانی، تہران ۱۲۸۸ش ص ۱۲۔۱۱۔
۱٦۔ طالقانی، سید محمود، پرتوی از قرآن، پہلا یڈیشن، تہران، ۱۳٦۲ش ج ۱، ص ۴۷۔
۱۷۔ رضوی پور، غفار ولعی رضوی پور، بصیرت وعصر جنگ نرم، شیراز، ص ۴۳۔
۱۸۔ راغب اصفہانی، ص ۲۷۷۔
۱۹۔ معین، ج ۱، ص ٦۲۔
۲۰۔ دہ خدا، علی اکبر، نفت نامہ، تہران یونیورسٹی، ج ۳، ص ۱۰۱۔
۲۱۔ ایضا، ج ۴، ص ۴۴۷۔
۲۲۔ ایضا، ج ۴، ص ۴۴۷۔
۲۳۔ ایضاً، ۳، ص ۸۷۲۔
۲۴۔ معین، سابق حوالہ، ج ۱، ص ٦۷۲۔
۲۵۔ ایضاً، ج ۴، ص ۳۰۹۔
۲٦۔ ملین، ج ۱، ص ۵۵۳۔
۲۷۔ ایضاً، ج ۱، ٦۲۸۔
۲۸۔ ایضاً، ج ۱، ص ۵۵۳۔
۲۹۔ ایضاً، ج ۱، ص ۳۰۱۔
۳۰۔ سورہ زمر، آیت ۲۲۔
۳۱۔ صدر المتالہین، محمد بن ابراہیم، تفسیر القرآن الکریم، بیدار قم، ۱۳٦۰ش ج ۲، ص ۳۳۲۔
۳۲۔ سورہ حدید، آیت ۲۸۔

۳۴۔ طباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن ج ۱۹، ص ۳۶۰۔
۳۵۔ سورہ انفال، آیت ۲۹۔
۳۶۔ آمدی، عبدالواحد بن محمد، غرر الحکم ودرر الکلم، دفتر تبلیغات اسلامی، قم، الفصل التاسع، ص ۴۴۸۔
۳۷۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۳۸۔
۳۸۔ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، تہران، ایڈیشن ۳، ص ۴۴۴۔
۳۹۔ صدر المتالہین، ج ۲، ص ۳۳۲۔
۴۰۔ مرکز فرہنگ ومعارف قرآن، دائرۃ المعارف قرآن کریم، بوستان کتاب، قم، ص ۵۷۹۔
۴۱۔ اعلمی حائری، محمد حسین، دائرۃ المعارف "الشیعہ العام" الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۱۳ھ جزء ۶، ص ۱۹۹۔
۴۲۔ مجلسی، ج ۶۵، ص ۸۱، باب، ۱۵۔
۴۳۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: "المعرفة علی وجهین معرفة ثابتة علی بصیرة یعرف بها دین الله ویوصل بها الی معرفة الله فهذه المعرفة الباطنة الثابتة بعینها الموجبة حقها المستوجب اهلها علیها۔۔۔ و معرفة فی الظاهر فاهل المعرفة فی الظاهر الذین علموا امرنا بالحق علی غیر علم لا تلحق باهل المعرفة فی الباطن علی بصیرتهم" مجلسی، گذشتہ حوالہ، ج ۲۴، ص ۲۹۰۔
۴۴۔ مجلسی، گذشتہ حوالہ، ج ۵۸۔ ص ۶۵، باب ۴۲۔
۴۵۔ سورہ یوسف، آیت ۱۰۸؛ سورہ قیامت، آیت ۱۴۔
۴۶۔ حسینی، ج ۶، ص ۳۱۱۔
۴۷۔ سورہ قیامت، آیت ۱۴۔
۴۸۔ طوسی، ج ۱۰، ص ۱۹۵۔
۴۹۔ سورہ یونس، آیت ۶۷، لفظ نمل کی آیت ۸۶ اور سورہ غافر کی آیت ۶۱ میں بھی اسی معنیٰ میں آیا ہے۔
۵۰۔ سورہ اعراف، آیت ۲۰۱۔
۵۱۔ نجفی خمینی، ج ۶، ص ۴۵۔
۵۲۔ سورہ نمل، آیت ۱۳۔
۵۳۔ سورہ عنکبوت، آیت ۳۸۔
۵۴۔ فرہنگ نامہ قرآن کریم، ج ۲، لفظ بصر۔
۵۵۔ راغب اصفہانی، ج ۱، ص ۳۷۸۔

۵۶۔ سورہ ق، آیت ۸، تاکہ ہر بندے کے لئے بینائی اور یاد آوری کا سبب رہے اگر وہ خدا کی طرف پلٹنا چاہتا ہے۔
۵۷۔ قرشی، ج ا، ص ۱۹۸۔
۵۸۔ سورہ اسرار، آیت ۱۷، لفظ بصیر، سورہ فاطر کی آیت ۱۹ میں بھی اسی معنی میں ہے۔
۵۹۔ ترجمان، ترجمہ مجمع البیان، فی تفسیر القرآن، فراہانی، ج ۱۴، ص ۱۱۲۔
۶۰۔ سورہ یوسف، آیت ۹۳۔
۶۱۔ سورہ انعام، آیت ۱۰۴۔
۶۲۔ طبرسی، ابو جعفر محمد بن جرید، جامع البیان فی تفسیر القرآن، پہلا ایڈیشن، دار المعرفہ، بیروت، ج ۲، ص ۲۰۲۔
۶۳۔ سورہ اعراف، آیت ۲۰۳۔
۶۴۔ سورہ حج، آیت ۴۶۔
۶۵۔ حسینی، ج ۹، ص ۶۹۔
۶۶۔ سورہ حشر، آیت ۲۔
۶۷۔ مترجمان "ترجمہ جوامع الجامع"، بنیاد پژوهش های آستان قدس رضوی، مشهد، ج ۲، ص ۲۷۵۔
۶۸۔ سورہ صافات، آیت ۱۷۵۔
۶۹۔ "منتظر باش تا ببینی و ببینند"، راغب اصفہانی، ج ا، ص ۲۸۷۔
۷۰۔ سورہ اعراف، آیت ۱۷۹۔
۷۱۔ مصطفوی، حسن، "تفسیر روشن"، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، تہران، ۱۳۶۰ش، ج ۹، ص ۲۷۷۔
۷۲۔ موسوی غروی، محمد جواد، "آدم از نظر قرآن"، نگارش، تہران ۱۳۸۴ش، ص ۳۹۲۔
۷۳۔ طریحی، ج ۳، ص ۲۲۲، ابن منظور، ج ۴، ص ۶۴۔
۷۴۔ سورہ یوسف، آیت ۱۰۸۔
۷۵۔ خوئی، میرزا حبیب اللہ ہاشمی، "منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغہ"، مکتب الاسلامیۃ، تہران، ۱۳۵۸ش، ج ۵، ص ۲۰۰۔
۷۶۔ مجلسی، مذکورہ حوالہ ج ۵۸، ص ۶۵، باب، ۴۲۔
۷۷۔ مجلسی، سابق حوالہ، ج ۶۶، ص ۱۶۸۔
۷۸۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۶۳۔

دینداری اور دینی بصیرت کا باہمی ارتباط نہج البلاغہ کی روشنی میں

تالیف: دل آراء نعمتی[1]
فاطمہ مسجدی[2]
ترجمہ: شیخ مولانا ممتاز علی

خلاصہ

انسانی زندگی کے مادی و معنوی پہلوؤں کے لئے اسلام کے دامن میں لائحہ عمل موجود ہے لہٰذا اسلام بشری زندگی کا محور بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، انسان کی جسمانی، روحانی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر سوال کا جواب اسلام میں موجود ہے چونکہ نہج البلاغہ معرفت کے مختلف شعبوں اور تعلیمات اسلامی کا مجموعہ ہے اس وجہ سے اسلامی معرفت کا ایک مدرک اور سرچشمہ ہے۔ دینی بصیرت اور دینداری کے بارے میں یہ کتاب مکمل خزانہ ہے، نہج البلاغہ میں روح معتبر وبندگی اور انفرادی واجتماعی زندگی کے مختلف میدانوں میں علم وعمل کے تلازم کا بیان موجود ہے۔ یہ دونوں چیزیں تیسری شئے دینداری یعنی دینی بصیرت کا سبب ہیں۔ تقوی (معتبر) تسلیم ولایت، حمیت وغیرت دینی آپس میں مل جل کر انسان کو دیندار بنانے میں معاون ہیں انسانی زندگی میں دین کا مقام جیسے موضوع پر صاحبان نظر نے ہمیشہ توجہ فرمائی ہے اس پر بہت زیادہ گفتگو ہوئی ہے کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہر ایک نے اس پر ایک خاص رخ سے نظر ڈالی ہے۔ حضرت امیر المؤمنین نے بھی نہج البلاغہ میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے آپ انسانی زندگی میں دین کی محوری حیثیت کے قائل ہیں اسی وجہ سے نہج البلاغہ میں اگر غوروفکر کی جائے تو دینداری اور دین کی رہنمائی کو آپ کے نکتۂ نظر سے بیان کیا جاسکتا ہے اس طرح حضرت کی نظر میں دینداری اور بصیرت دینی کو بیان کرنا آسان ہو جائے گا۔

۱۔ دین کی تعریف

عربی لغت میں دین کے معنی، جزاء، حساب، اطاعت، اسلام، عادت، شانِ، ذلت، حالت،

۱۔ استاد آزاد یونیورسٹی کرج۔dlrnemati@gmail.com
۲۔ علوم قرآن وحدیث آزاد یونیورسٹی کرج۔masjedi.falemeh@yahoo.com

جس چیز پر انسان ایمان رکھتا ہے، "سلطان" ورع، قہر، معصیت، طاعت اور درد کے ہیں۔ (ابن منظور، ۱۴۱۴ جلد ۳، ص ۱۶۹) عام اصطلاح میں راہ وروش زندگی کو دین کہاجاتا ہے (طباطبائی، ۱۳۷۹، ص ۶) خاص تعریف میں عام اور انسان کے پیدا کرنے والے پر ایمان اور اس اعتقاد کی مناسبت سے عملی دستور کو دین کہاجاتا ہے (جوادی آملی، ۱۳۹۲، ص ۲۸) اس بنیاد پر اسلام میں دین کے دو رکن ہیں:

الف: اعتقاد

ب: عملی طریقۂ عمل، احکام اور تکالیف کہ جس میں اخلاق اور فقہ بھی شامل ہو۔

۲۔ بصیرت دینی کی تعریف

بصر (ج: ابصار) اس کے معنی آنکھ اور حسن بینائی کے ہیں، بصیر (ج: بصائر) کے معنی دل اور قلب کے ادراک اور باطنی بینائی کے ہیں (راغب، ۱۴۱۲، ص ۴۹) قرآن میں دلیل، حجت، برہان، شاہد اور گواہ کے معنی میں بھی آیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔" بل الانسان علیٰ نفسہٖ بصیرۃ" (القیامہ، آیت ۴) اور یہ بھی آیا ہے کہ " قد جاءکم بصائر من ربّکم" (الانعام، آیت ۱۰۴) حجت اور دلیل کے معنی میں جو لفظ بصیر کا استعمال ہوا ہے تو وہاں سب پر مسبّب کا اطلاق ہے اور وہ اس طرح کہ حجت، دل کی بینائی اور قلبی ادراک کا سبب ہوتی ہے (قرشی، ۱۳۷۷، ج ا ص ۱۹۰)

اس بناپر باطنی دریافت، دل کی بینائی ظاہر سے بالاتر باطن کا ادراک بصیرت کے معانی ہیں۔ لہٰذا امر دین میں قلبی اعتقاد اور باور کا نام دینی بصیرت ہے (فراہیدی، ۱۴۱۴، ج ا، ص ۱۶۶) اس سے یقین حاصل ہوتا ہے۔ دینی قیادت کی خصوصیتیں بیان کرتے ہوئے حضرت امیر المؤمنین ارشاد فرماتے ہیں" ھجم بھم العلم علی حقیقۃ البصیرۃ وباشروا روح الیقین" علم نے انہیں باطنی حقیقت کے ادراک تک پہونچادیا اور انہوں نے یقین کی روح کو حاصل کرلیا (نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۷)

اس بنیاد پر دینی بصیرت، دینی آگہی سے بالاتر شئے ہے اور یہ وہ یقین ہے جو دینی عمل کے ساتھ جڑا ہوتا ہے اس کا ماحصل مختلف امور میں روشن بینی ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے" یاایھاالذین آمنوا ان تتّقوا اللہ یجعل لکم فرقانا"۔ (انفال، آیت ۲۵) اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کروگے تو اللہ تمہارے لیے حق و باطل میں فرق کرنے کی صلاحیت پیدا کردے گا۔ لہٰذا دین کے پرتو میں دینی حقیقت سے حاصل شدہ روشن بینی ہے جو مختلف امور میں حق و باطل کے درمیان فرق کی قوت عطا کرتی ہے اس بناپر اس بحث میں حقائق دینی کے سلسلہ میں مختلف امور میں قلبی اعتقاد کے سایہ میں روشن بینی کا اکتساب اور دینی قوانین کے

مطابق عملی التزام کا نام دینی بصیرت ہے جیسا کہ امیر المؤمنین کی نظر میں حق کے مدار پر گردش کرنے والا انسان جو ظاہری امور سے ان کی حقیقت کا پتہ معلوم کرنے اور حق کی تشخیص میں کامیاب ہو وہی بصیر ہے۔" انما البصیر من سمع فتفکر ونظر فأبصر و انتفع بالعبر ثم سلك جدداً واضحاً یتجنب فیه الصرعة فی المهاوی والضلال فی المغاوی" بصیر انسانی وہ ہے جو کہ غور وفکر کرے، نظر ڈالے درک کرے اور عبرت والی چیزوں سے نصیحت حاصل کرے نتیجہ میں روشن اور واضح راستہ طے کرے گڑھوں میں گرنے اور گمراہ راستوں میں گم ہونے سے محفوظ رہ جائے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۳)

۳۔دین کی جامعیت

اسلام نے انسان کے تمام وجودی پہلوؤں اور مادی ومعنوی جہتوں کے لئے لائحہ عمل پیش کیا ہے وہ جسمانی، روحانی، انفرادی، اجتماعی تمام سوالات کا جواب دہ ہے۔ انسان کی متغیر اور غیر متغیر ضرورتوں کے لئے اس کے پاس قوانین اور عملی راہ نمائی بالقوت اور بالفعل صورت میں موجود ہے جو اجتہاد کے ذریعہ معلوم کی جاتی ہے اگر کوئی انسان قرآن اور اسلام کے بتائے ہوئے لائحہ عمل پر چلے تو نجات اور دنیا وآخرت کی سعادت اسے ضرور ملے گی (ابراہیم زادہ، ۱۳۵۹، ص ۱۰)

اگر اسلام کو جامع اور کامل نہ مانا جائے تو امیر المؤمنین کی نظر میں اس میں کوئی نقص یا ابلاغ میں پیغمبر کی (معاذاللہ) کوئی کوتاہی تسلیم کرنا پڑیگی خصوصاً پہلے فرض کے سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں کہ "أم انزل الله سبحانه دیناً ناقصاً فاستعان بهم علی اتمامه أم کانوا شرکاء له فلهم ان یقولوا وعلیه ان یرضیٰ۔" کیا خدا نے ناقص دین بھیجا ہے جو اس کی تکمیل کے لئے اس نے ان سے مدد مانگی ہے؟ کیا وہ خدا کے شریک ہیں کہ احکام دین میں جو چاہیں کہیں اور خدا اس پر راضی رہ جائے؟ (نہج البلاغہ، خطبہ ۸۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان کی ہدایت وسعادت کے لئے عقائد اور احکام کا کوئی گوشہ فروگذاشت نہیں کیا ہے۔ کیونکہ دین میں کمی کی بات تسلیم کرلینے کا مطلب قرآنی آیات کی صریحی مخالفت ہے۔"مافرطنا فی الکتب من شئ "ہم نے قرآن میں کوئی چیز چھوڑی نہیں ہے۔(الانعام،آیت ۳۸) "ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لّکل شئ" اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے (النحل،آیت ۸۹) دوسری طرف یہ بھی دھیان رہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے ناقص دین کا بھیجنا مخالف قانون حکمت اور خلاف لطف الٰہی ہے اور وہ لطف وحکمت کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا کیونکہ ایسے کام کو عقل پسند نہیں کرتی اور خدا خلاف عقل کوئی کام انجام نہیں دیتا۔ (سبحانی نیا، ۱۳۸۹،ص ۴۵-۴۶)

دوسرے فریضہ کی بنیاد یہ ہے کہ خدا نے تو مکمل اور جامع دین بھیجا تھا لیکن پیغمبرؐ نے معاذاللہ

اس کی تبلیغ میں کوتاہی کردی تو یہ فرض بھی بالکل غلط ہے کیونکہ کوتاہی کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے معاذ اللہ ذمہ داریوں کو نہیں نبھایا اور ہوائے نفس کی پیروی کی خدانے قرآن میں جس کی نفی کی ہے: "وماینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحیٌ یّوحیٰ" پیغمبرؐ اپنی مرضی سے نہیں بولتے وہ وحی کے بغیر کلام نہیں کرتے۔ (النجم، آیت ۴۔۳) پیغمبر کا کلام ہوائے نفس کی دین نہیں ہے آپ اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ (قرآن اور دین آسمانی کے سلسلہ میں) جو بھی کہتے ہیں وہ خدا کی بھیجی ہوئی وحی ہے (طبرسی، ۱۳۷۲، ج ۹، ص ۲۶۱) اس دوسرے فریضہ کے سلسلہ میں حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں "أم انزل اللہ سبحانہ دیناتاما فقصر رسول اللہ عن تبلیغہ وادائہ" خدانے دین کامل بھیجا تھا تو کیا رسولؐ نے اسے پہونچانے میں کوتاہی کردی؟! (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸) حضرت امیرؑ کا یہ ارشاد دین اسلام کی جامعیت کی دلیل ہے لہٰذا اپنی جامعیت اور کمال کی بناپر اسلام، زندگی بشر کا مدار و محور قرار پاسکتا ہے۔

۴۔ دینداری، امیر المؤمنینؑ کی نظر میں

دین پر عملی طور پر کاربند رہنا اعمال اور رفتار کے تمام پہلووں میں اس کے قوانین جاری کرنا اور زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں اسی کے احکام ودستور نافذ کرنا دینداری ہے (ابراہیم زادہ، ۱۳۸۹، ص ۲۴)

مختلف انداز سے طرح طرح کے بیانات اور تمثیلات کے ذریعہ دین کی اہمیت کا تذکرہ کلام امیر المؤمنین میں موجود ہے یہاں تک کہ تمام خوبیوں میں دین وعقل کا جہاں تذکرہ آیا ہے وہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں سب سے زیادہ درخشندہ ہیں اور دوسرے سارے کمالات اس کے بعد آتے ہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ "من استحکمت لی فیہ خصلۃ من خصال الخیر احتملتہ علیھا، واغتفرتُ فقد ماسواھا ولا اغتفر فقد عقل ولادین لانّ مفارقۃ الدین مفارقۃ الأمن فلا یتھنّا بحیاۃ مع مخافۃ وفقد العقل فقد الحیاۃ ولایقاس الا بالاموات"

اگر کسی میں ایک صفت مستحکم انداز میں پائی جاتی ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں اور دوسری صفت سے درگذر کرتا ہوں لیکن اگر اس کے پاس عقل اور دین نہیں ہے تو پھر میں چشم پوشی نہیں کرتا کیونکہ دین سے جدائی امن وتحفظ سے جدائی ہے اور خوف والی زندگی اچھی نہیں ہے، عقل کا فقدان زندگی کا فقدان ہے اور (بے عقل) افراد کا قیاس مردوں کے ساتھ ہوتا ہے (کلینی، ۱۳۶۲، ج ۱، ص ۲۷)

اسی طرح حضرت ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں" لاحیاۃ الا بالدین ولا موت الا بجحود

الیقین" زندگی دینداری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ موت انکار یقین کے سوا کچھ نہیں ہے (محمدی ری شہری، ۱۳۸۵، ج ۴، ص ۱۲۴) دین سے روگردانی کی خامیاں بیان کرنے کے لئے آپ نے معاویہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "من نکث عنہا جار عن الحق وخبط فی التّیہ" جو دین سے دامن کش ہوگیا وہ حق سے روگرداں ہوگیااور وہ وادی حیرت میں سرگرداں رہے گا۔ (نہج البلاغہ، خط ۳۰)

امیر المؤمنین کے فرمودات کی روشنی میں یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ دینداری پر مسلمان کی زندگی کی اساس ہے، لہٰذا دینداری کے امتیازات کا نہج البلاغہ میں بیان ہوناضروری ہے تاکہ دینداری اور دینی بصیرت کے بارے میں ارتباط معلوم ہو۔

۵۔ دینداری کے امتیازات

بہت سی تعلیمات اور دینی مفاہیم تمام دینی احکام ومعارف کے آئینہ دار شمار کئے جاتے ہیں یعنی وہ دین کے محوری اور کلیدی امتیازات ہیں اگر ان کی پابندی کی جائے تو تمام دین وشریعت کی پابندی ہوگی دوسرے لفظوں میں یوں کہاجائے کہ قلبی تیقن اور تعلیمات کی عملی پابندی میں دین ودینداری کی روح اور حقیقت تجلی ریز ہوتی ہے اسی بناپر دینداری کے کچھ اہم امتیازات بیان کئے جارہے ہیں:

ا۔ تعبدوبندگی روح

عبد، تعبد، عبودیت، عبادت جیسے الفاظ کی تخلیق جب دینی مدارک میں کی جاتی ہے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ دینداری کی حقیقت اور روح کا خلاصہ خالصانہ تعبدوبندگی ہے۔ قرآن نے ان الفاظ پر اگر تکیہ کیاہے تواس کاراز انہیں حقائق میں مضمر ہے کیونکہ حق کی اطاعت، فروتنی اور فرمانبرداری کانام عبودیت ہے (راغب، اصفہانی، ۱۴۱۲، ۵۴۲) جو اپنے خداکا تابع محض ہو اور عشق خدا کی منزل میں خود سپردگی اور تسلیم محض تک پہونچ جائے وہ عبد کہلانے کے مستحق ہے (ابراہیم زادہ، ۱۳۸۹، ص ۳۱) پیغمبرؐ کو جو عبد کہہ کر مخاطب کیاگیا ہے اس میں بھی یہی راز پنہاں ہے (الاسراء، آیت ۱، الکہف، آیت ۱۷، الفرقان، آیت ۱۔۔۔) خدانے پیغمبر کے احترام میں آپ کو لفظ عبد سے یادفرمایا ہے اگر کوئی نام اور عنوان اس سے زیادہ مناسب ہوتاتو پروردگار عالم اپنے سب سے برگزیدہ اور عظیم بندہ کو انہیں الفاظ سے مورد خطاب وستائش قرار دیتا۔

حق پرست انسان ایمان وعمل کی منزل میں جب تک اپنے آپ کو نہیں لاتا جب تک جہاد بالنفس کے ذریعہ اپنی نفسانی وابستگی سے اپنے خرمن وجود کو پاک نہیں کرتا، اپنی ناتوانی اور ناداری سے

واقف نہیں ہوتا اس وقت تک دینداری اور ایمان کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں دینداری کے اسی امتیاز کی طرف اشارہ فرماتے ہیں "الاسلام ھو التسلیم" خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا نام اسلام ہے (نہج البلاغہ، حکمت ۱۲۵) فصاحت و بلاغت کے ثریا تک پہونچا ہوا یہ مختصر جملہ بتاتا ہے کہ سب سے اول درجہ کی دیندار وہی ہے جو تسلیم محض کی صفت سے متصف ہو عبد کے یہی معنی ہیں، پروردگار عالم کے سامنے بے چون وچرا سر تسلیم خم کر لینا حقیقی دینداری ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے" یا ایّھا الّذین امنوا ادخلوا فی السّلم کآفّۃ "اے ایمان والو! تم کسی اختلاف کے بغیر خدا کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم کرلو (البقرہ، آیت ۲۰۸) اس آیت میں لفظ مسلم کا مطلب ایمان کے بعد خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر لینے کے ہیں (طباطبائی ۱۴۱۷، جلد ۲ ص ۱۱۱) دوسرے مقام پر بھی مولائے کائنات نے اسی انداز کی بات پیش کی ہے ارشاد فرماتے ہیں" واُلجی نفسک فی امورک کلھا الی الھک " تمام کاموں میں تم اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کردو (نہج البلاغہ، خطبہ ۳۱) امام حسینؑ کو مخاطب کرکے حضرت نے فرمایا" ولیکن لہ تعبدک " تمہاری بندگی فقط اس (خدا) کے لئے ہونی چاہئے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ " ولاتکن عبد غیرک وقد جعلک اللہ حرا" تم کسی کے غلام نہ بنو خدا نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے (نہج البلاغہ، خط ۳۱)

قرآن کریم نے خدا کی بندگی کی دعوت دی ہے اس بنا پر حقیقی دیندار وہی ہوگا جو حقیقی عبد ہو۔ یعنی وہ کچھ نہیں ہے اسے اپنی بیچارگی اور ہیچ ہونے کا احساس ہو جائے، خدا کی بارگاہ میں عبودیت، انکسار اور فروتنی کا مظاہرہ کرے۔ زندگی کے تمام نشیب وفراز اور تمام حالات میں اسے بس مرضی رب کی تلاش کی دھن ہو۔

انسان کبھی ایسے موڑ پر پہونچ جاتا ہے جہاں وہ دین ودنیا اختیار کرنے کے درمیان حد فاصل پر کھڑا نظر آتا ہے ایسے خاص موقع پر وہ صحیح راستہ کا انتخاب کرتا ہے اور خدا کی مرضی کے راستہ پر قدم رکھتا ہے تو خدا اسے دینداری کے زمرہ میں قرار دیتا ہے اور اسے سر تسلیم جھکا دینے والا بنا دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں۔" ولا تسخط اللہ برضا احد من خلقہ فان فی اللہ خلفا من غیرہ " لوگوں کو راضی کرکے خدا کو ناراض نہ کرو کیونکہ خدا کی خوشنودی ہر چیز کی جگہ لے سکتی ہے لیکن کوئی چیز خوشنودی خدا کی جگہ نہیں لے سکتی (نہج البلاغہ، ۲۷)

بے حد ضروری بیان یہ ہے کہ، خواہشات کی پیروی اور ذاتی چاہتیں عبدیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، انسان بندہ خدا بھی ہو اور نفس امارہ کا تابع بھی رہے یہ نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں اس اہم بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نفس کی مخالفت، اس پر غلبہ حاصل کرنے

اور اسے، مہار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

آپ نے مالک اشتر کو حکم دیا کہ وہ اپنے نفس کو آرزوؤں کی پیروی سے باز رکھیں، اسے مہار کریں کیونکہ نفس برائیوں کا حکم دیتا ہے لیکن یہ کہ خدا رحم فرمائے "امرہ ان یکسر نفسہ من الشہوات ویزعہا عند الجمحات فان النفس امارۃ بالسوء الا ما رحم اللہ " (نہج البلاغہ، خطبہ ۵۳)

ایک خطبہ میں آپ ارشاد فرماتے ہیں "اُمرُءٌ اَلجم نفسہ بلجامھا وزمھابزمامھا فامسکھا بلجامھا عن معاصی اللہ وقادھا بزمامھا الی طاعۃ اللہ۔۔۔" ان کو اپنے نفس پر لجام لگانا چاہئے اسے اپنے اختیار میں کرنا اور طغیان اور گناہ سے روکنا چاہئے۔ اس کی عنان کو اطاعت پروردگار کی طرف موڑ دینا چاہئے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۳۷) واضح ہو کہ جب تک انسان عابدوں اور زاہدوں کا لباس نہیں پہنے گا اور عبدیت اختیار نہیں کریگا اس وقت تک نفس کو لجام لگانا ناممکن ہے۔ (بحرانی، ۱۳۷۷، جلد ۴، ص ۳۲۸)

۲۔ معرفت خدا کی بنیاد، تلازم علم و عمل

پروردگار عالم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور روح تعبد کو قوی کرنا اسی وقت عملی شکل اختیار کرسکتا ہے جب علم و عمل کے درمیان تلازم پیدا کیا جائے لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ دینداری کی دوسری خصوصیت مکمل طور پر سے اوامر ونواہی پر عمل کرنا ہے یعنی تمام واجبات کو ادا کرنے اور محرمات کو ترک کرنے کا التزام رکھا جائے مسلمان اگر اس منزل پر پہونچ گیا تو اسے ایمان پر یقین اور سچی دینداری حاصل ہو گئی۔

قرآن مجید نے دین کے تمام احکام پر عمل کرنے کی بے حد تاکید کی ہے اور "عمل صالح" کے سلسلہ میں جتنی آیتیں ہیں وہ سب اسی التزام کی علامتیں ہیں۔

سورۂ مومنون کی ابتدائی آیتوں میں مومنین کی کچھ خصوصیتیں بتائی گئی ہیں جن میں نماز میں فروتنی، زکوۃ کی ادائیگی امانت اور عہد وپیمان کی رعایت نماز کے اوقات کی پابندی شامل ہے یہ تمام چیزیں خدائی اوامر ونواہی پر التزام کی مصداق ہیں اور یہی سچی دینداری کے امتیازات بھی ہیں پوری نہج البلاغہ میں اس عملی التزام کی تاکید موجود ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں" العلم مقرون بالعمل فمن علم عمل" علم و عمل میں بڑا گہرا ربط ہے جس کے پاس علم ہے اسے عمل بھی کرنا ضروری ہے (نہج البلاغہ، حکمت ۳۶۶) ابن ابی الحدید نے ان جملوں کی تشریح میں تحریر فرمایا ہے کہ جس انسان کے پاس علم ہو اور وہ اس پر عمل نہ کرے تو خداوند عالم اس سے علم چھین لیتا ہے اور وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ کسی بھی مکلّف انسان کو اس کے علم کی بنا پر ثواب نہیں عطا ہوتا مگر یہ کہ وہ اس پر عمل

کرے (ابن ابی الحدید، ۱۳۳۷، ج ۱۹، ص ۲۸۴) اس کی وجہ یہ ہے کہ علم، قوت نظری کا کمال ہے۔ اور عمل قوت عملی کا کمال ہے لہٰذا کسی بھی دینداری کو ان دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر سعادت و کمال کی منزل نہیں مل سکتی" دیندار عالم کے لیے اپنے علم پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ اسے عالم ہی نہیں سمجھا جائے گا (البحرانی، ۱۳۷۷، ج ۴، ص ۶۶۲)

علم و عمل کے تلازم کے سلسلہ میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں " اول علم، سکوت ہے پھر سننا، پھر حفظ کرنا اور اس کے بعد عمل کرنا ہے۔" (مجلسی، بی تا، ج ۲، ص ۱۲۸)

امام جعفر صادق علیہ السلام یہ بھی فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہے جس کا کردار اس کے گفتار کی تائید اور تصدیق کرے جہاں ایسا نہ ہو وہ عالم نہیں ہے۔ (مجلسی، ج ۶۷، ص ۳۴۳)

دینی اعتقاد و عمل کی ہدایت فرماتے ہوئے حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ "لولم یتوعد الله علی معصیته لکان یجب ان لا یعصی شکراً لنعمه: اگر خدا نے گناہوں کے انجام دینے پر عذاب سے نہ بھی ڈرایا ہوتا تو شکریہ کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی نافرمانی نہ کی جاتی۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۲۹۰)

لہٰذا حقیقی دیندار وہی بندہ ہے جو علم و عمل کو آپس میں ملا دے، بندوں پر خدا کا سب سے کم حق یہ ہے کہ وہ گناہ نہ کریں، محرمات سے پرہیز کریں اور واجبات شرعی کے پابند بن جائیں "اقل مایلزمکم لله ان لا تستعینوا بنعمة الله علی معاصیه" خدا کا کم سے کم حق یہ ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمت سے گناہوں میں مدد نہ لیں (نہج البلاغہ، حکمت ۳۳۰)

اس طرح مولائے کائنات نے نہج البلاغہ میں نماز، روزہ، زکوۃ، خمس جہاد اور دیگر واجبات و محرمات کے موضوع پر متعدد مقامات پر تاکید کی ہے۔ مثلاً مالک اشتر کو جو خط تحریر فرمایا تھا اس میں لکھا کہ "امرہ بتقوی الله وایثار طاعته واتباع ما امر به فی کتابه من فرائضه وسننه" اس کو خدا کے خوف کا نیز دوسرے کاموں پر اطاعت خدا کو مقدم رکھنے کا حکم دیتا ہے اور خدا کی کتاب میں جن واجبات اور سنتوں کا تذکرہ آیا ہے ان کی پیروی کرتا ہے (نہج البلاغہ، خط ۵۳)

دوسرے مقام پر اسی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں" الفرائض ادوھا الی الله" واجبات! کو خدا کیلئے بجالاؤ۔ اوامر ونواہی کی پابندی کو آپ نے امانت کی ادائیگی سمجھا ہے۔ اپنی حکومت کے ایک کارندے کو تحریر فرماتے ہیں۔" امرہ بتقوی الله فی سرائر امرہ وخفیات عمله حیث لا شهید غیرہ ولا وکیل دونه وامرہ الایعمل بشئی من طاعة الله فیماظهر فیخالف الی غیرہ فیما اسرّ، ومن لم یختلف سرہ وعلانیته وفعله ومقالته فقد ادیٰ الامانة واخلص العبادة" یہاں اسرار اور پوشیدہ اعمال میں اسے خوف خدا کا حکم دیتا ہوں جہاں خدا کے سوا کوئی گواہ اور کوئی نمائندہ نہیں ہے اور اسے یہ حکم دیتا ہوں کہ وہ

ظاہر میں خدا کی اطاعت اور خلوت میں حکم خدا کی نافرمان نہ کرے اور اس کے گفتار و کردار میں ظاہری اور باطنی طورپر تضاد نہ پایاجائے، وہ امانت الٰہی کو ادا کرے اور عمل کو خلوص سے انجام دے (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۶)البتہ دین کے قوانین پر سختی سے وہی عمل پیرا ہوگا جسے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہو یہ ایسی شناخت ہے جس کا نتیجہ انقیاد، تسلیم اور حقیقی تقویٰ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پوشیدہ اور باطنی کاموں میں حکم خدا کی نافرمانی سے پرہیز حقیقی تقویٰ ہے کیونکہ خدا، انسان کے پوشیدہ اعمال اور رازہائے پنہاں سے واقف ہے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اپنے پوشیدہ کاموں سے صرف وہ آگاہ ہے۔ دوسری طرف انسان کا خدا کی فرمانبرداری میں ظاہر و باطن ایک ہونا ضروری ہے جن عبادتوں کو وہ ظاہری طورپر انجام دیتاہے ان میں خود نمائی اور ریاکاری سے اپنے آپ کو پاک رکھے (بحرانی، ۱۳۷۷، جلد ۴، ص ۴۱۶)

خدا کے نزدیک سب سے اچھے اور محبوب بندہ کے بارے میں مولائے کائنات فرماتے ہیں: "قداخلص لله فاستخلصه"اپنے اعمال کو خالص خدا کے لئے انجام دے جیسا کہ اس نے قبول کیا ہے (نہج البلاغہ، خطبہ ۸۷)

لہٰذا عبادت میں اخلاص عدم نفاق خدا کی صحیح معرفت کا نتیجہ اور دینداری کی خصوصیتیں ہیں لیکن ایمانی، عبادی وار علمی اعمال کا اپنے باطن کو جانتے ہوئے منفعت طلبی کے ساتھ انجام دینا حقیقت تقویٰ سے دور ہے اور ایساانسان دیندار نہیں ہے۔

۳۔ دینی بصیرت

دینداری کی تیسری خصوصیت "دینی بصیرت "ہے جو تعبداد اور انسانی زندگی میں علم و عمل کے درمیان التزام کا حاصل اور نتیجہ ہے۔ امور میں بصیرت اور آگاہی کا ہونا بہت اہم ہے۔خدا نے پیغمبر کی دعوت کو جہاں مکمل بصیرت والی دعوت قرار دیاہے وہاں فرماتاہے" قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى " کہدو کہ یہ میرا راستہ ہے ہم اور ہمارے پیروکار بصیرت کے ساتھ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں (یوسف ،آیت ۱۰۸) باطل سے جن کی شناخت" دینی فرائض کا ادراک، دوست و دشمن کی پہچان ، دشمن کی فتنہ پردازیوں اور سازشوں کے سلسلہ میں مکمل بیداری اور ہوشیاری، حالات کا صحیح تجزیہ، فتنوں اور ہنگاموں میں صحیح موقف اختیار کرنا دینی بصیرت ہے (ابراہیم زادہ، ۱۳۹۹ ، ص ۴۰)

حضرت امیر المومنینؑ کا یہ فرمان کہ " فقد البصرا هون من فقدان البصيرة" (تمیمی آمدی، ۱۳۶۶، ص ۴۱) آنکھوں کی بینائی کا نہ ہونا دل کی بینائی کے نہ ہونے سے آسان ہے۔ بصیرت کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: " العامل على غير بصيرة

کالسائر علی غیر الطریق ولا یزیدہ" بصیرت کے بغیر عمل کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو غلط راستہ پر چل پڑا ہو وہ جتنا تیز چلے گا منزل سے اتنی دور ہوتا جائے گا (صدوق، ۱۴۰، ص ۴۲۱)

دینداری کی اہم خصوصیت کے اعتبار سے دینی بصیرت چند اصولوں پر مبنی ہے:

الف: تقویٰ اور پرہیزگاری

"یَا ایّھا الّذین امنوا ان تتّقو اللہ یَجعل لّکم فرقاناً" اے ایمان والو اگر تم خدا سے ڈروگے تو تمہیں حق و باطل میں فرق کرنے کی صلاحیت عطا کرے گا (الانفال، آیت ۲۹) اس آیت کے مطابق دینی بصیرت کے اکتساب کا ذریعہ تقویٰ ہے کیونکہ فرقان وہ ہدایت ہے جسے خدا پرہیزگاروں کو عطا کرتا ہے اور وہ اس کے ذریعہ حق کو باطل سے جدا کر لیتے ہیں (مغنیہ، ۱۳۷۶، جلد ۳، ص ۴۷۲) لہٰذا صاحبان تقویٰ الٰہی تقویٰ کی مدد سے حق کو باطل سے جدا کر لیا کرتے ہیں۔

امیر المومنین نے نہج البلاغہ میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے "یوخذ من ھذا ضغث ومن ھذا ضغث فیمز جان فھنا لک یستولی الشیطان علی اولیائہ وینجو الذین سبقت لھم من اللہ الحسنیٰ" (اہل باطل) کچھ حصہ حق سے اور کچھ باطل سے لے لیتے ہیں اور دونوں کو ملا دیتے ہیں یہیں شیطان ایسے دوستوں پر غالب آجاتا ہے اور حق کے ساتھ لطف ورحمت الٰہی شامل ہوتی ہے نجات صرف وہی پاتے ہیں (نہج البلاغہ، خطبہ ۵۰) اس بنیاد پر حق وباطل کی آمیزش کے موقع پر امیر المومنینؑ صرف صاحبان تقویٰ کو صاحب بصیرت مانتے ہیں دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ طالبان حق وہ واقف کار اور مخلص بندے ہیں جو پروردگار کے لطف کی بنا پر حق و باطل کو ملا دینے والے فتنہ گروں کی سازش سے محفوظ ہیں (مکارم شیرازی، ۱۳۷۵، ج ۲، ص ۵۶۵)

مولائے کائنات حضرت امیر المومنینؑ تقویٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:" فان تقوی اللہ دواء داء قلوبکم، وبصر عمی افئد تکم ---وجلاءغشا ابصارکم---وضیاء سواد ظلمتکم " تمہارے اندر (دل) کے اندھے پن کا علاج تقویٰ ہے--- یہی تمہاری آنکھوں کو نور بخشتا ہے--- تمہاری تاریکی (نادانی) کے اندھیرے کو دور کرتا ہے (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۸)

بنابریں، کمال کے درجات تک نفس کو پہونچانے میں تقویٰ مددگار ہے۔ حقائق کے ادراک سے روکنے والے میرے صفات کو وہ ختم کرتا ہے غفلت کو نیست ونابود کرکے جہل کی تاریکی کو دور کرتا ہے (بحرانی، ۱۳۷۷، جلد ۳، ص ۴۴۸) یہی عطائے بصیرت ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:"أومن کان میتاً فأ حییناہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی النّاس کمن مّثلہ فی الظّلمات لیس

بخارج منها" جو مردہ دل تھا ہم نے اسے زندہ کیا اس کے لیے نور قرار دیا جس کی روشنی میں وہ لوگوں کے درمیان راستہ طے کرتا ہے کیا وہ شخص اس جیسا ہے جو تاریکی میں الجھا ہے اور باہر نکلنے کی امید نہیں ہے (الانعام، آیت ۱۲۲)

ہدایت الٰہی کی آمد اور توفیق سے پہلے انسان اس مردہ جیسا ہے جو نعمت حیات سے محروم ہے، ایمان کی توفیق جسے مل گئی اور جس کے ایمان سے اللہ راضی ہو گیا وہ اس جیسا ہو گیا جسے اللہ نے زندہ کیا ہے اور اسے ایسا نور عطا کیا ہے جس کی روشنی میں وہ ہر جگہ جا سکتا ہے اس بنیاد پر جن مومنین نے تقوائے الٰہی اختیار کر لیا ہے وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ارادہ اور شعور کے مالک ہیں یہی وہ بصیرت دینی ہے جو لطف پروردگار عالم کی بنا پر صاحبان تقویٰ کو حاصل ہوتی ہے جہاں دوسروں کے عقل وارادہ کی پہونچ نہیں ہے اس بصیرت کی بدولت وہاں ان کی عقل اور ان کا ارادہ پہونچ جاتا ہے۔ لہٰذا یہ نور، بصیرت اور اس علم کے معنی میں ہے جو ایمان کی دین ہے (طباطبائی، ۱۴۱۷، جلد ۷، ص ۳۳۹)

رسول خداؐ سے منقول روایت اس بات کا ثبوت ہے آنحضرتؐ نے فرمایا "من عمل بمایعلم ورثہ اللہ علم مالم یعلم" جو اپنے علم پر عمل پیرا ہوتا ہے خدا اسے وہ علم بھی عطا کرتا جو اس کے پاس نہیں ہے (شیخ مفید، ۱۴۱۳، ص ۱۰۷) اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ باطنی چشم و گوش کی مدد سے تقویٰ کے ذریعہ کسب بصیرت ممکن ہے دوسری آیتوں میں بھی اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے (ر۔ک الحدید ۵۷/ ۲۸۔ الشوریٰ، آیت ۵۲)

ب: ولایت

ولایت کو ماننا بصیرت دینی کا دوسرا استون ہے ولایت عربی لفظ ہے جو لفظ "ولی" سے ماخوذ ہے عربی زبان میں "وَلِیَ" کسی چیز کا کسی چیز کے پیچھے بغیر فاصلہ کے آنے کو کہا جاتا ہے۔ اس طرح پیچھے پیچھے یا ترتیب وار آنے کا لازمہ ان دونوں میں قرب اور نزدیکی ہے اس وجہ سے "حب ودوستی"، "نصرت ویاری"، "متابعت اور پیروی" اور سرپرستی کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (رک: راغب اصفہانی ۱۴۱۲، ج ۱، ص ۸۸۵؛ ابن منظور، ۱۴۱۴، ج ۱۵، ص ۴۰۷)

عربی کے اصل متون کی چھان بین کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مذکورہ معانی میں سے عرفی طور پر جو سب سے مشہور معنی شمار کیا جاتا ہے وہ "امارت اور فرماں روائی" ہے اور وہ اس طرح کہ لفظ ولایت طبیعی طور پر "امامت اور نام داری" کے معنی کی طرف منصرف ہوتا ہے مگر یہ کہ قرینہ آجائے مثلاً ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "الامامة والسیاسة" میں لفظ ولایت کا استعمال حکام اور منتخب

زمانہ داروں کے تعارف کے لیے کیا ہے۔ اپنی تاریخ کی کتابوں میں طبری اور ابن اثیر نے جب سیاسی حکام کے دور حکومت کے واقعات کو پیش کرنا چاہا تو انہوں نے وہاں ان واقعات کے بیان کے لئے لفظ ولایت کا انتخاب کیا ہے۔ غزالی نے بھی اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں ولایت کو اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ (رک: ابن قتیبہ دینوری، ۱۳۷۱ ،ج۱ ، ص ۳۸ ، ج ۲ ، ص ۷) ۱۴۱، ۱۴۲، ۳۹، طبری، ۱۳۸۷ ، جلد، ۴ ص ۱۰۳، ۱۶۴، ابن اثیر، ۱۴۱۴ ،ج ۶، ص ۳۵۵ و ج ۳ ص ۸۹، ۱۸۴، ۲۴۲، ۲۴۰، ۳۴۵ ؛غزالی، ۱۴۰۹، ج ۱ ، ص ۲۹)

قرآن کی اہم محوری بحثوں میں ولایت کی آیتیں شامل ہیں جو زیاتر سرپرستی اور امور کے قیام کے معنی میں استعمال ہوئی ہیں۔ البتہ یہ سرپرستی کبھی محدود دائرہ میں ہے مثلًا " ولاتقتلوا النّفس الّتی حرم اللہ الّا بالحق ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً فلا یُسرف فی القتل انّہ کان منصوراً" اور جس نفس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے حق کے سوا قتل نہ کرنا اور جو شخص مظلوم قتل کیا گیا اس کے سرپرست کو ہم نے قدرت دی ہے پس اسے قتل میں زیادہ روی کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ (شرع کی طرف سے) اس کی نصرت ہوئی ہے۔ (الاسراء ،آیت ۳۳) کبھی اس کا دائرہ وسیع ہوتا ہے مثلًا خدا کی ولایت تکوینی "ام اتخذوا من دونہ اولیاء فاللہ ھو الولیّ وھو یُحی الموتیٰ وھو علیٰ کل شیٍٔ قدیرٌ" کیا وہ لوگ خدا کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی بناتے ہیں ؟ حالانکہ ولی تو صرف خدا ہے۔ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے وہی ہر چیز پر قادر ہے (شوریٰ ،آیت ۹) مثلًا "انّما ولیکم اللہ ورسولہ والّذین اٰمنوا الّذین یقیمُون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" تمہارا ولی صرف خدا اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے وہی جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں (المائدہ،آیت ۵۵) ولایت سے ہمارا مقصود سرپرستی، رہبری اور ولایت الٰہی کا قبول کرنا ہے جسے پیغمبرؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے بتایا ہے۔

بصیرت دینی کا دوسرا استون ولایت ہے اس کے دو اہم امتیازات ہیں: دیندار، جنہیں کو ماننا اور اپنے اعمال ورفتار میں برتنا چاہئے۔ ایک تو مومنین کی عمومی محبت کے ساتھ خدا اور اس کے خاص اولیاء سے خالص اور سچی محبت ہے۔ اور دوسری چیز ان کی سرپرستی قبول کرنا اور ولایت کی اطاعت ہے۔ نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ نے نماز، روزہ حج اور جہاد۔۔۔کے ساتھ امام کی فرمانبرداری کو واجبات الٰہی کا جزء قرار دیا ہے اس کا فلسفہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس طرح امت کے امور درست ہوتے ہیں۔" والامامۃ نظاماًللأمۃ والطاعۃ تعظیماًلإمامۃ "خداوند عالم نے نظام امت کو درست کونے کے لیے امامت قرار دیا ہے اور امام کی فرمانبرداری کو امام کی تعظیم کے لیے واجب قرار دیا ہے (نہج البلاغہ، حکمت ۲۵۲)

ہادی اور امام کے عنوان سے اہلبیت پیغمبر کی پیروی کی ضرورت کو حضرت علیؑ نے بیان فرمایا:

" انظروا اهل بیت نبیکم فالزموا سمتهم واتبعوا اثرهم فلن یُخرجوکم من هدیً ولن یعید وکم فی ردی، فان لبدوا فالبدوا وان نهضوا فانهضوا ولا تسبقوهم فتضلوا ولاتتاخروا عنهم فتهلکوا"

اے لوگو! اپنے پیغمبرؐ کے اہلبیت کی طرف دیکھو، وہ جدھر جائیں ادھر تم بھی جاؤ ان کے نقش قدم پر چلو وہ تمہیں راہ ہدایت سے باہر نہیں لے جائیں گے تمہیں پیشی اور ہلاکت میں نہیں ڈالیں گے اگر انہوں نے سکوت اختیار کیا تو تم بھی خاموش رہ جانا اور گروہ قیام کریں تو تم بھی قیام کرنا ان سے آگے نہ بڑھو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ ان سے پیچھے نہ رہ جاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے (نہج البلاغہ، خطبہ ۹۷)

سورۂ انفال کی بیسویں آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ با تقویٰ افراد تقوائے الٰہی کے ذریعہ ہدایت پاتے ہیں ان کی ہدایت کا ذریعہ ہادی اور رہبر ہیں (گنا بادی، ۱۴۰۸، ج ۲، ص ۲۳۵) ان کا علم قرآن وسنت کی دین ہے (مکارم شیرازی، ۱۳۷۵، ج ۴، ص ۳۱۶) دینی فرائض کی تفہیم، دوست دشمن کی تشخیص، دشمن کے فتنوں اور سازشوں سے بچے رہنا، حالات کا صحیح تجزیہ، حادثات اور فتنوں میں صحیح موقف کا انتخاب ایسے افراد ان مافوق بشر علوم کی مدد سے کرتے ہیں جو حق باطل کی پہچان کے بہترین وسائل ہیں۔ ولایت پر اعتقاد رکھنے والا ایسے کامل نمونوں سے معیار اور امتیازات کا انتخاب کرتا ہے جس کے تمام افکار واعمال الٰہی ہوتے ہیں ایسے نمونوں کا انتخاب ہی کسب بصیرت کا سبب اور حق وباطل کے درمیان فرق کرنے کا وسیلہ ہے۔

اس حصہ کے آخر میں یہ تصریح بھی ضروری ہے کہ ولایت فقیہ چونکہ ولایت ائمہ اطہار کی شاخ ہے اور ائمہؑ کی ولایت پیغمبرؐ کی ولایت کا تسلسل ہے اور آنحضرتؐ کی ولایت کا سرچشمہ پروردگار عالم ہے لہٰذا ولی فقیہ کی سرپرستی اور قیادت الٰہی حکم کی فرمانبرداری ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ حکم خدا کی اطاعت بغیر کسی عذر کے ہر مسلمان پر واجب ہے دوسری طرف یہ بھی نظر میں رہے کہ ولایت فقیہ کا قبول کرنا اور فقیہ کے فرمان کی پیروی دینی بصیرت کا اکتساب بھی ہے اس بنا پر ولایت فقیہ کی طرف بازگشت فقہ کی ولایت کی طرف بازگشت ہے یعنی فقیہ کی شخصیت ایک قانونی شخصیت ہے تاکہ وہ لوگوں پر حکومت کرے یہ اس کی حقیقی شخصیت اور حیثیت نہیں ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ لوگوں پر حکومت کرنے والا حکم خدا ہے خود فقیہ نہیں ہے (طاہری، ۱۳۸۱، ص ۱۴) لہٰذا معلوم ہوا کہ احکام کا ان پر عمل، تقویٰ اور آسمانی ہادیوں کی فرمانبرداری انسان کو صاحب بصیرت بنا دیتی ہے۔

۶۔ دینی غیرت وحمیت

لغت میں حمیت "حمی" سے ہے جس کے معنی ایسی حمایت کے ہیں جس میں شدت اور منع کا اطلاق ہوتا ہو، یہ غیرت کے ہم معنی ہے (ابن منظور، ۱۴۱۴، ج ۲، ص ۱۶۷) جس چیز کی نگہبانی اور تحفظ ضروری ہو اس کی نگرانی میں کوشش کرنا علمائے اخلاق کی نظر میں غیرت وحمیت کہلاتا ہے۔ شجاعت، بزرگی قوت وسلامت نفس اس صفت کا سرچشمہ ہیں یہ نفس کا ملکہ اور کمال انسانی ہے (نراقی، ۱۳۹۸، ص ۲۱۸)

غیرت دینی کا مطلب یہ ہے کہ دیندار انسان کو دینی فکر لاحق ہو اور وہ قرآنی حکم کے مطابق دین کا دفاع کرے "یاایّھاالّذین اٰمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبّت اقدامکم" اے ایمان والو! اگر تم خدا کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا (محمد، آیت ۷) یہاں خدا کی مدد سے مراد دین خدا کی نصرت ہے خدا کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے (قرشی، ۱۳۷۷، ج ۱۰، ص ۱۸۴)

خدا کی مدد کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ دینی فریضہ کے حقیقی قیام، مکمل ایمان، زندگی کے ناخوشگوار حالات میں دین پر ثابت قدم رہنے جیسی چیزوں سے لیکر ارتقاء کی زمین میں خدا کے کلام کو بلندی تک لے جانے کی ذمہ داری اور جہاد کے تحمل تک یہ معنی عام ہے لہٰذا دینی غیرت کے معنی دفاع اور نصرت کے ہیں۔ ہر اس دفاع کو دینی غیرت کا نام دیا جائے گا جو خدا پر ایمان سے متعلق ہو لہٰذا ہر میدان اور ہر سرزمین پر ہر زمانہ میں خدا کی خاطر قیام کرنے کے لئے مومن کو ہمیشہ تیار رہنا چاہئے۔ (مدرسی، ۱۱۷۷، ج ۱۳، ص ۱۲)

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ہر حالت میں ہمیشہ اس کی پابندی کا حکم دیا ہے آخر عمر تک جہاں دین کی حمایت کا تذکرہ کیا ہے وہاں فرماتے ہیں" وأن تنافح عن دینک ولولم یکن لک الا ساعۃ من الدھر" تمہاری عمر کا اگر ایک لمحہ بھی باقی رہ گیا ہو تو اس میں بھی تمہیں دین کا دفاع کرنا چاہیے (نہج البلاغہ، خط ۲۷) مکمل بصیرت کے ساتھ دین خدا کی نصرت میں اپنے تمام امکانات کو لگادینا دینی غیرت کا لازمہ ہے جس طرح مصر کی گورنری کا عہدہ سپرد کرتے وقت حضرت علیؑ نے دل ہاتھ، زبان غرض کہ ہر وسیلہ سے دین خدا کی مدد کے لئے مالک اشتر کو حکم دیا تھا۔ "وان ینصر اللہ سبحانہ بقلبہ ویدہ ولسانہ" دل، ہاتھ اور زبان سے انہیں دین خدا کی نصرت کرنی چاہی (نہج البلاغہ، خط ۵۳)

غیرت دار دیندار وہی ہے جو خدا کی رضامندی کا طلبگار ہو اور دین کا دفاع کرتا رہے چاہے وہ دفاع خود اس کے اپنے نقصان پر تمام ہو۔ غیرت دینی کے معنی میں غور وخوض کے بعد یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اسلامی احکام وتعلیمات مثلاً جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تولا، تبرا دینی تعلیم وتربیت، دینی غیرت کے مصداق ہیں جو دینی بصیرت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ ایسی تعلیمات اور احکام کا سراغ نہج البلاغہ میں بہت ملتا ہے ان میں سے چند نمونے پیش کیے جارہے ہیں:

بصرہ کے اہل شورش سے کوفہ والوں کو جہاد کی رغبت دلاتے ہوئے حضرت علیؑ نے فرمایا:

"وجاشت جیش المرجل وقامت الفتنه علی القطب فاسرعوا الی امیرکم وبادروا جهاد عدوکم"
حادثات کا دیگ ابل پڑا ہے فتنے اپنے پیروں پر کھڑے ہوگئے ہیں لہٰذا تم اپنے امیر کی جانب دوڑ پڑو اور دشمن سے جہاد کے لیے آگے بڑھو (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۴۰)

امر بالعروف اور نہی عن المنکر کرنے کیلئے آپ نے اس طرح رغبت دلائی کہ "ایها المؤمنون انه من رای عدوانا یعمل به ومنکراً یدعی الیه فانکره بقلبه فقد سلم وبرئ ومن انکره بلسانه فقد اجر وهو افضل من صاحبه ومن انکره بالسیف لتکون کلمة الله هی العلیا وکلمة الظالمین هی السفلیٰ فذالک الذی اصاب سبیل الهدیٰ وقام علی الطریق ونور فی قلبه الیقین" جو ظلم وعدوان کو دیکھے، منکر کا مشاہدہ کرے اور دل سے انکار کرے تو وہ آلودگی سے بچ جائے گا اور جو زبان سے اس کا انکار کرے تو اسے اجر ملے گا اور وہ پہلے والے سے بہتر ہے۔ اور جو شمشیر لیکر انکار کرے تاکہ کلام خدا بلند اور ستمگروں کی باتیں پست ہوجائیں وہ ہدایت کا راستہ پانے والا ہے اس دل میں نور یقین تابندہ ہے۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۳۷۳)

مکلّف پر اس کی طاقت کے بقدر انکار اور رد عمل واجب ہے سب سے کم درجہ کا انکار دل سے انکار ہے، زبان سے انکار کا درجہ درمیانی ہے سب سے بلند درجہ وہ ہے جہاں دست و بازو کے ذریعہ برائی کی مخالفت کی جائے (بحرانی، ۱۳۷۷، جلد ۵، ص ۴۲۸) لیکن اپنی تمام توانائیوں کے ساتھ ہر زمانہ اور ہر جگہ دفاع حضرت کے فرمان میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

نتیجہ

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں ایک جامع دین کی حیثیت سے اسلام کا تعارف کرایا ہے آپ نے مختلف تمثیلات اور بیانات کے ذریعہ دین کی اہمیت کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ انسانی زندگی میں اس کی حیثیت مرکزی اور بنیادی قرار پاتی ہے۔

مولا علیؑ کے کلام کی رو سے اعمال و کردار کے تمام پہلوؤں کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں دستور اسلام کی پابندی کا نام دینداری ہے آپ کے کلام میں دینداری کا ایک اہم رخ، روح تعبد اور خالص بندگی سے استفادہ ہے جو فقر اور ذاتی وفاداری، جہاد بالنفس اور تعلیمات اسلامی کے سایہ میں خودسازی کے ذریعہ انسان کی عمیق معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔

معرفت خدا کی بنیاد پر علم و عمل کا ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہونا دینداری کا ایک دوسرا

امتیازی پہلو ہے، حضرت کی نظر میں دینداری وہی ہے جو پروردگار عالم کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرے یہ علم و عمل کے لازم وملزوم ہونے کا نتیجہ ہے کیونکہ دینداری کا اصل مقصد کمال اور بندگی کے مقام بلند تک رسائی ہے۔ حضرت علیؑ کے قول کے مطابق علم و عمل کی ہم آہنگی کے سایہ میں ہی یہ باتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

حق و باطل کی معرفت نہج البلاغہ کے آئینہ میں دینداری کا ایک اہم امتیاز ہے جو تعبد اور علم و عمل کے تلازم کا نتیجہ ہے تقویٰ اور ولایت کی بنیاد ہے کیونکہ خداوند عالم صاحبان تقویٰ کی نصرت کرتا ہے اور وہ اس امداد کے سہارے دینی بصیرت حاصل کرتے ہیں یہ نصرت ارادہ، شعور مافوق ارادہ اور دوسروں کے شعور کی دین ہے۔

ولایت کی بھی دو اہم شاخیں ہیں ایک خدا اور اس کے اولیاء کی خالص محبت اور دوسرے ان کی سرپرستی اور ولایت کو تسلیم کرلینا جو درحقیقت ولایت الٰہی کو قبول کرنا ہے اور غیبت کے زمانہ میں تسلیم ولایت فقیہ، خدائی حاکمیت اور ولایت کو تسلیم کرنا ہے۔ یہ اس فقیہ کی قانونی حیثیت کا تسلیم کرنا ہے جو احکام کے استنباط اور اجراء کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھاتا ہے۔

امیر المؤمنینؑ کی نظر میں دینی غیرت (یعنی ہر طرح سے ہر چیز کے لئے دفاع) کے ذریعہ دینی بصیرت حاصل ہو سکتی ہے البتہ خدا پر ایمان کا ہونا بے حد ضروری ہے۔

منابع وماخذ

۱۔ قرآن کریم؛ ترجمہ: محمد مہدی فولادوند، تہران، دار القرآن الکریم۔

۲۔ نہج البلاغہ ؛ترجمہ: محمد دشتی، تہران" زہد۔

۳۔ ابراہیم زادہ، عبد اللہ۔

۴۔ ابن ابی الحدید (دین باوری ودین داری)، زمزم بدست ابو حامد، شرح نہج البلاغہ، کتابخانہ عمومی آیت اللہ مرعشی۔

۵۔ ابن اثیر، الکامل فی تاریخ بیروت، التاریخ العربی۔

۶۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب بیروت، دار صادر۔

۷۔ بحرانی، میثم بن علی بن میثم، اختیار مصباح السالکین، بنیاد پژوھشی اسلامی آستان قدس رضوی۔

۸۔ تمیمی آمدی، عبد الواحد، تصنیف غرر الحکم ودرر الکلم، دفتر تبلیغات۔

۹۔ جوادی آملی، عبد اللہ، دین شناسی، اسراء۔

۱۰۔ بنوری، عبداللہ، الامامۃ والسیاستہ۔
۱۱۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، بیروت، دار العلم، الدار الشامیہ۔
۱۲۔ سبحانی نیا، محمد، کارکرد دین در زندگی بشر، بوستان کتاب۔
۱۳۔ صدوق، محمد امالی الصدوق، بیروت۔
۱۴۔ طاہری، حبیب اللہ، تحقیقی پیرامون ولایت فقیہ، دفتر انتشارات اسلامی، جامعہ مدرسین۔
۱۵۔ طباطبائی، سید محمد، حسین المیزان فی تفسیر القرآن، دفتر انتشارات اسلامی، جامعہ مدرسین۔
۱۶۔ قرآن در اسلام، تہران، دار الکتب الاسلامیہ۔
۱۷۔ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، تہران، انتشارات ناصر خسرو۔
۱۸۔ طبری، محمد، تاریخ الطبری، بیروت : دار التراث۔
۱۹۔ غزالی، محمد، احیاء علوم الدین، بیروت، دار الفکر۔
۲۰۔ براہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، باقری۔
۲۱۔ قرشی، سید اکبر، تفسیر احسن الحدیث، تہران، بنیاد بعثت۔
۲۲۔ کلینی، محمد، بن یعقوب، الکافی، تہران، اسلامیہ۔
۲۳۔ گنابادی، سلطان محمد، بیان السعادہ فی مقامات العبادہ، بیروت، الاعلمی للمطبوعات۔
۲۴۔ مجلسی، محمد، بحار الانوار، تہران، اسلامیہ، بی تا۔
۲۵۔ محمدی، ری شہری، محمد، میزان الحکمہ، ترجمہ : حمید رضا شفیعی، قم، دار الحدیث۔
۲۶۔ مدرسی، سید محمد تقی، تفسیر ہدایت، ترجمہ احمد آرام، مشہد، بنیاد پژوہشی اسلامی، آستان قدس رضوی۔
۲۷۔ مغنیہ، محمد جواد، تفسیر الکاشف، ترجمہ، موسی، دانش، قم، بوستان کتاب۔
۲۸۔ محمد بن محمد بن نعمان عکبری، الفصول المختارہ، کنگرہ شیخ مفید۔
۲۹۔ مکارم شیرازی، ناصر، پیام امام، شرح تازہ وجامعی بر نہج البلاغہ، تہران، دار الکتب الاسلامیۃ۔
۳۰۔ نراقی، ملا احمد، معراج السعادہ، تہران، پیام آزادی۔

امام خمینیؒ کی قیادت میں بصیرت کے امتیازات

تالیف: علی آقا پیروز ☆
ترجمہ: شیخ مولانا ممتاز علی

خلاصہ[۱]

اسلام میں قیادت کے نمونہ کے لئے اس زمانے میں امام خمینیؒ کی قیادت کے نمونے پیش کیے جاسکتے ہیں آپ کی زندگی کے مختلف پہلو ہیں اس مقالہ کی گنجائش کے اعتبار سے ان میں سے ایک بہت ہی اہم پہلو یعنی امام خمینیؒ کی نظر میں بابصیرت قیادت ہے۔ دور اندیشی، مستقبل نگاہی، گہری نظر آئندہ کے لیے لائحہ عمل کی رہنمائی، واقعات کی ماہیت کی پہچان، ان سے روبرو ہوتے وقت ہوشیاری، صالح اور غیر صالح افراد کی معرفت، دشمن شناسی ان کی سازشوں سے آگاہی انجام کار حالات اور فریضہ کی پہچان اس قیادت کی خصوصیات ہیں۔ امام خمینیؒ کے بیان کی صراحت یا آپ کی روش کے مصادیق، اس کے امتیازات ہیں جو دوسروں کی زبان سے نقل ہوئے ہیں۔

کلیدی الفاظ

رہبری، بصیرت، دور اندیشی، معرفت و تقویٰ

مقدمہ

امام خمینی کے طرز قیادت اور اس کے مختلف پہلوؤں کی خورد و کلاں سطح پر تحقیق، اسلامی طرز رہبری کا ایک مقدماتی نمونہ ہے۔ جس کے انداز قیادت کی بنیاد کتاب وسنت ہے اور جن کی جڑیں معارف اسلامی کی سرزمین میں پیوست ہیں وہ اسلامی مدیریت کا ایک حصہ بن سکتے ہیں کیونکہ امام خمینیؒ نے اپنی زندگی میں اسلام کے نام پر جس جاویدانہ حقیقت کو دریافت کیا تھا وہ اسلام تھا آپ نے اس کے خلاف کبھی عمل نہیں کیا البتہ ہمارے لئے اسلامی قیادت کا حقیقی نمونہ معصومین علیہم السلام ہیں لیکن امام خمینیؒ چونکہ دینی رہنماؤں کے حقیقی پیروکار ہیں، عصمت کے مرتبہ کے بعد ایک بلند منزل پر فائز ہیں اسی زمانہ کا ہونے کی

☆۔ عضو ہیئت علمی پژوہشگاہ واندیشہ اسلامی Setooda@yashoo.com

۱۔ امام خمینیؒ کی رہبری میں مدیریت کے عنوان سے اندیشۂ اسلامی کے ایک مقالہ سے ماخوذ یہ مضمون ہے جسے وہاں کے ممبران نے ترتیب دیا ہے۔ تاریخ دریافت ۱۰/ ۸ /۱۳۹۰، تاریخ پذیرش ۲۰/ ۱۲/ ۱۳۹۰

بناپر آپ کے طرز رہبری تک رسائی آسان ہے۔ اس موضوع پر موجودہ مدارک تک دست رسی اور اس سے تحقیق واستنباط ممکن ہے، اس وجہ سے انہیں پیش کرنا اور ان سے کام لینا آسان ہے۔ یہ اور بات ہے کہ امام خمینیؒ کی رہبری کے انداز کی تحقیق میں ایک مقالہ یا کتاب کافی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کی قیادت میں دوسرے پہلو مثلاً خدا ہی کو محور قرار دینا، دنیا، کریمانہ قیادت، عوامی قیادت وغیرہ بھی موجود ہیں ان موضوعات پر جداگانہ تحقیق کی ضرورت ہے چونکہ ان مختلف موضوعات کا احاطہ اس مقالہ میں ممکن نہیں ہے اس بناپر ہم اس کے صرف ایک پہلو کو پیش کریں گے۔ چونکہ ہماری تحریر کا مقصد قیادت کی بصیرت اور امام خمینیؒ کی قیادت میں بصیرت نیز اس کے الگ الگ امتیازات ہیں اس لئے امام خمینیؒ کی قیادت میں بصیرت کے امتیازات ہمارا اصلی سوال ہے۔

تحقیق کے اجزاء

امام خمینیؒ ایک صاحب بصیرت قائد تھے آپ کی بصیرت کے امتیازات دور اندیشی، مستقبل بنی، آئندہ کے لئے دور اندیشی اور منصوبہ بندی، حالات کی ماہیت کی پہچان اور پیش آنے والے حالات سے روبرو ہونے کی صلاحیت، صالح اور غیر صالح کی پہچان، دشمن اور ان کی سازشوں کی شناخت اور آخر میں حالات اور ان کے فرائض کی معرفت اس تحقیق کے اجزاء ہیں۔

روش تحقیق

اس میں منقولات اور ان کے عقلی تجزیہ کی روش اختیار کی گئی ہے۔ امام خمینیؒ کے ارشادات اور نوشتہ جات کے متن وسند کا تجزیہ اور اس کی تفسیر پیش کی گئی ہے۔ میدان رہبری میں متن کے بنیادی اصولوں اور روش کی جستجو اور تعیین کرنے کے بعد محقق اس کے فروعی پہلو کو ان اصلی خطوط سے ملانا چاہتا ہے اس کے بعد وہ امام خمینیؒ کے پائے جانے والے مکتوب آثار سے اخذ نتیجہ کا خواہش مند ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ، ادبیات قیادت کے بارے میں کتب خانوں کی سیر پھر بصیرت کے سلسلہ میں تحقیق اور اس کے بعد کیفیت تحقیق کی روش سے استفادہ اور تاریخی اسناد کے مضامین کا تجزیہ، امام خمینیؒ کے انٹرویو اور تقریروں وغیرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کی قیادت میں بصیرت کے امتیازات کا استنباط کیا گیا ہے۔

اس میں ایسی روش سے استفادہ کیا گیا ہے جس میں ہر علمی حلقہ کے ماہرین کے نظریات کی بنیاد پر مستقبل کی پیشین گوئی ہوتی ہے، اس روش میں تحقیق کے اندر شرکت کرنے والوں کی تعداد پر تحقیق کا

اعتبار نہیں ہے بلکہ شرکت کرنے والے ماہرین کے علمی اعتبار پر تحقیق کا دار ومدار ہے۔

اصل سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ بنیادی الفاظ یعنی رہبری اور بصیرت کی تحقیق ہو جائے۔

رہبری کی تعریف

رہبری اور قیادت کی بہت سے تعریفیں بیان کی گئی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی مقبول عام نہیں ہے البتہ ان میں کچھ مشترک عناصر ہیں، تعریفوں کے بیان کے بعد جن پر توجہ دی جائی گی۔

۱۔ رہبری، ہدایت کے لئے بغیر جبر کے نفوذ کے ذریعہ قوت استفادہ اور مقصد حاصل کرنے کے لیے گروہ کے ممبران کی سرگرمی کو ہم آہنگ کرنے کا نام رہبری ہے۔(Moorhead&griffin,2001:334)

۲۔ لوگوں کے درمیان نفوذ کے ہنر کو رہبری کہتے ہیں جس میں گروہ کے اہداف حاصل کرنے کے لئے شوق اور رجحان کے ذریعہ کوشش کی جاتی ہے۔(Koontz oter & 1990:397)

اگرچہ یہ تعریفیں آپس میں متفاوت ہیں لیکن ان میں کچھ مشترک عناصر موجود ہیں جو رہبری کو سمجھنے میں ہماری مدد کرنے اور ایک تعریف پر توافق کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

بہت سی تعریفوں میں " نفوذ کی توانائی " کا ذکر ہوا ہے اور بعض تعریفوں میں لفظ " اثر گذاری " سے استفادہ کیا گیا ہے جو تقریباً مرادف معنی دیتے ہیں۔

اسی طرح بہت سی تعریفوں میں " اہداف " کا لفظ بھی موجود ہے یعنی رہبر دوسرے افراد میں نفوذ کے ذریعہ مقصد تک پہونچ جائے اس بناپر دوسروں میں نفوذ کی توانائی کا رخ اہداف کی طرف ہوا کرتا ہے۔

ان تعریفوں کا نچوڑ یہ ہو سکتا ہے کہ " مقصد تک پہونچنے کے لئے دوسروں میں توانائی کے نفوذ کا نام رہبری ہے "۔

جو شخص دوسروں کی طرز سلوک وافکار میں نفوذ کرکے انہیں بدل ڈالے وہی رہبر ہے دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ جہاں نفوذ ہوگا وہیں رہبری کا وجود ہوگا اس تعریف کی بنیاد پر اگر بڑے بڑے رہبر بھی افراد میں نفوذ کی توانائی نہیں رکھتے تھے تو درحقیقت وہ رہبر نہیں ہیں انہی نفوذ کی غرض سے وغایت ہوتی ہے جس سے مقصد حاصل ہوتا ہے دوسرے زاویہ سے اگر دیکھا جائے تو رہبر اپنے پیروکاروں کو مقصد کی طرف ہدایت کرتا ہے یہ راہبری بغیر رہبر کے ممکن نہیں ہے مقصد تک پہونچنے کے راستہ اور اس کے مواقع سے رہبر کا آگاہ ہونا ضروری ہے۔ مقصد کے سلسلہ میں اسے لازمی اور ضروری علم واطلاع کا حامل ہونا چاہیئے۔ اس بناپر رہبری کے لئے بنیادی شرط " بصیرت " ہے

حامل بصارت رہبری

رہبری کے باب میں ایک جدید نظریہ حامل بصارت رہبری کا نظریہ ہے۔ اس نظریہ کے مطابق صاحب بصیرت رہبر ایسی جادو دانی بنیاد رکھ دیتے ہیں جو دنیا کو بدل ڈالنے کی صلاحیت کی حامل ہوتی ہے۔ وہ ہمارے ایسے پیش رو افراد ہیں جو ناآشنا حلقوں کی گہرائیوں میں اتر کر جاں فشانی سے ہمیں ان جدید اہداف کی ہدایت فرماتے ہیں جن میں اکثر ناشناختہ ہوتے ہیں ایسے افراد جب اپنے ہاتھ میں قیادت کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں تو تبدیلی پیدا کرنے میں پیادہ سپاہیوں کی طرح ہوتے ہیں (نی نوس، ص ۲۰)

مستقبل کی حقیقت واقعی کی تلاش کرلینا بصیرت ہے۔ تنظیم وادارہ کو جس سمت جانا چاہئے اسی سمت کے لئے صریحی بیان پیش کرنا بصیرت ہے۔ موجودہ حالت سے زیادہ مطلوب کامیاب اور اہم مستقبل کی نشان دہی بصیرت ہے۔ بصیرت کا تعلق ہمیشہ آئندہ سے ہوا کرتا ہے۔ بصیرت کے قدم وہاں پڑتے ہیں جہاں سے کل کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ آپ اور دوسرے وہ افراد جو بصیرت میں شامل ہیں جو کام کرنا چاہتے ہیں بصیرت ان چیزوں کو بیان کردیتی ہے۔ آرگنائزیشن کے لئے مستقبل کا بہتر مطلوب تصور بصیرت ہے صحیح بصیرت وہ آئیڈیا ہے جو ایسی انرجی پیدا کرتا ہے کہ مہارت، استعداد اور اس کو عملی شکل دینے کے لئے لازمی منابع کے استعمال سے آئندہ کا آغاز ہوجاتا ہے۔ بابصیرت رہبری کے نتیجہ میں عدم اطمینان یا مبہم حالات کو افراد ممکن زمانہ کے بیشتر اوقات تک برداشت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ احساس مقصد، جہت اور فریضہ شناسی پیدا ہوجائے۔ بصیرت والے رہبر "جورج پرنیس" کے الفاظ میں اس فضا میں گذارتے ہیں جسے "اپنا تجربہ" کہا جاتا ہے وہ احساس کرتے ہیں، خطروں کا چیلنج قبول کرتے ہیں قانون توڑتے ہیں، حلقہ وصل پر ان کی نگاہ ہوتی ہے، نمونوں کی تشخیص کا عمل انجام دینے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ گہرائی سے سوچتے ہیں ایسے افراد تہوّر سے کام لیتے ہیں ہر چیز میں مسرت کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ تعجب خیز چیزوں کو دوست رکھتے ہیں ہر چیز کو بار بار ملاحظہ فرماتے ہیں ناممکن آرزوؤں کے حامل ہوتے ہیں اور ان سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں الجھنوں سے خوف نہیں کھاتے تصورات پر نظر رکھتے ہیں شہود کے انداز سے نظر ڈالتے ہیں، جوش سے کام لیتے ہیں اپنے ناخودآگاہ ضمیر سے رابطہ رکھتے ہیں۔ اپنے مکمل تجربہ سے مرتبط ہوتے ہوئے بہ ظاہر مربوط امور سے بھی استفادہ کرتے ہیں اپنے خوابوں کی تعبیر جانتے ہیں۔ (از گلی، ۷۵، ۱۳)

لغت اور اصطلاح میں بصیرت

بصیرت" بصرہ" سے ہے جس کے معنی " اشیاء اور امور کا شفاف اور روشن علم کے ہیں (ابن

فارس، ج۱، ص۲۵۳ یہ آگاہی کبھی محسوس رویت سے پیدا ہوتی ہے جسے " بصر" کہتے ہیں جس کی جمع "ابصار" ہے اور کبھی " دل کے شفاف ادراک کی طاقت" پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس کا نام " بصیرت" ہے اور اس کی جمع " بصائر" ہے (راغب اصفہانی، بی تا، ۴۵، ۴۶)

مجمع البیان کی تعبیر کے مطابق بصیرت وہ بینش ہے جس کے ذریعہ واقعیت کو اس کی اصلی شکل میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے (طبرسی، ج۱، ص۴۳) معاصر لغت میں بھی لفظ بصیرت، تشخیص تمیز اور فہم و بینش کے معنی میں بولی جاتی ہے۔ (آذرنوش، ۱۳۸۲، ۵، ۳۹)

اہل تفسیر کی اصطلاح میں بصیرت ایسی نظر کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ حق و باطل میں تمیز ہو سکے (طباطبائی، ج۳، ص۲۱۹) اسی وجہ سے قرآن اور آسمانی کتابوں میں لفظ بصائر کا استعمال موجود ہے (انعام، آیت ۱۰۴)

جتنے موارد بیان کیے گئے ہیں ان تمام میں لفظ بصیرت کا استعمال ممکن ہے علم وآگہی اور قلبی بصیرت والا جو رہبر تشخیص کی قدرت اور بلند نظری کا حامل ہو وہ حقیقی معنی میں صاحب بصیرت قائد ہے۔

کارآمد رہبری کی بنیادی شئے بصیرت ہے جو مستقبل اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری اقدامات کو اچھی طرح درک کرسکتا ہو یہ اصطلاح اس کی توصیف کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ مستقبل کے واضح ادراک اور اس کے شرائط کو سمجھے بغیر جو کوئی اقدام نہیں کرسکتا وہ کامیاب رہبری کا حامل نہیں ہے۔

حامل بصیرت قیادت کا نمونہ

پیغمبر اکرمؐ پوری دنیا کے لئے مقتدا اور نمونہ ہیں آپ بصیرت کی بنیاد پر ہدایت وقیادت پر مامور تھے۔

"قُل هٰذہٖ سبیلی اَدعوا الی الله علیٰ بصیرۃ اَنَا وَمَن اتَّبعنی وسبحان الله ومَا اَنَا من المشرکین" (سورہ یوسف، آیت ۱۰۸) اے پیغمبرؐ آپ کہد یجئے کہ ہم اور ہماری پیروی کرنے والوں کی روش یہ ہے کہ ہم تمہیں آگاہی اور بصیرت کی بنیاد پر راہ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں (اور یہ کہہ دیجئے) کہ خدا منزہ اور پاک ہے اور میں مشرک نہیں ہوں۔

یعنی اگر میں زبردستی یا جہل کی بناپر لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دوں گا تو حقیقت میں خدا پر نقص وارد کرنے والا بن جاؤں گا اور اس طرح شرک کا ارتکاب ہو جائے گا۔ اس بناپر ممکن ہے کہ انسان روش میں مشرک ہو۔

ایک سچے رہبر کا فریضہ ہے کہ وہ اپنا لائحہ عمل اور مقصد صراحت کے ساتھ بیان کردے خود وہ اور

اس کے پیروکار ایک معین لائحہ عمل کی پیروی کریں ایسا نہ ہو کہ ان کے مقصد اور روش پر ابہام کا ہالہ پڑا ہو اسی طرح ایک دینی رہبر کا اپنے اعتقاد کے مخالفین سے واضح فاصلہ بھی رکھنا ضروری ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں" لایحمل هذا العلم الاّ اهل البصر والصبر والعلم بمواضع الحق" (نہج البلاغہ، خطبہ، ۱۷۳) اسلام کے دفاع کا پرچم وہ اٹھائے جس میں تین خصوصیتں موجود ہوں پہلے یہ کہ اس کے مسائل اور احکام میں بصیرت کا مالک ہو۔ دوسرے یہ کہ انسانی بصیرت اور آگاہی اسے جن ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے مہمیز کرے ان کے عوارض کے سلسلہ میں وہ صابر اور بردبار رہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ صرف معیار ہی سے آگاہ نہ ہو بلکہ اس کے مصادیق پر تطبیق کا علم بھی اسے حاصل ہو۔

اسلامی قیادت اپنے پیروکاروں کو اتنا صاحب رشد (ہوش) بنادے کہ وہ بصیرت وآگاہی کے ساتھ فرمانبردار بن جائیں ایسی توانائیوں کے ذریعہ اسلامی اقدار کا تحفظ کیا جاسکتا ہے۔

اس بنیاد پر جس کے ہاتھ میں معاشرہ کی باگ ڈور ہو اس رہبر اور پیشوا کے لئے کافی حد تک بینائی اور بصیرت لازمی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سماج کی ہدایت اور ادارت کا کام اچھی طرح انجام پذیر ہو۔

امام خمینیؒ کی قیادت میں بصیرت

مندرجہ بالا سطور میں بصیرت کے جو معنی بیان کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں ان کے مشخصات اور اہم نکات کی معرفت ضروری ہے تاکہ اس کی روشنی میں امام خمینیؒ کی روش کا مطالعہ کیا جاسکے وہ اہم باتیں کچھ اس طرح ہیں۔

۱۔ دوراندیشی اور مستقبل نظری

۲۔ مستقبل کے لئے منصوبہ بندی اور دوراندیشی

۳۔ واقعات کی ماہیت کی شناخت اور پیش آنے کے بعد ان سے مقابلہ میں ہوشیاری

۴۔ صالح اور غیر صالح افراد کی پہچان (اچھے اور برے کی پہچان)

۵۔ دشمن اور ان کی سازشوں کی پہچان

۶۔ حالات اور فرائض کی معرفت

ایک۔ دوراندیشی اور مستقبل نظری

آپ کی بصیرت کی ایک اہم چیز دوراندیشی ہے آپ نے مختلف اوقات میں جو فرمایا ہے اسے ہم اس

مضمون میں پیش کریں گے۔

۱۔ افغانستان میں سابقہ روس کی شکست

امام خمینیؒ نے مکتب اہل بیتؑ، سے روشنی حاصل کرتے ہوئے سیاسی دور اندیشی سے افغانستان میں سابقہ روس کے حملہ کی فوجی شکست کی پیشین گوئی کی تھی آپ نے فرمایا:

ایک دن روس کا سفیر میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ افغانستان ہم سے مدد مانگ رہا ہے ہم افغانستان میں داخل ہونا چاہتے ہیں میں نے اس سے کہا کہ کیا افغانستان کو لے لینا ممکن ہے ؟ تم یہ سمجھ لو کہ وہاں تک نہیں پہونچ سکتے جب تک ملت نہیں چاہے گی کوئی کام ممکن نہیں ہے اب وہ سمجھ گئے ہیں لیکن انکا پیر پھنس گیا ہے اور میں نے جیسا کہا تھا ویسا ہی ہوگا (امام خمینیؒ، الف : ۱۲، ۳۰۳ و ۳۰۴)

حضرت آیت اللہ خمینیؒ نے اس سال یہ پیشین گوئی کی تھی کہ سرخ لشکر شکست کھاجائے گا اور لوگوں نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔

۲۔ کمیونزم کا بکھراؤ اور مغرب کی طرف اس کا رجحان

امام خمینیؒ نے سابقہ روس کے بکھرنے سے پہلے اپنے خط میں " گورباچوف" کو مغرب کے دامن میں پناہ لینے سے منع کیا تھا اور کمیونزم کی ہڈیوں کے ٹوٹ جانے کی خبر دی تھی آپ اپنے پیغام کے ایک حصہ میں فرماتے ہیں۔

چین کے رہبر اولین نے کمیونزم پر ایک ضرب لگائی تھی اور آپ دوسری اور علی الظاہر آخری ضرب لگا رہے ہیں ۔کمیونزم کے نام پر دنیا میں کوئی چیز باقی نہیں ہے کیونکہ ہم آپ سے واقعاً چاہتے ہیں کہ مارکس ازم کے خیالات کی دیواروں کے ٹوٹنے کے بعد آپ مغرب اور بڑے شیطان کے چنگل میں پھنس جائیں۔(امام خمینیؒ، الف : ۲۱ / ۲۲۱)

۳۔ عراق کے کویت جیسے ملک پر حملہ کی پیشین گوئی

امام خمینیؒ نے خطہ کے تمام ملکوں کو ہمیشہ نصیحت کی اور صدام کی مدد سے منع فرمایا۔ خلیج فارس کے کنارے آباد ملکوں کی صدام کی بے شمار مدد کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا:

"خدانخواستہ اگر صدام آگے بڑھ گیا تو آپ سب کو آگ میں کھینچ لے جائے گا۔ صدام ایسے نیچر کا آدمی ہے اس کی نفسیات میں تباہ کاری، آدم کشی اور جرائم کے جراثیم پائے جاتے ہیں خدانخواستہ اگر اس کو قابو حاصل ہوگیا تو وہ حجاز کو ختم کردے گا، شام کو نیست و نابود کردے گا۔ خلیج فارس میں واقع ممالک اور

کویت کو بھی تباہ وبرباد کرکے چھوڑے گا" (امام خمینیؒ، الف: ۱۷، ۸۴، ۸۵)

۴۔ عراق اور ایران کی جنگ

امام خمینیؒ نے احیاء اسلام اور تشکیل نظام اسلامی کے لئے میدان جدوجہد میں جب قدم رکھا تو اس وقت وہ سمجھ چکے تھے۔ انہوں نے بڑے سخت راستہ کا سفر شروع کیا تھا اس راستہ میں ہمیشہ دشمنان اسلام اور راہ اسلام میں آنے والی رکاوٹوں کا سامنا ہوگا۔

۲۲ بہمن ۱۳۵۷ میں انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد بلافاصلہ نظام اسلامی کی بنیاد رکھ دی گئی اس کے بعد آپ کو یقین تھا کہ اس نظام کی تشکیل اور ساری دنیا میں احیاء اسلام کی موج پھیلانے کے لئے سخت قیمت چکانی پڑے گی۔ آپ طرح طرح کی سازشوں کے منتظر تھے۔ اس بناپر حکیم دور اندیش سیاست داں تیز بین اور مستقبل پر نظر رکھنے والے عالم کی حیثیت سے آپ نے اسلامی انقلاب کے زمانہ کے لئے بہت سے حوادثات کی پیشین گوئی کی اور گرداب حوادث سے کامیاب وکامران نکل جانے کے لیے ضروری یاددہانیوں اور مناسب تمہیدات کا سہارالیا۔

ایران پر زبردستی لادی جانیوالی جنگ کی پیشین گوئی بھی آپ نے کئی مہینہ پہلے کردی تھی آپ کے ذہن میں کس زمانہ میں یہ تصور آیا اسے یقین سے کہنا مشکل ہے لیکن جو مسلم ہے وہ ۲۸ فروردین ۱۳۵۹ یعنی ۱۵۹ دن پہلے ہے جبکہ عراقی جارحیت میں ابھی پانچ مہینہ سے زیادہ دن باقی تھے۔ امام خمینیؒ نے ایک ملاقات میں شہر کی سیکوریٹی گارڈ کے ممبران سے اس جنگ کے خدشہ کا تذکرہ کیا تھا اور عوام نیز مسلح افواج پر بہت زور دیکر کہا کہ وہ دشمن کے کسی بھی امکانی حملہ کے لئے تیار رہیں۔

جن باتوں کے پیش نظر آپ نے یہ پیشین گوئی کی تھی وہ چنداں مشکل نہ تھیں امام خمینیؒ یہ جانتے تھے کہ احیاء اسلام اور اصلی نظام اسلامی کی تشکیل کے لئے اسلامی انقلاب کے نام پر جو چیز سامنے آئی ہے اس نے نہ صرف استعماری طاقتوں اور دشمنان اسلام کو ان کے چنگل سے نکالا ہے بلکہ پوری دنیا میں مغرب اور دشمنان اسلام کے غروب کا بگل بجادیا ہے اگر یہی حالات باقی یا جاری رہے تو دنیائے اسلام پر مغرب کا سیاسی تسلط اور اسلامی ممالک کے ذخائر کو لوٹنے والی استعماری طاقتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جن طاقتوں نے اسلامی اور مشرقی ممالک میں صدیوں سے تسلط اور غارت گری کا بازار گرم کررکھا تھا وہ ایسے حالات پیدا ہونے اور انہیں برداشت کرنے کے حق میں نہیں ہیں وہ اپنے ردعمل کا ضرور اظہار کریں گی۔

آپ نے ۲۸ فروردین کو شہری سیکورٹی گارڈ کے ممبران کے سامنے اس جنگ کی پیشین گوئی کی اور اس سے مقابلہ کا راستہ بھی بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ قوم اور دفاعی طاقتیں اس کے لئے تیار ہیں وہ اپنے

اقتدار کا اس طرح اظہار کریں کہ دشمن خوف زدہ ہو جائے اور ایسی جنگ کا ارادہ چھوڑ دے۔

آج ہم دنیا کی بڑی طاقتوں سے روبرو ہیں یہ دفاع کا وقت ہے۔ جب کسی شہر پر حملہ ہوتا ہے تو باشندگان شہر اس کی حفاظت کرتے ہیں اس کے لئے کوئی شرط بھی نہیں ہوتی سب کو دفاع کرنا چاہئے اگر لوگ ہماری اسلامی مملکت پر حملہ کرتے ہیں اور جارحیت کرنا چاہتے ہیں تو عورت، مرد چھوٹے، بڑے ملک کے تمام افراد پر دفاع واجب ہے یہاں کسی طرح کی کوئی قید و شرط نہیں ہے۔

آمادہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ افراد کی قوت اور دوسری قوتوں کے ساتھ ہمیں تیار رہنا چاہئے جیسا کہ قرآن کریم نے ہمیں حکم دیا ہے ہماری تیاری ایسی ہونی چاہئے جس سے دشمن خوف زدہ ہوں۔ حملہ آور ہماری قوت سے ڈر جائیں لیکن آج جو ہم تیار ہونا چاہتے ہیں تو ہم سب یعنی بیس ملین تیار رہیں تمام جوان تمام افراد اپنا کام انجام دیں اپنے آپ کو آمادہ رکھیں اور دشمن سے مقابلہ کو مد نظر رکھیں۔ وہ ہر طریقہ سے تیار ہو کر آئے گا تو ایسے موقع پر ہم دشمن کے دل میں خوف پید کر دیں ہمارے تمام افراد تمام فوجیں تمام پارٹیاں تیار رہیں اور قوت ایمان بھی زیادہ ہو۔

کسی ملک میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یہ ملک ایسے موقع کے لیے وہ تمام چیزیں تیار رکھے گا۔ ہمارے پاس سب چیزیں ہونی چاہئیں اور بحمد اللہ ایران کے پاس چیزیں موجود ہیں ماڈرن سازوسامان بھی ہے اور سب سے بڑھ کر قوت ایمان ہے آپ اس رخ سے اپنی تربیت اور تذکیہ کا انتظام کیجئے (امام خمینی، ۱۲/۲۴۳۔۲۳۹)

امام خمینیؒ نے بصیرت، ایمان کی طاقت اور تیز بینی کی بنا پر کچھ اہم نصیحتیں کی ہیں مثلاً:

ایک۔ نصیحتیں

۱۔ زن و مرد، چھوٹے بڑے سب کا آمادہ رہنا ضروری ہے تمام مکلّف دفاع کی منزل میں ہیں۔

۲۔ جنگ کی روک تھام کے لئے پہلے سے اپنے اقتدار کی نمائش

۳۔ تیس ملین فوج کی تشکیل

۴۔ دفاع کے لئے ضروری سامان کی فراہمی

۵۔ تربیت اور تذکیہ کے سایہ میں ایمان کو قوی بنانا

یہ مستقبل اندیشی اور پیشین گوئی امام خمینیؒ کی بلند اور معنوی روح و شخصیت کی دین اور اللہ پر بھروسہ کا نتیجہ ہے آخری مسئلہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوراندیشی اور مستقبل بینی کے ساتھ ساتھ ایک اور بلند طریقہ بھی آپ کے پیش نظر تھا۔ کیونکہ جنگ کی پیشین گوئی کے ساتھ ساتھ آپ ایسی تدبیریں بھی بتاتے ہیں جن کا تصور اس زمانہ میں شاید لوگوں کے ذہنوں میں نہ آیا ہو مختلف مسائل میں

آپ کی بلند نظری قابل ملاحظہ ہے۔ فوج کو ختم کرنے کی مخالفت، ملت کے اتحاد کی دعوت، امریکہ کا تعارف، شیطان بزرگ کی صفت سے کرنا وغیرہ۔

دو۔ مستقبل کی منصوبہ بندی اور دور اندیشی

انقلابی تحریک کے کمال کی منزل تک پہونچنے کے بعد لازمی لیڈر کی تربیت کو آپ انقلابی تحریک کے لیے معاون سمجھتے تھے چونکہ اس سے قبل عوام نے دو تلخ تجربے کئے تھے ایک تو " دورہ مشروطیت " جو انگریزوں کے فائدے اور پہلوی حکومت کے استقرار واستحکام پر تمام ہوا۔ اور دوسرے " صنعت نفت کاملی ہونا" کہ جس کی صحیح رہبری نہ ہونے کی وجہ سے اپنے عالی مقصد تک نہیں پہونچ سکا۔

تین۔ واقعات کی شناخت اور ہوش مندی

چیزوں کی شناخت، تشخیص واقعات واحزاب، اور ان کے مد مقابل مناسب رد عمل کا اختیار کرنا امام خمینیؒ کی فراست وبصیرت کا نتیجہ تھا یہ اکتسابی سے زیادہ ان کی ذاتی خصوصیت تھی اس طرح کی ہوشمندی کی مثالیں اتنی زیادہ ہیں کہ اس مختصر مضمون میں ان کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔

ا۔ منافقانہ واقعات کی شناخت

امام خمینی استعمار والحاد کی کھلم کھلا مخالفت کرتے تھے لیکن منافقین کے سلسلہ میں ان کا رویہ اس سے مختلف تھا آپ نے غیر اسلامی اور مخالف اسلام ماہیت کی کافی حد تک ضروری تحقیق کے بعد خط نفاق کو بخوبی سمجھ لیا تھا چونکہ آپ ایک نکتہ سنج اور زمانہ شناس قائد تھے اس بناپر امور کے نتائج سے باخبر تھے۔ نفاق کی مخالفت میں آپ نے صرف عدم تائید " پر اکتفا کیا کیونکہ اس زمانہ میں نفاق کو اتنی اہمیت اور عمومی مقبولیت حاصل تھی کہ بہت ہی کم افراد کو ان کی خیانت اور دورخی چال پر یقین آتا تھا۔ آپ کی ذہانت اور طریقۂ کار کی آگاہی نے آپ کو ایسا طریقہ اختیار کرنے پر آمادہ کیا کہ آپ کے مددگار بکھراؤ سے بچ گئے اور یہ طریقۂ کار آپ کی دور اندیشی اور شناخت کی دلیل بن گیا، نجف اشرف میں منافقین کا واقعہ نفاق کا بہت بڑا نمونہ تھا۔ انہوں نے اپنی ابتداء، انتہا اور ذمہ داریوں کی شناخت کو واضح کئے بغیر نجف میں ایسی زمین ہموار کر لی تھی کہ علمی اور سیاسی اہم شخصیات عمومی طور پر ان کے حامی بن گئے تھے۔ انہوں نے اس طرح امام خمینیؒ کی حمایت حاصل کرنے کا راستہ ہموار کیا اور چاہا کہ آپ کی حمایت کی سند ان کے ہاتھ لگ جائے لیکن آپ نے بہت تامل اور بصیرت کا ثبوت دیا، متون تحریر اور ان کے آثار سے ان کے پرفریب چہروں کو بے نقاب کر دیا اپنے ایک جملہ سے آپ نے منافقین کی سعی و کوشش کے محلّات کو

زمین بوس کرڈالا آپ نے فرمایا" ہم تمہارے خلاف اور نفی میں کچھ بولنے سے گریز کر رہے ہیں تم لوگ بس اسی پر راضی رہو" (وجدانی، ج، ۲ص ۱۲۴)

بقول علّامہ شہید مرتضٰی مطہری:

اگر امام خمینیؒ نے اس وقت ان کی تائید اور حمایت میں کچھ کہا ہوتا توآج ہمارے پاس کچھ بھی نہیں پہونچتا، یہ بڑی واضح بات ہے اس وقت بہت سے افراد نے ان کی حمایت کی تھی مگر صرف امام خمینیؒ کی ذات ایسی تھی جس نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا یہاں تک کہ انقلاب کامیاب ہوگیا (وجدانی، ج، ۲، ص ۱۲۴)

۲۔ ملاقاتوں میں ہوشیاری

تحریک اور رہبری کی اپنی تاریخ میں امام خمینیؒ نے معاشرہ کے خالص مذہبی رجحان اور روحانیت ومرجعیت کی قدرت کو غیر خالص واقعات اور ان کے مقاصد کے لئے پل نہیں بننے دیا۔ آغاز تحریک سے طویل مدت تک ایسے واقعات رونما ہوئے لیکن آپ نے تمام مراحل میں ان واقعات کو ردنہ کرنے اور دینی تحریک کے خلاف کوئی مرکز نہ بننے دینے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے ہر طرح کے غلط فائدہ اٹھانے کا راستہ بند کردیا۔

پیرس میں مختلف شخصیتوں اور گروہوں کی طرف سے لوگ امام خمینیؒ سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے ان ملاقات کرنے والوں میں ایک بار انجینئر بازرگان اور آقائے سنجابی بھی تھے یہ لوگ ایک وفد کے ساتھ تشریف لائے تھے آپ نے فرمایا کہ میں کسی سے پارٹی کے عنوان سے ملاقات نہیں کروں گا اگر ایک ایرانی کی حیثیت سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو جیسے سب سے ملاقات کرتا ہوں ان سے بھی ملاقات کرلوں گا وہ ایک عام ایرانی کی حیثیت سے آپ سے ملاقات کرنے تشریف لائے اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ جب بھی کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آیا تو آپ نے چند دوسرے افراد کو بھی اس ملاقات میں شرکت کی دعوت دی تاکہ کسی کے ذہن میں یہ بات نہ رہ جائے کہ فلاں گروہ نے آپ سے کوئی خصوصی مذاکرہ کیا تھا۔ (حوالہ سابقہ، ج ۱، ص ۵۷)

شاہ کے فرار کے بعد سلطنت کے تحفظ کے لیے منصوبہ بنانے والوں نے فوراً سلطنت کی ایک کمیٹی کا منصوبہ پیش کردیا آپ نے بلا فاصلہ اپنے ایک پیغام میں فرمایا کہ ایران کی عظیم ملت پورے ایران میں جلوسوں اور مظاہروں کے ذریعہ ایسے نظام کو خود ہی دفن کردیگی اس طرح آپ نے سلطنت کی غیر قانونی مجلس مشاورت کی مخالفت کی اور کئی بار آپ نے " اسلامی جمہوریہ " کی پشت پناہی کا اعلان فرمایا (امام

خمینیؒ، الف، ۵/ ۷۷ ۴)

۲۸ دی کو دنیا کی خبر رساں ایجنسیوں نے رئیس شوریٰ سلطنت جلال الدین تہرانی کے بختیار کی طرف سے نمائندگی کی عزیمت کی خبر دی، امام خمینیؒ نے اسی دن یہ اعلان کر دیا کہ اس کی قبولیت کی شرط یہ ہے کہ وہ شورائے سلطنت سے استعفیٰ دیدیں۔ بختیار کی حکومت سے تفاہم کے لئے کسی طرح کا مذاکرہ قابل قبول نہیں ہے۔ جلال الدین تہرانی نے ۱۳۵۷ ھ ش میں اسی دن استعفیٰ لکھا لیکن اس میں شوریٰ کے غیر قانونی ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہ تھا آپ نے اپنے بیٹے کے ذریعہ ان تک پیغام بھیجا کہ " جب تک استعفی میں اس نکتہ کی صراحت نہیں ہو گی ان سے ملاقات کی اجازت نہیں دیں گے " انجام کار تہرانی نے مجبوراً اپنے خط کی اصلاح کی اور اسی دن عصر کے وقت ایک مختصر سی ملاقات میں انہوں نے رہبر انقلاب کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کر دیا پھر تو سفارت امریکہ، وہائٹ ہاؤس کے خصوصی گروپ، شاہ، علی امینی، شاپور بختیار وغیرہ نے جو شورائے سلطنت کی تشکیل کا سبب تھے، مہینوں سرمارا اور صرف سات دن کے اندر امام خمینیؒ کی دور اندیشی اور تلقین کی بناپر ان کا بنایا ہوا منصوبہ بر باد ہو گیا اور ان کی فائل وہیں بند ہو گئی۔ (امام خمینیؒ، ص۱۲۱)

چار۔ صالح اور غیر صالح کی پہچان

اگر کوئی شخصیت تمام اصولوں کی پابند ہو لیکن دوست دشمن کی پہچان میں بصیرت نہ رکھتی ہو تو پہلے ہی مرحلہ میں اسے ضرر پہونچنے اور اندر سے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ انقلاب اسلامی بھی اپنے تمام مراحل میں دوست کے لباس میں اعلانیہ یا غیر اعلانیہ ان دشمنوں سے روبرو تھا جو انقلاب اور اس کے اعلیٰ اہداف کے مخالف تھے، امام خمینیؒ اپنی بصیرت اور دور بین نگاہوں سے ان تمام دشمنوں اور منحوس سازشوں کو پہچانتے تھے۔ آپ نے اپنے ارشادات اور صاف وشفاف مواقف کے ذریعہ ان کی سازشوں کے تار وپود بکھیر دیئے۔

آیت اللہ خمینیؒ اپنے اجتہاد سے دوست ودشمن، صالح وغیرہ صالح افراد کو جانتے تھے آپ فرماتے ہیں:

" اگر ایک شخص حوزہ علمیہ کا بھی ہو لیکن معاشرہ کی مصلحت سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو نیز صالح، مفید اور غیر صالح میں تشخیص نہ دے سکتا ہو سیاسی اور اجتماعی مسائل میں صحیح بصیرت اور قدرت نہ رکھتا ہو تو ایسا شخص اجتماعی اور حکومتی مسائل میں مجتہد نہیں ہے اور وہ معاشرہ کی باگ ڈور سنبھالنے کا مستحق نہیں ہے" (امام خمینیؒ، الف: ۲۱ / ۱۷۸)

امام خمینیؒ کے ایک دوست نے بیان کیا کہ شہید آقائے مصطفی خمینی کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: جب کوئی میرے پاس آکر بات کرنا شروع کرتا ہے تو اس کی بات تمام ہونے سے پہلے میں اس کا مدعا سمجھ جاتا ہوں مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے پاس کون سا منصوبہ ہے اور وہ کیا نتیجہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ (ستودہ، ج ۲، ص ۳۲۱)

پانچ۔ دشمن اور اس کی سازشیں

منادیان حق و باطل کے درمیان ہمیشہ سے معرکہ آرائی جاری رہی ہے کیونکہ لشکر کفر و باطل ہمیشہ حق کی بنیادوں کو ختم کرنے اور چراغ ایمان کو خاموش کر دینے کے درپے رہا ہے اسی وجہ سے مومن ان کے سامنے صف آرائی کرتے ہیں انقلاب اسلامی کی کامیابی کے ابتدائی دنوں سے ایران میں ہم نے یہ منظر دیکھا ہے۔

ایک مقتدر نگراں کی طرح امام خمینیؒ نظام جمہوری اسلامی (اسلامی جمہوریہ نظام) اور دنیا کے حالات کو دیکھ رہے تھے وہ دشمن کو اچھی طرح پہچانتے اور ان کی سازشوں سے واقف تھے دنیا کی خبر رساں ایجنسیوں اور آلات سے اندرون وبیرون ملک کی خبریں دریافت کرکے بہت جلد نظام اسلامی کے دشمنوں کی خبر لے لیتے تھے اور صحیح موقع پر انہیں ناکام بنانے کے لئے مناسب رد عمل اور منطقی موقف اختیار کرتے تھے آپ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ نظام جمہوری اسلامی کا اصلی دشمن امریکہ ہے اس وجہ سے آپ اسے "بڑا شیطان" کے نام سے یاد کرتے تھے اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں:

" آپ سب کو معلوم ہے کہ مشرق اور مغرب کے طاقتور بازی گر خصوصاً امریکہ، جمہوری اسلامی کے زخم خوردہ سانپ ہیں انہوں نے اول انقلاب سے اب تک حیلوں کے ہر ممکن تیر استعمال کرڈالے۔ فوجی حملہ سے لیکر نظام پلٹ دینے کی فوجی سازش تک اہم شخصیتوں پر دہشت گردانہ حملہ سے لیکر کھیتوں اور دکانوں میں آگ لگانے تک، کوچہ و بازار میں بم بلاسٹ سے لیکر چوری زیادتی تک اور سب سے بڑھ کر ہماری مقابلہ کرنے والی قوم میں نفسیاتی کمزوری پیدا کرنے کے لئے طویل پروپگنڈہ تک ہر طرح کے جھوٹ اور الزام تراشی کا سہارا لیا لیکن بحمد اللہ ان کا کوئی ایک تیر بھی نشانہ پر نہیں بیٹھا اور اس کا الٹا ہی اثر ہوا ایسے زخمی سانپوں سے ہمیں غافل نہیں رہنا چاہئے۔ (امام خمینیؒ، الف: ۱۹/ ۱۷ ۳)

چھ۔ دشمن کے نقشہ سے ہوشیاری

غیروں سے مقابلہ کرکے انسان کا ان کے منصوبوں اور سازشوں سے ہوشیار رہنا ضروری ہے اگر

امام خمینیؒ کو کبھی زیادتی کا احتمال بھی ہو جاتا تھا تو آپ اسے یقین سمجھ کر لوگوں کو ہوشیار اور آمادہ رہنے کی بڑی تاکید کرتے تھے آپ فرماتے ہیں:

ہماری سب سے بڑی سادہ لوحی اور بھولا پن یہ ہے کہ ہم دنیا کو ہڑپ لینے کی نیت رکھنے والے افراد خصوصاً امریکہ اور روس کے لیے یہ سمجھ بیٹھیں کہ وہ اسلام سے دست بردار ہوگئے ہیں ہمیں کسی بھی وقت دشمن کی مکاری سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ (امام خمینیؒ، الف: ۹۰)

دوسرے موقع پر اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا:

جس نکتہ پر ہم سب کو دھیان دینے اور اسے غیروں کے مقابلہ میں اسی سیاست کی اصل واساس قرار دینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے دشمن اور دنیا کو ہڑپ کر لینے کی فکر میں رہنے والی طاقتیں کہاں تک اور کب تک ہمیں برداشت کرتی ہیں اور وہ کس حد تک ہماری آزادی قبول کرتی ہیں؟ آپ اس کا یقین رکھیں کہ وہ ہماری الٰہی و معنوی قدروں اور حیثیتوں کی تبدیلی کے علاوہ اور کچھ نہیں پہچانتیں قرآن کے مطابق " وہ تم سے جنگ اور مقابلہ کرنے سے کبھی باز نہیں آئیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے روگردان کر دیں"۔ (حوالہ مذکورہ، ۹۰)

سات۔ حالات وفرائض کی پہچان

رہبروں کو زندگی کی راہ میں پیش آنے والے واقعات وحوادثات کے سلسلہ میں ان کا اپنے فرائض کی پہچان اور اپنے زمانہ سے آگاہی ان کی بصیرت کی علامت ہے ہر قائد کے لئے زمانہ شناس ہونا، معاشرہ کی تاریخی حیثیت اور زمانہ کے تقاضے اور حالات کی بخوبی پہچان بہت ضروری ہے۔ انسان زمانہ کو جتنا زیادہ پہچانتا ہوگا وہ آنے والے حادثات کی اتنی ہی بہتر انداز سے پیشین گوئی بھی کرلے گا۔ امیر المومنین علیہ السلام کے قول کے مطابق "وہ زمانہ کے اوج کے موقع پر حیرت زدہ نہیں ہوتا" اس طرح زمانہ اور اس کے تقاضوں سے واقف قائد اپنے فرائض کی تشخیص بڑی آسانی سے کرلے گا اور مشتبہ امور کے حملوں کا شکار نہیں ہوگا۔

"العالم بزمانہ لاتھجم علیہ اللوابس" (مجلسی، ج ۷۸، ص ۲۶۹)

جو زمانہ شناس ہوتا ہے اسے مشتبہ امور غافل نہیں بناتے۔

رہبری کی توفیق کا لازمہ زمان ومکان کے حالات وشرائط کی معرفت ہے امام خمینیؒ کو بہت سی مہارتیں حاصل تھیں منجملہ وہ اپنے مطالعات کی بنیاد پر ایران کی عصری تاریخ سے خوب واقف تھے، اخبارات بولٹین اور رسالوں کا مطالعہ فرماتے، ریڈیو، ٹیلی ویژن کی خبروں خصوصاً اغیار کے ریڈیو اور

تبصروں پر نظر رکھتے تھے اس کے علاوہ حکومت کے عہدہ داروں کی رپورٹ بھی آپ کے پیش نظر ہوتی تھی ان تمام باتوں کی بدولت آپ ملک اور دنیاکے حالات سے مکمل طور پر آگاہ تھے اور بصیرت کے ساتھ ایران کا نظم و نسق سنبھالتے تھے۔

جب ایران کے پہلے صدر، بنی صدر کا زمانہ تھا امام خمینیؒ اس کے انحرافات کو دور کرنا چاہتے تھے جناب احمد خمینی مرحوم اس بحرانی دور کے متعلق فرماتے ہیں:

امام خمینیؒ تمام اخبارات وجرائد ورسائل کا اس قدر غور سے مطالعہ کرتے تھے کہ کبھی کبھی آپ کی آنکھیں دکھنے لگتی تھیں جب ماجرا ختم ہوگیا تو آپ نے فرمایا: اب اخبارات کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ سیکورٹی فورس، کوتوالی، فوج، پولس کی رپورٹ اور جمہوری اسلامی کی خبریں بھی بہت غور سے پڑھتے تھے دفتر میں تجزیہ نامے اور ٹیلیگرام بہت آتے تھے ادارے ٹھیک ہوگئے تو پھر ان کا آنا بھی کم ہوگیا وہ تقریباً پانچ سو تھے۔

جن خطوں کو مشخص کردیا جاتا تھا انہیں امام خمینیؒ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔۔۔ میں جو رپورٹ پیش کرتا تھا یہ سب اس کے علاوہ تھی۔ تمام جلسوں کے ہفتہ وار نتائج بھی آپ کے سامنے پیش کرتا تھا آخر زمانہ میں آپ داستان وغیرہ جیسی چیزیں نہیں پڑھتے تھے۔ جب آپ نجف میں تھے اس وقت روزانہ سیکڑوں کتابوں کے سیکڑوں صفحات کا مطالعہ کرتے تھے چاہے وہ قصوں اور واقعات کی کتابیں ہوں یا اجتماعی موضوعات کی۔ آپ نے بہت ساری مشہور داستانوں کو بھی پڑھ ڈالا تھا۔ اسی طرح وہ کتابیں بھی پڑھا کرتے تھے جو سیاسی یا اجتماعی مسائل پر مبنی ہوتی تھیں مثلاً پنڈت جواہر لال کی زندگی پر مبنی کتاب "نگاہی بہ تاریخ جہان نہرو" کا بھی مطالعہ کرڈالا تھا۔

آپ کو مطالعہ کا بڑا شوق تھا اور کبھی کبھی اتنا مطالعہ کرتے تھے کہ آنکھیں تھک جاتی تھیں ہمیں یاد ہے کہ گرمیوں کی چھٹی میں ہم تہران یا کسی دوسرے شہر جاتے تھے آپ مختلف موضوعات کی اتنی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے کہ کتاب لانے والے بھی تھک جاتے تھے آپ نے اکثر بڑی داستانوں کی کتابیں مثلاً " بینوایان" کا مطالعہ کیا تھا۔ سیاسی اور اجتماعی موضوعات پر دنیاکے بڑے مصنفین کی کتابوں کا بھی آپ نے مطالعہ فرمایا تھا۔ تاریخ مشروطہ سے بھی بخوبی واقف تھے۔ (ستودہ، ج ۱ ص ۱۰۶ و ۱۰۷)

امام خمینیؒ چونکہ فقہی مرجع بھی تھے اس بناپر اپنا فریضہ بھی اچھی طرح جانتے تھے موضوعات اور حالات کو پہچانتے تھے اسی وجہ سے اپنے فریضہ اور حکم شرعی کا بھی استنباط کرتے تھے پھر اسی کی بنیاد پر عمل بھی کرتے تھے۔ جس فقیہ نے اپنی عمر کا خاصہ حصہ فقہ وفقاہت کے درمیان گزار دیا ہو اس کے لیے حکم الٰہی کی پہچان بہت دشوار کام نہ تھا۔ حالات کی جو شناخت آپ کو حاصل تھی اس کی بنیاد پر حکومت کے

بارے میں شرع مقدس اسلام سے آپ حکم کا استنباط کرلیا کرتے تھے اس طرح آپ حکومت کے حدود میں فقہ سے عملا استفادہ کرتے تھے اس طرح آپ نے " سیاست، دین سے ایک جدا شے ہے " جیسے استعماری نظریہ پر خط بطلان کھینچ دیا تھا۔

عوام کو بصیرت عطا کرنا

امام خمینیؒ چونکہ ایک صاحب بصیرت قائد تھے اس بناپر قیادت کے فرائض کے مطابق مختلف مناسبتوں کے اعتبار سے عوام کی رہنمائی اور بصیرت عطا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ آپ نے تحریک کے آغاز سے ۱۳۵۷ھ ش کی کامیابی تک پھر دفاع کے آخری زمانہ اور اپنی وفات تک مختلف طریقوں سے عوام کو لازمی بصارت کا درس دیا انقلاب اسلامی کی کامیابی سے پہلے اپنے نمائندوں کے درمیان ستم شاہی حکومت کے خلاف راز ہائے سربستہ کھولنے والی تقریروں اور روشنی بخش پمفلٹ وغیرہ کے ذریعہ آپ نے اس مہم کا اہتمام فرمایا تھا۔ مختلف مناسبتوں سے عوام سے ملاقات کے موقع پر انقلاب اسلامی کے اہداف کے لئے اہم مطالب بیان کرتے اور حساس وکلیدی نکات کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ " صحیفۂ امام " کے متن میں " معلوم ہوناچاہئے " جیسے جملوں کی بہت زیادہ تکرار ہے، آپ کو جو خدشہ ہوا کرتا تھا اس سے آگاہ کرنے اور عوام کو بصیرت عطا کرنے کے لئے آپ یہ فقرہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

عوامل بصیرت

امور کے بارے میں علم وآگہی ہو یا قلب کا شفاف ادراک، رہبری والی بصیرت میں یہ دونوں باتیں ان عوامل سے پیدا ہوتی ہیں جن کا ایک حصہ، وسیع مطالعہ اور عوامل اطلاعات کے وسیع رابطہ کی دین ہوتے ہیں۔ امام خمینیؒ اس سلسلہ میں مختلف منابع سے کثیر اطلاعات کے حامل تھے۔ اخبار ورسائل کا مطالعہ، مقامی اور غیر مقامی خبروں کی سماعت کے ذریعہ مختلف غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں کی خبروں کا اپنی فراست اور ہوش مندی سے اس طرح تجزیہ کرتے تھے کہ ایک ذہین اور زیرک انسان کو بھی وہ تجزیہ حیرت میں ڈال دیتا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کو مختلف موضوعات میں خصوصی مہارت بھی حاصل تھی یہی باتیں آپ کی معلومات خاص میں گہرائی پیدا کرتی تھیں اس کے علاوہ خدا سے معنوی رابطہ اور اس پر بھروسہ کی بناپر خدا سے ملنے والی مدد بھی آپ کے شامل حال ہوا کرتی تھی۔ انجام واجبات، ترک محرمات اور شرعی تکالیف پر پابندی سے عمل کی بناپر تقوے میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے خدا پر زیادہ بھروسہ قائم ہوتا ہے۔ ان چیزوں کی پابندی بھی آپ کی بصیرت اور دور اندیشی میں اضافہ کا سبب بنی، قرآن کریم

میں خدا فرماتا ہے:

۔۔۔"ان تتّقوا اللہ یجعل لّکم فرقاناً۔۔۔" (انفال، آیت ۲۹)

اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو خدا حق و باطل میں جدائی کی طاقت عطا کرتا ہے۔

اس بناپر تقویٰ اور خدا پر بھرپور اعتماد، حصول بصیرت کا ذریعہ ہے قرآن کی ایک دوسری آیت میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا وانّ اللہ لمع المحسنین" (عنکبوت، آیت ۶۹)

جو ہمارے راستہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں خود ہی اپنے راستہ کی ہدایت کرتے ہیں خدا نیکی کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔

"۔۔۔اتقوا اللہ ویعلّمکم اللہ۔۔۔" (بقرہ، آیت ۲۸۲)

تقوائے الٰہی اختیار کرو، خدا تمہیں علم وآگہی عطا فرمائے گا۔ جو افراد راہ خدا میں کوشش کرتے ہیں اور خلوص سے صرف خدا کے لئے عمل کرتے ہیں اللہ ان کی ہدایت کرتا ہے انہیں بصیرت عطا کرتا ہے اور مقصد تک پہونچا دیتا ہے۔

تقویٰ اور بصیرت کا ربط

تقویٰ ایک اخلاقی فضیلت ہے اور یہ انسان کے عمل سے متعلق ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ انسانی قوت قضاوت اور عقل پر اثر انداز نہ ہو اور اس طرح وہ بصیرت کے مرتبہ پر فائز نہ ہو جائے اور تقوے کے بغیر اس رتبہ تک پہنچنا ناممکن نہ ہو؟ تقویٰ اور بصیرت کے رابطہ کو بیان کرنے کے لیے ہم حکماء کے نظریات سے دلیلیں پیش کریں گے۔

حکماء کہتے ہیں کہ انسان کی قوت عاقلہ کو فکر کے دو طرح کے نتائج حاصل ہوتے ہیں جن کی بنیادوں میں اختلاف ہے۔ نظری افکار اور عملی افکار۔ نظری افکار کی بنیاد: علوم طبیعی، ریاضی اور فلسفۂ الٰہی ہے۔ ان علوم میں عقل، واقعیت کے بارے میں فیصلہ صادر کرتی ہے۔

علوم زندگی اور اصول اخلاقی، عملی افکار کی بنیادیں ہیں۔ اچھائی برائی، حسن وقبح، ہونا چاہئے یا نہیں ہونا چاہئے، امر ونہی جیسی چیزیں افکار عملی کی پیداوار ہیں۔ فکر ہی ہمیں بتاتی ہے کہ اسے کرنا چاہئے یا اسے نہیں کرنا چاہئے؟ تقویٰ کی بناپر جو دینی آثار ظاہر ہوں گے وہ سب بصیرت بنیں گے اور یہ سب عملی افکار سے مربوط ہیں یعنی تقویٰ کی بناپر انسان اپنے درد و دوا اور زندگی میں درپیش راہوں کو اچھی طرح پہچان جاتا ہے۔ بعض لوگوں کی نظر میں اس اصل (بات) کی قبولیت مشکل سے ہونے کی وجہ شاید یہ ہے

کہ ان لوگوں نے بصیرت کو وسعت دیکر افکار نظری کی حد تک پہونچا دیا ہے۔ حالانکہ افکار نظری پر تقویٰ کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس بنیاد پر عملی افکار چونکہ عمل سے مربوط ہیں اس وجہ سے اس کا میدان: علاقۂ احساسات (جذبات)، تمائلات و شہوات ہیں۔ (مطہری، بی تا، ص ۳۲-۳۰)

اگر یہ امور، دین کے معین کردہ حدود سے باہر نکل گئے تو نور عقل، گرد وغبار اور دھویں سے میلا ہو جائے گا، نتیجتاً عقل ان پر اپناپَر توَڈالنے سے قاصر رہ جائے گی اور حق و باطل میں تمیز نہیں ہو سکے گی لیکن اگر تقویٰ ہوگا تو جذبات، شہوات اور میلانات دین کے معین کردہ حدود سے باہر نہیں جائیں گے اور پھر نور عقل سے ٹکرانے یا اس کو دھندلا کرنے والا کوئی نہیں رہ جائے گا۔ عقل رہنمائی کرے گی اور اس کے اثر سے حق و باطل کی تشخیص آسان ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ تجربہ بھی یہ بتاتا ہے با تقویٰ انسان زندگی میں بہت کم پریشان ہوتا ہے کیونکہ وہ تقویٰ کے ذریعہ راستہ ڈھونڈھ لیتا ہے اگر کوئی مشکل پیش بھی آتی ہے تو اس سے نکلنے کے لیے آسان اور وسیع جگہ تلاش کر لیتا ہے۔[۱] وہ انفرادی ہی نہیں بلکہ اجتماعی زندگی میں بھی بصیرت کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ ہزاروں پردوں کی آڑ سے بھی دشمن کے پرفریب چہرہ کو دیکھ لیتے ہیں اجتماعی آشوب کی بناپر دوسروں کے لئے جو چہرے ناآشنا ہوتے ہیں وہ ان چہروں کو بھی بہ خوبی پہچان جاتے ہیں اسی وجہ سے انہیں بڑا اطمینان ہوتا ہے۔[۲]

دینی و غیر دینی بصیرت

اس مضمون کے شروع میں ہم نے بیان کیا کہ کسی آرگنائزیشن کے لیے آئندہ ہونے والے حقیقی واقعات کو بھانپ لینا بصیرت ہے، تحریک کو جس سمت جانا چاہئے اس کے سرنوشت کے بارے میں قائد کا صریحی بیان، بصیرت ہے۔ موجودہ حالات سے زیادہ کامیاب اور مطلوب مستقبل ہونا اہم ہے۔ بصیرت کا تعلق ہمیشہ آئندہ سے ہوا کرتا ہے۔ تحریک کے مستقبل کے لیے فقط مطلوب تصور اور آئیڈیا ہی بصیرت ہے۔ اس تعریف کی بناپر بابصیرت قیادت وہ ہے جو مستقبل کے مطلوب حالات کی طرف تحریک کو لے جائے اور بس۔

لیکن دینی تعبیر میں جو امام خمینی کے لیے کہا گیا ہے وہ رہبری کے اس نظریہ سے بالاتر ہے اور وہ

۱۔ "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً" (طلاق، آیت ۲)

۲۔ "الابذکر اللہ تطمئن القلوب" (رعد، آیت ۲۸)

ایسی بصیرت ہے جس میں جیسی واقعیت ہے اسی طرح کا مشاہدہ بھی ہو۔ تشخیص، تمیز اور دور بینی کو بصیرت کہاجاتاہے۔ مبہم اور غیر مطمئن حالات میں فہم عمیق کا نام بصیرت ہے۔ جو مبہم اور فتنہ خیز حالات میں حق کو باطل سے جدا کرے اور مستقبل کیلئے روشن اور واضح راستہ کا نقشہ پیش کرے وہ بصیر ہے۔ دشمن کی سازشوں کو پہچاننے والا، انحرافی واقعات کی تشخیص دینے والا، صالح اور غیر صالح میں امتیاز کرنے والا، دشمن، فریضہ اور حالات کی معرفت رکھنے والا صاحب بصیرت ہے۔ رہبر معظم کی تعبیر کے مطابق، آج کے پیچیدہ حالات، اجتماعی صحیح حالات کی طرف جو قطب نمار ہنمائی کرے وہ بصیرت ہے، مقصد کی پہچان اس تک پہونچنے کیلئے صحیح راستہ کی تعیین، دشمن اور راہ کے موانع کی تشخیص، موانع کو دور کرنے کے راستوں کی معرفت بصیرت ہے۔ البتہ وسیع مطالعہ، اطلاعات کی فراہمی مہارت کے ساتھ مضبوط ایمان کے ساتھ رہبر میں روح تقویٰ کا بھی پایا جانا ضروری ہے۔ اس بناپر رہبر، غیبی الہامات اور اشرافات سے بھی مالامال ہوتاہے۔ قرآن کی تعبیر کے مطابق اس کیلئے بڑی قوت کا مالک ہونا ضروری ہے۔

نتیجہ

امام خمینیؒ کی قیادت میں بہت سارے پہلو پائے جاتے ہیں۔ مقالہ کی گنجائش کے بقدر ان میں سے صرف بصیرت پر توجہ مرکوز کی گئی ہے اسلامی معاشرہ، زائرین، خورد و کلاں، مدیر حضرات، بصیرت کے بیان کردہ امتیاز کی بنیاد پر دور اندیشی اور تیز نگاہی کا ثبوت دیں، حالات، افراد، رقباء اور دشمن کے سلسلہ میں ہوشیاری اور ضروری معرفت حاصل کریں، تاکہ اسلامی مدیریت کو اچھی طرح انجام دے سکیں۔ تجربہ، حضرات معصومین علیہم السلام اور امام خمینی کے نمونوں کی تاسی فرمائیں، ایسے قائد اور مدیر کے لیے بلند درجہ کا تقویٰ لازم ہے اور تقویٰ ہی بصیرت کا سرچشمہ ہے۔

منابع وماخذ

۱۔ قرآن کریم
۲۔ نہج البلاغہ، ڈاکٹر صبحی صالح کی تصحیح
۳۔ آذر نوش، آذر تاش، ۱۳۸۴ش، فرہنگ معاصر عربی۔ فارسی، تہران، نشرنی۔
۴۔ ابن فارس، احمد بن زکریا، ۱۴۰۴ق، معجم مقائیس اللغۃ، قم، مکتب الاعلام الاسلامی۔
۵۔ از گلی، محمد، ۱۳۷۵ رہبری بصیر یا مدیریت آئندہ نگر" فصلنامہ مصباح، سال پنجم، شمارہ ۱۷۔
۶۔ امام خمینی، سید روح اللہ، ۱۳۸۵ الف، صحیفۂ امام، تہران، مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ، چاپ ونشر

عروج، طباعت چہارم۔
۷۔ ۱۳۸۵ب، ہمراہ با امام در پاریس، مرکز فرہنگی دانشجوی امام وانقلاب اسلامی جہاد دانشگاہی، تہران، مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، مؤسسۂ چاپ ونشر عروج۔
۸۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد، بی تا، مفردات القرآن، قم، مکتبہ الرضویہ۔
۹۔ ستودہ، احمد رضا، ۱۳۷۴ش، پابہ پای آفتاب: تہران، پنجرہ۔
۱۰۔ طباطبائی، سید محمد حسین، ۱۳۹۴ق، المیزان فی القرآن، بیروت، نشر اعلمی۔
۱۱۔ طبرسی، فضل بن الحسن، ۱۴۰۶ق، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دار احیاء التراث العربی۔
۱۲۔ مجلسی، محمد باقر، ۱۳۲۳ق، بحار الانوار الجامعہ لدرر اخبار الائمۃ الاطہار، بیروت، دار الاضواء۔
۱۳۔ مطہری، مرتضیٰ، بی تا، دہ گفتار، تہران، صدرا
۱۴۔ نی نوس، برت، ۱۳۷۷ش، رہبری بصیر، ترجمہ محمد از گلی وبرزو فرھی، تہران، دانشگاہ امام حسین، مؤسسہ چاپ وانتشارات۔
۱۵۔ وجدانی، مصطفیٰ ۱۳۶۲، سرگذشت ہای ویژہ از زندگی امام خمینیؒ، قم، پیام آزادی۔
16.koontz harold & heinz weihrich 1990, Esencials of Management, New York.mc Grow- hill
17.Moorhead, gregorey & richyw Griffin 2001, Organizational Bavior, Managing People and organization, new york, Houghton mifflin.

دینی بصیرت: مقام معظم رہبری کی نظر میں

تالیف: مہدی محمد طاہری*
ترجمہ: شیخ مولانا ممتاز علی

خلاصہ

بصیرت کا مطلب، بینائی، ہوشیاری اور یقین ہے۔ صراط مستقیم پر چلنا اور حقیقت تک پہونچنا صرف دینی بصیرت، ہوشیاری، قلبی یقین اور دل سے قبولیت کے ساتھ ممکن ہے، کیونکہ مادی غبار آلود وسوسہ اور حق وباطل سے پر فضا میں صاحب بصیرت راستہ پہچان کر قدم رکھتا ہے اسی وجہ سے دینی تعلیمات اور شرع مقدس میں ہمیشہ بصیرت پر زور دیا گیا ہے اور اسے کمال تک پہونچنے کا ذریعہ کہا گیا ہے۔

اگر انسان اپنی روح کی پرورش کرے تو ایسی صورت میں اس کے کچھ احساسات میں ایسی فہم وبصیرت پیدا ہو گی کہ اس کی روشنی میں وہ بہت سے حقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ تطہیر، پاکیزگی نفس، غبار سے صفائی اور عقل انسانی کی راہ میں آنے والے موانع کو دور کرکے انسان حق وباطل، پاکی اور ناپاکی کی تشخیص کر سکتا ہے یہ اس صورت میں ممکن ہے جب دینی بصیرت کے ساتھ انسان دانائی، قلبی یقین اور ایمان پر دسترس رکھتا ہو۔ اس رخ سے بصیرت موارد تقویٰ میں داخل ہے اور حکمت عملی وعقلی پر ناظر ہے تاہم حکمت نظری سے مرتبط نہیں ہے۔ ناپاکی پر تقویٰ کی مہار ڈال کر، عقل وبصیرت کی نور افشانی کی زمین ہموار کرتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت آیت اللہ خامنہ ای نظام جمہوری اسلام کے سربراہ اور دین شناسی کے ماہر کی حیثیت سے بصیرت کو راہ حق وباطل کی شناخت کا سبب جانتے ہیں اور اسے جادہ حقیقت سے منحرف نہ ہونے کا عامل گردانتے ہیں۔

*کارشناس ارشد علوم سیاسی دانشگاہ آزاد واحد تہران مرکز

کلیدی الفاظ
رہبری، بصیرت، دینی معرفت شناسی، فتنہ، دینی بصیرت

مقدمہ

حوادث کی اجمالی تحقیق اور افراد و تاریخ کی بلندیوں کے مشاہدہ کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ کامیابی اور کامرانی تک پہونچنے یا نہ پہونچنے کا بصیرت سے بہرہ برداری کے بقدر تعلق رہا ہے۔ بصیرت کی حصہ داری میں صرف انفرادی پہلو اہم نہیں ہے بلکہ زندگی کا اجتماعی پہلو بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے اسی وجہ سے دینی مسائل کے ماہرین عوام کی بصیرت میں حصہ داری پر ہمیشہ زور دیتے اور اسے صراط مستقیم کا لازمہ قرار دیتے رہے ہیں۔

نظام جمہوری اسلامی کی تشکیل اور اس کا ثبات ایرانی عوام کی بصیرت کی دین ہے اور اس کا برقرار رہنا بھی صاحب بصیرت اور مومن عوام کے ادراک وایمان کا نتیجہ ہے ابتدائی انقلاب سے آج تک نظام اسلامی مختلف فتنوں سے ہو کر گذرا ہے لیکن یہ خدا پر توکل اور عوام کی بصیرت کا نتیجہ ہے جو یہ نظام منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہے۔ انہیں فتنوں کی بنا پر امام خمینیؒ اور حضرت آیت اللہ خامنہ ای نے ہمیشہ بصیرت کی تاکید کی اور اس میں اضافہ کے لئے عوام کی رہنمائی فرمائی۔

سال گذشتہ کے حوادث میں رہبر معظم نے بصیرت میں اضافہ کی تاکید کے ذریعہ چہار جانب سے اٹھنے والے فتنوں کے بیرونی عوامل کے شر سے نظام اسلامی کو نجات دی اور آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ انحراف میں لغزشوں سے بچنے کا واحد ذریعہ بصیرت ہے۔

اس مقالہ میں مفہوم بصیرت اور بصیرت دینی کی معرفت کے لیے رہبر معظم کی نگاہ سے پہلے بصیرت دینی کے مفہوم کی شناخت کرائی گئی ہے پھر تعریف دین کی تحقیق کو جاری رکھتے ہوئے جزو دوم میں دینی بصیرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور آخر میں مقالہ کا اصلی مضمون یعنی کسب بصیرت کی راہیں اور اس کے مواقع کی شناخت کے ساتھ بصیرت کے نتائج اور ما حصل بیان کئے گئے ہیں۔

رہبر معظم کے کلام میں دینی بصیرت کا مفہوم

ا۔ بصیرت

لفظ " بصیرت " لغت میں غیرت، دین میں ثبات، حجۃ، کسی چیز میں استبصار دانائی، بینائی، دل کی بینائی، ہوشیاری، زیرکی اور یقین کے معنی میں (معین ۱۳۷۴ ص ۵۴۶)

بصیرت مادہ " بصر " سے ماخوذ ہے اور بصر کے معنی بینائی، دیکھنا، اشیاء کا حسی مشاہدہ اور نظر کرنے

کے ہیں۔ لفظ بصیرت قلبی عقیدہ، قلبی معرفت، ہوش مندی اور آگاہی وغیرہ کے معنی میں ہے۔

رہبر معظم بصیرت قلبی کی تعریف میں فرماتے ہیں " راستہ نہ بھولنا، اشتباہ نہ کرنا، بے راہ روی اور کجروی کا نہ ہونا، خناسوں کے وسوسہ کا اثر قبول نہ کرنا، کام اور مقصد میں اشتباہ نہ کرنا، بصیرت ہے۔" (مقام معظم رہبری کی سائیٹ سے ماخوذ ۱۹/ ۱۰ / ۱۳۹۰)

بصیرت کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ " بصیرت نورافگن ہے، قبلہ نما ہے بیابان میں قطب نما کی حیثیت رکھتی ہے اگر ایسی جگہ کوئی قطب نما کے بغیر چلتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ کسی مقام تک اتفاقی طور پر پہونچ جائے لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے اکثر سر گرداں، حیرت زدہ اور مشکلات وزحمات میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے، اگر قطب نما نہ ہو اور دشمن سامنے ہو تو دشمن کے محاصرہ میں گھر جانے کا خطرہ موجود ہوتا ہے، ایسے میں بڑی مشکل ہو جاتی ہے لہٰذا بصیرت قطب نما اور تاریک فضا میں روشنی پہونچانے کا ذریعہ ہے یہی راستہ دکھاتی ہے۔" (حوالہ مذکور ۴/ ۸ /۰ ۱۳۸۹) بصیرت کے سلسلہ میں جو تعریفیں بیان کی گئی ہیں اگر ان کا ایک جملہ میں خلاصہ کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ سیاسی پیچیدہ مسائل کے پیچھے جو کچھ پوشیدہ ہے اسے پہچاننے والی انسانی تیز بینی کو بصیرت کہتے ہیں۔ (حوالہ مذکور، ۵/۵/ ۱۳۸۸)

موانع اور چیلنج کی صورت میں جو شئے انسان کو انحراف اور لغزش سے بچانے کی طاقت رکھتی ہے اس عامل کا نام بصیرت ہے۔

۲۔ مرادف بصیرت اصطلاحیں اور عبارتیں۔

قرآن اور اسلامی روایات میں ایسے الفاظ موجود ہیں جنہیں لفظ بصیرت کا مرادف کہا جاسکتا ہے مثلاً

ا۔ نور۔ بصیرت کے مساوی معنی کے لیے ایک لفظ، لفظ نور ہے خدا نے بصیرت کے معنی ظاہر کرنے کے لیے قرآن مجید میں لفظ نور استعمال کیا ہے، "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر واقعی ایمان لے آؤ تاکہ خدا تمہیں رحمت کے دو حصے عطا کرے اور تمہارے لئے ایک ایسا نور (روشنی) قرار دے جس کے ساتھ تم چل پھر سکو۔" (سورہ حدید، آیت ۲۸)

صاحب جامع الاسرار اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ خدا کا ارشاد ہے کہ نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء (سورہ نور، آیت ۳۵) اور من لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور (سورہ نور، آیت ۴۰) روشنی پہ روشنی ہے اللہ جس کی چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اللہ جس کے لئے روشنی نہ قرار دے اس کے لئے کوئی روشنی نہیں ہے۔" کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ جب تک نور حق حاصل نہ ہو وہ سالک کے دل وجان پر اپنی روشنی نہ بکھیرے اس وقت تک اسے بصیرت نہیں حاصل ہو سکتی۔ نور

حق سرمہ چشم بصیرت ہے۔ مورد عنایت حق قرار پانے کے لئے اہل مجاہدہ کی تمام تر کوششیں ہوا کرتی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ نور حق ان کے دلوں پر پرتو فگن ہو۔ (سید حید رآملی ۱۳۴۷ ص ۵۱۰)

۲۔ فرقان، بصیرت سے بہت ہی قریبی معنی ہیں۔ قرآن میں استعمال ہونے والا ایک لفظ، لفظ فرقان ہے یعنی حق وباطل کو جدا کرنے والی طاقت

اسی طرح بہت سی روایتوں اور حدیثوں میں معصومین علیہم السلام سے دوسری لفظیں اور عبارتیں بھی وارد ہوئی ہیں مثلاً لفظ (بیداری) عقل، معرفت، علم وحکمت بھی بصیرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۳۔ دین۔ یہ لفظ لغت ہیں حکم، معین دستور کے مطابق اطاعت، انقیاد اور خضوع کے معنی میں آیا ہے، جزاء اور پاداش کے معنی میں بھی ہے، قرآنی اصطلاح میں ایک مکتب فکر کے مجموعہ کا نام دین ہے جس میں عقائد، اخلاق اور احکام شامل ہوتے ہیں۔

اس بناپر یقیناً، اقدار، اعمال اور روش وغیرہ کے مجموعہ کو دین سمجھا جاسکتا ہے جس کی نوع نگاہ جہاں بنی (ہستی شناسی) اور کسب شناخت، روش (روش شناسی، معرفت شناسی) اسے روشن کرتی ہے۔

دین کی تعریف میں شہید بہشتی تحریر فرماتے ہیں۔" انسانی معاشرہ کی بے شمار چیزوں میں ایک شئے ایسی بھی نظر آتی ہے جسے مذہب (دین) کہا جاتا ہے ان تمام چیزوں میں اس چیز کو انفرادی حیثیت حاصل ہے۔مذہب (دین) کی سیدھی سادی تعریف کچھ اس طرح ہے۔"غیر مادہ پر ہر نوع کا ایمان واعتقاد (دین) ہے چاہے وہ جس طرح تصور ہو اور جس مرحلہ میں بھی موجود ہو۔" ظاہر ہے کہ ایسے اعتقاد وایمان کے ساتھ ایک معین تعلیم، آداب وسنن کا سلسلہ بھی ہوتا ہے جنہیں مذہبی (دینی) تعلیم وسنن وآداب کہا جاتا ہے۔

حضرت آیت اللہ خامنہ ای احکام کی پابندی، قبول، یقین اور تسلیم کے معنی میں دین کی تفسیر کرتے ہوئے دین اسلام کی تعریف بیان فرماتے ہیں کہ "دین تدین کے معنی میں ہے یعنی احکام اسلامی کی پابندی، قبولیت، یقین اور تسلیم کا نام اسلام ہے روایت میں بھی ایسا ہی ہے اور قرآن بھی یہی کہتا ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام ۔ اور" من اسلم وجہہ للہ" کا مطلب کیا ہے یعنی خدا کی طرف اپنا رخ کرلو احکام شرعی میں اس کا مظہر یہی ہے (مقام معظم رہبری کی سائیٹ ۲۳/ ۵/ ۱۳۶۹)

۴۔ دینی بصیرت

آگاہی اور شناخت کی خاص نوعیت کو دینی بصیرت کہا جاتا ہے یہ صرف نظری اور فکری معرفت

وشناخت نہیں ہے۔ بلکہ قلبی معرفت اور اندرونی شناخت ہے جو عبادت اور تقوے کے وسیلہ سے حاصل ہوتی ہے۔

دینی بصیرت کے حصول کے راستے

ولایت کے عظیم نظریہ کے اعتبار سے حق و باطل کی پہچان کے عامل کو بصیرت کہاجاتا ہے لہٰذا اسے حاصل کرنے کے لیے انسان کو مخصوص صفات اور شرائط کا حامل ہونا چاہیئے تاکہ حقیقی بصیرت کے حصول کے ذریعہ غبار آلود حالات میں وہ حقیقت کو درک کرلے۔

۱۔ جہان طبیعت کا توحیدی نقطہ نظر

اس سلسلہ میں ولی امر مسلمین فرماتے ہیں کہ " جہان طبیعت کے توحیدی نقطہ نگاہ سے جہان بینی اور توحیدی مفاہیم کے اساسی فہم میں انسان ایک بصیرت حاصل کرتا ہے۔ توحیدی نقطہ نظر سے یہ دنیا ایک نظام کا مجموعہ ہے۔۔۔ہم بھی اسی طبیعت کا جز ہیں ہمارا وجود، ہماری خلقت اور ہماری زندگی با مقصد ہے ہم اس دنیا میں بے مقصد نہیں ہیں یہ توحیدی نقطہ نگاہ کا لازمہ ہے۔۔۔جب ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم با مقصد ہیں تو پھر اس مقصد کی جستجو میں ہم نکلتے ہیں اس صورت میں پوری زندگی کوشش ہے اور وہ بھی با مقصد کوشش (حوالہ مذکور ۱۴/ ۸/ ۱۳۸۹)

۲۔ مادی معرفت سے پرہیز

رہبر محترم کی نظر میں دنیا کا مادی نقطہ نگاہ، انسان سے روح امید و کوشش چھین لیتا ہے اور ایسی فکر انسان کی تباہی کی زمین ہموار کرتی ہے۔ " مادی نقطہ نظر انسان کی پیدائش اور اس کے وجود کو بے مقصد بتاتی ہے۔ اسے یہ نہیں معلوم کہ انسان دنیا میں کیوں آیا ہے، البتہ وہ خود اپنے لئے مقاصد بیان کرتا ہے۔ وہ دولت، عشق عہدہ جسمانی لذت اور علمی لذت تک پہونچنا چاہتا ہے، وہ اپنے یہ سب مقاصد بیان کرتا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی طبیعی مقصد نہیں ہے یہ تمام مقاصد اس کے وجود کے لیے لازمی نہیں ہیں۔ اگر خدا پر عقیدہ نہ ہو تو عدالت واخلاقیات بے معنی ہیں، ایسے میں ذاتی لذت اور منفعت کے سوا ہر شئے بے معنی ہوجاتی ہے۔ اگر ذاتی منفعت کے لئے کسی کو ٹھوکر سے زخم پہونچے تو اسے نقصان پہونچا اور خسارہ ہوا اگر اسے کوئی فائدہ نہیں پہونچا اور وہ کوئی کوشش بھی نہیں کرسکا تو یاس وناامیدی پھر خودکشی اور کسی نامعقول کام کی نوبت آتی ہے۔ لہٰذا توحیدی نقطہ نگاہ اور مادی نقطہ نگاہ میں معرفت الٰہی اور معرفت مادی کا فرق ہے اور یہی بصیرت کی بنیاد ہے" (حوالہ مذکور)

۳۔ تقویٰ

تقویٰ اور خدا پر ایمان بصیرت کا ایک اہم سبب ہے قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے" اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو خدا تمہیں حق کو باطل سے جدا کرنے کی طاقت عنایت فرمائے گا (سورہ انفال، آیت ۲۹)

استاد مرتضٰی مطہری نے قرآن کی ان متعدد آیات کا استخراج اور استعمال کیا ہے جن میں بصیرت یا اس کے مرادف الفاظ موجود ہیں آپ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں" قرآن مجید میں تقوے کے دو اہم اثرات کا تذکرہ موجود ہے ان میں سے ایک شئے روشن بینی اور بصیرت ہے سورۂ انفال کی آیت ۲۹ میں ارشاد ہوتا ہے کہ "اگر تم تقوائے الٰہی کے حامل ہو تو خدا تمہیں تشخیص اور تمیز دینے کی صلاحیت سے نواز تا ہے" نیز یہ بھی فرماتا ہے کہ " تم تقوائے الٰہی اختیار کرو خدا تمہیں تعلیم دیتا ہے"۔ وہ فرماتے ہیں کہ یکے بعد دیگرے ان دونوں جملوں کی آمد بناتی ہے کہ تقوے میں تاثیر موجود ہے انسان خدا کی دی ہوئی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتا ہے" (مطہری، ۱۳۸۱، ص ۱۰۷)

رہبر معظم گناہ سے پرہیز اور اپنے آپ کو صراط مستقیم کے سپرد کر دینے کو تقویٰ کہتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ " خطا، گناہ، اشتباہ، آلودگی، ناپاکی انحراف اور ہوس کی پیروی سے اجتناب کا نام تقویٰ ہے، دل کو خط مستقیم کے حوالہ کر دینا اور مختلف میدانوں میں فرائض کی ادائیگی تقویٰ ہے۔ اس سے تقوے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ ہر راستہ میں توفیق کی شرط تقویٰ ہے۔ یہ محض دین سے مخصوص نہیں ہے البتہ دینی تقویٰ بہت واضح، روشن، شیرین اور نیک انجام ہے۔" (رہبر معظم کی سائیٹ ۱۹/ ۱۱/ ۱۳۶۹)

۴۔ یاد خدا

یاد خدا سے بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اس سلسلہ میں رہبر معظم فرماتے ہیں کہ " یاد خدا اور منزل مقصود کی فکر کی وجہ سے انسان کی تھکن زائل ہوتی ہے یہ معرفت اور بصیرت کی بنیاد ہے۔ بصیرت بہت ضروری شئے ہے ہمیں اسے خود ہی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے معاشرہ میں تمام انسانی کوشش اور رزم آرائی کی زمین یہی بصیرت ہموا کرتی ہے (حوالہ مذکور ۱۴/ ۸/ ۱۳۸۹)

۵۔ توبہ

احادیث اور روایات اسلامی میں توبہ کی ہمیشہ تاکید کی گئی ہے اس سے انسان پاک ہوتا ہے، اس کا باطن بصیرت کسب کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، رہبر محترم کی نظر میں خدا کی طرف بازگشت اور اخروی کمال کے میدان میں اترنے کا نام توبہ ہے آپ فرماتے ہیں۔" توبہ یعنی خدا کی طرف بازگشت اس

بناپر استغفار توبہ کا ایک رکن ہے یعنی خدا سے طلب مغفرت ایک بہت بڑی نعمت ہے، خدا نے اپنے بندوں پر توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے تاکہ وہ کمال کے راستہ پر آگے بڑھیں اور گناہ سے مفلوج نہ ہو جائیں کیونکہ گناہ انسان کو انسانی بلندی سے پستی کی طرف ڈھکیل دیتا ہے ہر گناہ انسان کی روح اس کے صفائے باطن، معنویت اور روحانی عزت پر ضرب کاری ہے، گناہ روح انسانی کی شفافیت کو ختم کرتا اور اسے گدلا بنادیتا ہے، انسان کے اس معنوی پہلو کو میلا کر دیتا ہے جو اسے اس عالم مادہ میں تمام موجودات سے ممتاز بناتا ہے۔ معصیت انسان کو جمادات اور حیوانات کی صف سے نزدیک کر دیتی ہے۔" (حوالہ مذکور ۲۸ / ۱۰ / ۱۳۷۵)

۶۔ ذکر خدا

ذکر خدا مومن کی بڑی نمایاں خصوصیت ہے وہ ہر حال میں یاد خدا میں مشغول رہتا ہے اور یہ یاد اسے بصیرت عطا کرتی ہے جس سے غبار آلود فتنوں کے زمانہ میں حق و باطل میں تشخیص کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ رہبر معظم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ " خدا کا بہت زیادہ ذکر کیا کرو، ذکر یعنی یاد خدا، ذکر اور یاد غفلت اور نسیان کے مقابل کی چیز ہے۔ مختلف حوادث اور عوارض میں غرق ہو کر اصلی موضوع سے غافل ہو جانا ہی آدمی کی بہت بڑی مصیبت ہے۔ (حوالہ مذکور ۳/ ۶/ ۱۳۸۶)

۷۔ پیغمبرؐ کی پیروی

دین مبین کی تبلیغ اور اپنی سیرت میں پیغمبرؐ نے بصیرت کو اپنے اقدامات کا نمونہ بنایا ہے حضرت آیت اللہ خامنہ ای کا اس سلسلہ میں کہنا ہے کہ " پیغمبرؐ اکرم بصیرت کے ساتھ اقدام کرتے تھے آپ کے پیروکار اور آپ کی فکر کا دفاع کرنے والے بھی بالصیرت افراد تھے۔ (حوالہ مذکور ۱۵ / ۷/ ۱۳۸۸)

اس بناپر خالص محمدی اسلام میں قدم رکھنے کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو نمونہ قرار دینا بصیرت میں اضافہ کا سبب ہے رہبر معظم خامنہ ای فرماتے ہیں" خدانے ہم مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں سرکار دو عالم کی پیروی کا حکم دیا ہے آپ صرف گفتار ہی میں نہیں بلکہ راہ و روش، ہیئت زندگی دوسرے لوگوں اور اپنے گھر والوں کے درمیان طریقۂ معاشرت، دوستوں کے ساتھ سلوک، دشمنوں اور غیروں کے ساتھ معاملہ، ضعیف اور قوی کے ساتھ برتاؤ، غرضکہ ہر جگہ نمونۂ عمل ہیں۔ ہمارا اسلامی معاشرہ اس وقت حقیقی مکمل اسلامی معاشرہ کہا جائے گا جب وہ سیرت پیغمبرؐ کے مطابق ہو اگر صد فی صد آپ کی سیرت کا آئینہ نہیں ہے تو کم سے کم اس سے شباہت کا پایا جانا ضروری ہے ہمارا عمل نبی اکرمؐ کی

زندگی کے برعکس نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسی راہ وروش ہمارا گامزن رہنا ضروری ہے۔ (حوالہ مذکور ۵/ ۷/ ۱۳۷۰)

۸۔ اپنے زمانہ کے ولی امر کی شناخت

اسلام میں اپنے وقت کے ولی امر کی شناخت کا مرتبہ بہت بڑا مرتبہ ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی امام کی معرفت کے بغیر مرجائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے (امینی، ۱۳۶۶، ص ۳۶۰)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں ہمارے شیعوں میں سے کوئی اس وقت تک بصیرت تک نہیں پہونچ سکتا جب تک ہماری معرفت کے ساتھ نورانیت تک نہ پہونچے پس جب وہ ہمیں اس مرتبہ تک پہچان لیں گے تو بصیرت تک پہونچ جائیں گے۔ (مجلسی ۱۴۰۳، ص ۷)

عمار یاسر ایسے صاحب بصیرت ہیں جو اپنے زمانہ کے ولی کی حقانیت کے سلسلہ میں جہاد کرنے پر آمادہ ہوگئے اور اسی راستہ میں شہید بھی ہوئے یقیناً وہ شہید راہ ولایت کا بہت بڑا نمونہ ہیں۔ شہید مطہری عمار یاسر کو بصیرت کامل کا بہت بڑا نمونہ اور مصداق سمجھتے تھے وہ اس بات کے معتقد تھے کہ حضرت عمار یاسر دشمنوں سے ذرہ برابر بھی خوف یا کسی وہم میں مبتلا نہیں تھے فرماتے ہیں کہ " وہاں ایسے بھی افراد تھے جو مکمل بصیرت کے حامل تھے ان کے راس ورئیس جناب عمار یاسر تھے۔ عمار لڑتے جاتے تھے اور فرمارہے تھے کہ ہم کل تنزیل قرآن پر لڑتے تھے اور آج تاویل قرآن پر جنگ کر رہے ہیں جب قرآن کے ظاہری نعروں کے ساتھ معاویہ کا پرچم بلند ہوا تو عمار یاسر نے فرمایا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ بدر واحد کے پرچم اور اس پرچم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ لشکر امیر المومنینؑ میں آپ ایک بھاری بھر کم شخصیت تھے۔ (مطہری ۱۳۷۸، ج ۲۵، ص ۱۹۷)

رہبر انقلاب بھی جناب عمار یاسر کی بابصیرت شخصیت کی توصیف کرتے ہوئے فتنوں میں خاموش رہنے، کنارہ کشی اختیار کرنے کو مدد سے تعبیر کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ " ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ صفین میں جناب عمار گرج دار تقریر فرمارہے ہیں اس لئے کہ وہاں فتنہ برپا تھا اور مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں نبرد آزما تھے۔ ایک گروہ شبہ کی حالت میں تھا۔ حضرت عمار مسلسل روشنی پھیلانے میں مصروف تھے۔۔۔ دوسری طرف (عبد اللہ بن مسعود کے ساتھی) علیؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے امیر المؤمنین ! " اناقد شککنا فی ھذی القتال " اے امیر المومنین ہمیں اس قتال میں شک ہے ہمیں ایسی سرحد پر بھیج دیں جہاں ہم اس قتال میں شریک نہ ہوسکیں: (یعنی وہ امیر المومنین مان بھی رہے تھے) اور اس جنگ سے دامن بھی چھڑا رہے تھے ان کی نگاہوں کے سامنے وہ تھا جس سے دودھ نکالا جائے اور وہ پیٹھ تھی جس پر سواری کی جائے۔ کبھی سکوت، کنارہ کشی، اور بات نہ کرنا فتنہ میں

تعاون شمار کیاجاتا ہے فتنہ کے موقع پر ہر ایک کو روشن فکر اور صاحب بصیرت ہونا چاہئے۔(مقام معظم رہبری کی سائیٹ ۲/ ۰۷/ ۱۳۸۸)

یہی وہ مقام ہے جہاں ولی زمانہ اور دینی بصیرت کے درمیان نہ ٹوٹنے والا رشتہ نمایاں ہوتا ہے کیونکہ اولیاء (پیغمبرؐ اور ائمہؑ) کی ولایت قبول کرنا اور ان کے برحق وارثین (ولایت فقیہ) کو قبول کرنا (ولایت فقیہ ائمہ معصومین کی ولایت کا تسلسل ہے) ولایت خدا کی قبولیت کے مرادف ہے۔ توحید پر ایمان دینی عقائد کے سامنے سر تسلیم جھکانا۔ مسلمانوں کے زمرہ میں شامل ہونا، صراط مستقیم پر گامزن ہونا اور ہدایت پاجانا ہے، بصیرت کے اہم راہوں کی توضیح وتفصیل سے اس کا تسلسل قائم ہونا ہے اس طرح پھر دینی بصیرت کے موانع کی تحقیق شروع ہوتی ہے۔

دینی بصیرت کے موانع

حق وحقیقت کی شناخت کے سلسلہ میں کچھ باتیں رہبر معظم کی نظر میں دینی بصیرت میں رکاوٹ ہیں منجملہ ان کے مندرجہ ذیل چیزیں ہیں جنہیں موانع شمار کیاجاسکتا ہے۔

۱۔مادی رجحان

مادیت کی طرف رجحان اور نفسانیت کو رہبر معظم نے کسب بصیرت میں رکاوٹ اور مانع سمجھا ہے اور ذکر خدا سے غفلت کو آپ دلیل کے طور پر پیش فرماتے ہیں۔آپ کا کہنا ہے کہ " کامیابی کے لئے فقط بصیرت اختیاری یا جزئی نہیں ہے بلکہ یہ لازمی شرط ہے۔۔۔ بعض افراد حقائق سے آشنا ہیں لیکن اظہار اور اقدام کا ارادہ نہیں رکھتے۔ حق ودفاع کے موقع پر کھڑے نہیں ہوتے البتہ اس کی بھی وجہیں ہیں کبھی عافیت پسندی کبھی علیحدگی پسندی، کبھی ہوائے نفس، کبھی خواہشات ، کبھی ذاتی مفادات اور کبھی ہٹ دھرمی اقدام نہ کرنے کی علتیں ہیں۔۔۔ بہت سے افراد واقف کار ہوتے ہیں حقیقت جانتے ہیں پھر بھی مخالف جہات میں مدد کرتے ہیں اس سے دشمن کو تقویت مل جاتی ہے یہ سب ہوائے نفس، خواہشات اور مادیات کی دین ہیں اور سب کی جڑ ذکر پروردگار سے غفلت ہے، اپنے فریضہ سے غفلت موت اور قیامت سے غفلت ہے جس کی وجہ سے وہ حق سے تقریباً ۱۸۰ ڈگری منحرف ہوجاتے ہیں۔ (حوالہ مذکور ۴/ ۰۸ / ۱۳۸۹)

۲۔چشم پوشی

تاریخ میں ایسے بہت سے افراد یا گروہ گذرے ہیں جن کی چشم پوشی نے اسلام اور مسلمانوں کے

درمیان اقتدار کو نقصان پہونچایا ہے اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔ تاریخ جنگ صفین کی تشریح میں حقیقت سے چشم پوشی کو رہبر معظم بے بصیرتی کی دلیل سمجھتے ہیں۔" جنگ صفین میں معاویہ کا لشکر شکست سے قریب تھا اس نے اپنے بچاؤ کے لئے بہانہ تلاش کیا کہ قرآن کو نیزہ پر بلند کردیا جائے۔۔۔ اور یہ اعلان کردیا کہ قرآن ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔۔۔ لشکر امیر المومنینؑ نے جب یہ منظر دیکھا تو کہا کہ ہاں یہ اچھی بات ہے۔۔۔ یہ وہ موقع تھا جہاں یہ لشکر دھوکہ کھا گیا۔۔۔ اگر وہ سمجھنا چاہتے تو حقیقت ان کی نگاہوں کے سامنے تھی۔۔۔ امیر المومنینؑ ہماری نظر میں اللہ ورسول کی طرف سے منصوب (امام) تھے لیکن جو اسے قبول نہیں کرتے تھے وہ بھی اس حقیقت سے واقف تھے کہ خلیفۂ سوم کے بعد تمام مسلمانوں نے علیؑ کی بیعت کرلی تھی۔۔۔ وہ اس چیز کو دیکھ اور سمجھ سکتے تھے۔ کیا یہ مسئلہ بہت مشکل مسئلہ تھا؟ کیا کوئی ایسی بات تھی جو سمجھ میں آنے والی نہیں تھی لیکن انہوں نے یہاں کوتاہی کی اور یہی بے بصیرتی ہے" (حوالہ مذکور)

۳۔ غفلت

کسب بصیرت میں غفلت بھی رکاوٹ کا سبب ہے تاریخ میں دشمنوں نے ملت ایران کی غفلت سے ہمیشہ فائدہ اٹھایا اور اپنے ناجائز مقاصد میں کامیابی حاصل کی ہے ان میں سے قضیہ مشروطہ اور شیخ فضل اللہ کے قتل کی طرف اشارہ کرنا کافی ہوگا۔ قضیہ مشروطہ میں مغرب کے رخنہ کی کیفیت کو دشمن کی پہچان کی مثال پیش کرتے ہوئے رہبر محترم نے فرمایا: "عداوتوں کا پہچاننا بے حد ضروری ہے۔۔۔ ہم یہاں مسئلہ بصیرت کی جو تکرار خواص کے لئے کررہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ کبھی بنیادی مسئلہ میں عداوت سے غفلت ہوتی ہے اور لوگ اسے جزئی مسائل پر حمل کرتے ہیں افسوس ہے کہ صدر مشروطہ میں بھی یہی معنی ہمارے لئے موجود تھا۔۔۔ مثلاً شیخ فضل اللہ نوری ان کی آنکھوں کے سامنے پھانسی پر لٹکادیئے گئے اور ان کے اندر کوئی حرکت نہیں پیدا ہوئی پھر جن افراد نے اس حساس مسئلہ کو کوئی اہمیت نہیں دی شیخ فضل اللہ کے بعد وہ خود ان کے تعرض کا شکار ہوئے ان کی بے عزتی کی گئی خود انہیں کے منہ پر طمانچہ لگا بعض کی جان گئی بعض افراد کی عزت داؤ پر لگی، ان لوگوں سے ایسی غلطی سرزد ہوئی اس طرح کی غلطی ہم سے سرزد نہیں ہونی چاہئے (حوالہ مذکور ۶/ ۱۲ / ۱۳۸۸)

۴۔ عدم تدبر

مسلمانوں کی معرفت اور تفکر کی بنیاد تدبر اور تعقل ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

" تمہاری عقل تمہیں گمراہی اور نجات کا راستہ دکھانے کے لئے کافی ہے " (نہج البلاغہ) لہٰذا جو شخص تدبر نہیں کرتا وہ نفسانی خواہشات کے دام میں گرفتار ہو جاتا ہے اور حوادثات کے سلسلہ میں تعقل کے بغیر پہلے ہی سے فیصلے کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اتنی بصیرت کافی ہے کہ انسان دوستی، دشمنی اور ہوائے نفس کے دام میں گرفتار نہ ہو انسان بس اتنا ہی غور وفکر کرلے تو اسے واقعیت کا سراغ مل جائے گا بصیرت کا مطالبہ تدبر اور غور وفکر کے مطالبہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور اس وجہ سے ہر شخص کا کام بصیرت حاصل کرنا ہے جو اس کے لئے ممکن ہے (حوالہ مذکور ۴/ ۸/ ۱۳۸۹)

۵۔حب دنیا

انسان کی بصیرت کی راہ کا بہت بڑا روڑا حب دنیا بھی ہے۔ دنیا پرستی اور جاہ طلبی نور بصیرت زائل کر دیتی ہے اور اس کے وجود میں غرائز نازلہ پرورش پانے لگتے ہیں۔ امیر المومنینؑ اس سلسلہ میں ایک بڑی اچھی بات کہتے ہیں۔ " یقیناً دنیا دشواریوں اور فتنوں کی جگہ ہے جو اس کو طلب کرنا چاہتا ہے دنیا اسے ہلاک کر دیتی ہے جو اس کے پیچھے نہیں بھاگتا وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتی ہے جو اس کی طرف نگاہ کرتا ہے وہ اسے اندھا بنا دیتی ہے (تمیمی آمدی ۱۳۶۶ ج ۲ ص ۷ ۶۳)

ولی امر مسلمین مذموم دنیا کی خصوصیت شمار کراتے ہوئے دوسروں کے حقوق پر زیادتی کو دنیا سے دل بستگی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا تجزیہ ہے کہ جس دنیا کو خدا نے تمام افراد بشر کے لئے بنایا ہے اس میں دوسروں سے زیادہ اپنا حصہ طلب کرنا اور دوسروں کے حصہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنا قابل مذمت دنیا ہے یہ دلبستگی حب الشئی یعمی ویصم کے تقاضے کے مطابق انسان کو اندھا اور گونگا بنا دیتی ہے۔ پھر وہ اپنی پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے میں کسی پابندی اور حد کی رعایت نہیں کرتا اور یہی مذموم دنیا ہے۔ دنیا سے دل لگانا، اپنے حق سے زیادہ حصہ مانگنا، دوسروں کے حق پر ہاتھ ڈالنا، دوسروں کے حق پر تجاوز کرنا وہ دنیا ہے جس کی مذمت کی گئی ہے، مال، مقام، قدرت، دنیا کی محبوبیت، طبیعی لذتیں یہ سب دنیا ہیں۔ (رہبر معظم کی سائیٹ ۳/ ۶ / ۱۳۸۷)

۶۔خواہشات اور لذتوں میں غرق ہو جانا

خواہشات اور لذات میں ڈوب جانا بھی حُب دنیا اور دنیا پرستی ہے خواہشات اور عزائم حیوانی کے جو پہلو انسانوں میں موجود ہیں سلسلہ حیات کو جاری رکھنے کے لئے وجود ہستی کے یہ پہلو بے حد ضروری ہیں خدائے حکیم نے اسی مقصد کے تحت انسانوں میں اسے نہاں رکھا ہے لیکن ان میں غرق ہو جانے کے بعد

انسان، حیوان سے بھی زیادہ پست ہو جاتا ہے۔

لذت پرستی اور شہوت رانی، انسانی وجود کو تاریک اور دل کی آنکھوں کو نابینا بنا دیتی ہے مولا علی فرماتے ہیں " جب ظاہری آنکھیں شہوت کو دیکھتی ہیں تو انسان کے دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں (تمیمی آمدی ۱۳۶۶ ص ۳۰۵)

رہبر عالی قدر بھی شہوت پرستی سے بچنے کی تاکید فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں غوطہ زن ہونے کے بعد انسان جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ " شہوات کی خاصیت یہ ہے کہ ابتدا میں تو وہ شہوت ہیں لیکن اس کا استمرار جہنم بن جاتا ہے! جب کسی انسان پر شہوت حاوی ہو جاتی ہے تو وہ جہنم میں تبدیلی ہو جاتی ہے یہ بشری شہوات کی خاصیت ہے۔ کسی انسان کا مدت مدید تک شہوات میں خوش رہنا ناممکن ہے۔ خدا نے ایسا کوئی انسان پیدا ہی نہیں کیا ہے۔۔ اگر کوئی تحقیق کرے تو یہ بات اس پر واضح ہو جائی گی یہ ایک مسلم اور واضح بات ہے۔ شہوتوں کا سلسلہ جہنم پر ختم ہوتا ہے۔ (رہبر محترم کی سائیٹ ۲/ ۱۰/ ۱۳۷۲)

۷۔ جہاد بالنفس کی فراموشی

یاد خدا کی فراموشی کا نتیجہ جہاد اکبر کی فراموشی ہے۔ ذکر خدا سے غفلت کی بناپر انسان حب دنیا میں اُلجھ جاتا ہے اس کے قدم تاریکی میں پڑتے ہیں۔ کسب بصیرت میں ناتوانی کی وجہ یہ بھی ہے، رہبر معظم عامل بصیرت اخلاص اور عین موقع پر عمل کرنے کو "جہاد بالنفس" کا نتیجہ قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ "بصیرت پہلا عنصر ہے لہٰذا اسے فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔۔۔ دوسرا عنصر اخلاص اور تیسرا عنصر اندازہ کے مطابق وقت پر عمل ہے"۔ (حوالہ مذکور ۲/ ۸/ ۱۳۸۹)

دینی بصیرت کے آثار

ا۔ سرد جنگ کا مقابلہ

رہبر معظم نے ایسی جنگ کی بارہا تاکید کی ہے اور اس یورش میں مختلف دھڑوں کی رہنمائی فرمائی ہے آپ کہتے ہیں کہ " آج ہمیں کسی فوجی یورش کا خطرہ نہیں ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ خطرہ مکمل طور پر ٹل گیا ہے لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ اس کا احتمال اس وقت نہیں ہے لیکن ہمارے سامنے جو جنگ ہے، اگر فوجی حملہ سے زیادہ ہے اس کا خطرہ نہیں ہے تو کم بھی نہیں ہے فوجی جنگوں میں دشمن ہماری سرحدوں پر حملہ کرتا ہے اور وہ اسے توڑ کر اندر داخل ہونا چاہتا ہے۔ نفسیاتی جنگ میں جسے آج سرد جنگ کہا جاتا ہے، وہ معنوی سرحدوں کو توڑ کر ہمارے ایمان معرفت، عزم، پایہ اور نظام وملک کے اساسی نظام

اور قانون کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ (حوالہ مذکور ۲/ ۷/ ۱۳۸۸)

آپ نے دشمن کی سرد جنگ کے ساتھ مختلف محور پر تقسیم کر کے اس کی طبقہ بندی کچھ اس طرح کی ہے۔

الف: امید کی نشانیوں کو ختم کر دینا۔ امید کی علامتوں کو بھی مخدوش کر دینا چاہتے ہیں۔

ب: تفرقہ اندازی، دشمن کا ایک کام اختلاف پھیلانا ہے۔

ج: لوگوں کے اذہان کا رخ دشمن کی دشمنی سے موڑ دینا۔ میری نظر میں دشمن کی دوسری کوشش لوگوں کے ذہنوں کو دشمن کی دشمنی سے منحرف کر دینا ہے۔

د: ملک کی سیاسی فضا میں پراگندگی پیدا کرنا۔ سرد جنگ کے سلسلہ میں آج دشمن کی بڑی کوشش میں سیاسی فضا میں پراگندگی پیدا کرنا ہے۔ آج دشمن کا یہ بہت اہم کام ہے جس پر ہماری گہری توجہ کی ضرورت ہے (حوالہ مذکور ۴/ ۸/ ۱۳۸۹)

ھ: ایران نمونہ نہ بن پائے، جمہوری اسلامی کے خلاف پروپگنڈہ کا ایک بہت بڑا حصہ یہ بھی ہے کہ مسلمان ملتوں کے درمیان جمہوری اسلامی ایران ایک نمونہ بن کرنہ ابھر سکے (حوالہ مذکور ۱۹ / ۱۲/ ۱۳۸۹)

و: حقیقتوں کو الٹ کر پیش کرنا۔ "دشمن کی یہ بھی کوشش ہے کہ حقیقتوں اور واقعات کو برعکس پیش کیا جائے"۔ (حوالہ مذکور ۲ / ۸/ ۱۳۸۹)

اسی بناپر یہ بات صدفی صد یقینی ہے کہ دشمن سرد جنگ چھیڑ کر ایران کے لئے ایک چیلنج کھڑا کر کے پہلے سے تیار کئے ہوئے نقشہ کی بناپر جمہوری اسلامی کے مقدس نظام پر شدید ضرب لگانا چاہتا ہے۔

رہبر عالی قدر نے اس سرد جنگ میں دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے بصیرت کو شرط قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "بصیرت کا ہونا ضروری ہے معاشرہ کے منتخب روزگار افراد، سیاسی واقعات دور سیاسی احزاب سے انسان کی جو امیدیں وابستہ ہیں وہ یہ ہیں کہ ان واقعات اور دشمن کے ان خطوط کے ساتھ انسان بصیرت سے کام لے اگر بصیرت کے ساتھ مقابلہ کا عزم ہوگا تو ہمارے بہت سے رفتار کا بدل جانا ممکن ایسی صورت میں حالات بہتر ہونے کی امید پیدا ہو جائے گی" (حوالہ مذکور ۲/ ۷/ ۱۳۸۸)

شناخت ودفع فتنہ

۲۔ فتنہ کی شناخت اور دفاع. فتنہ ایک " اجتماعی مصیبت ہے یہ معاشرہ کو تباہی کی طرف ڈھکیل دیتا ہے۔ فتنہ آلود فضا میں اچھے برے حق، باطل اور دوست ودشمن کا پہچاننا بڑا مشکل کام ہے قرآن کریم نے سورہ انفال کی آیت ۲۵ میں اس خطرہ کو بڑے مناسب انداز میں پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے " واتقوا

فتنة لا تصيبن الذی ظلموا منکم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب" اس فتنہ سے ڈرو جو وجود میں آنے کے بعد صرف تمہارے ظالموں سے مخصوص نہیں رہ جاتا۔ (وہ اچھے، برے دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے) اور یہ جان لو کہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔

حضرت علیؑ نے خطبہ نمبر ۹۳ میں فتنوں کی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "جب فتنے رونما ہوتے ہیں تو اپنا چہرہ حق کی طرح بنا کر پیش کرتے ہیں اور جب پشت پھیرتے ہیں تو (لوگوں کو اپنی ماہیت سے) آگاہ کر دیتے ہیں۔ جب وہ رونما ہوتے ہیں تو ناشناختہ ہوتے ہیں اور جب ختم ہو جاتے ہیں تو اپنی پہچان چھوڑ جاتے ہیں۔ گرد و غبار کی طرح فتنے گردش کرتے رہتے ہیں بعض شہروں میں حادثہ کا سبب ہوئے ہیں اور بعض شہروں سے گذر جاتے ہیں"۔

رہبر معظم فتنوں کو دوست، دشمن کی طرح ایک دوسرے سے ملا سمجھتے ہیں۔ دوست دشمن کو الگ الگ کر دینا ہی آپ کی نظر میں مبارزہ کا ذریعہ ہے۔ " فتنہ " یعنی غبار آلود حادثہ جس میں انسان یہ نہیں سمجھ پاتا کہ دشمن کون ہے، غرض لیکر کون اس میدان میں وارد ہوا ہے اسے کون تحریک دے رہا ہے؟ فتنوں کو واضح کرکے ہی خاموش کیا جاسکتا ہے، جہاں وضاحت ہو جاتی ہے وہاں فتنوں کے ہاتھ کوتاہ ہو جاتے ہیں جہاں بے ہدف باتیں، کام، تیراندازی اور تہمتیں ہوں گی وہاں فتنہ انگیز خوش ہوں گے۔ حوالہ مذکور ۸/ ۵/ ۱۳۸۸)

فتنوں کے حالات پیدا کر دینا، صحیح راستہ کی تشخیص نہ ہونے کی راہ ہموار کرنے کی غرض سے فضا کو غبار آلود بنا دینا دشمنوں کی کوشش ہوتی ہے۔ رہبر معظم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔" فتنہ کا مطلب یہ ہے کہ کچھ افراد ظاہری دوست اور باطنی دشمن بن کر میدان میں اترتے ہیں فضا کو غبار آلود بنا دیتے ہیں جس میں دشمن اپنا چہرہ چھپا کر حملہ آور ہوتے ہیں"۔ (حوالہ مذکور ۲۹/ ۱۰ / ۱۳۸۸)

فتنوں کی غبار آلود فضا میں تشخیص حق کا بیان بہت سخت کام ہے خداوند عالم اپنے بندوں پر ہمیشہ حجت تمام کرتا ہے اس سلسلہ میں آپ کا کہنا ہے کہ " فتنہ زدہ" حالات میں کام اور تشخیص بہت مشکل ہے البتہ خداوند عالم ہمیشہ حجت تمام کرتا ہے اور وہ انسانوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیتا کہ خدا یا تونے ہمارے لئے حجت تمام نہیں کی تو نے کوئی رہنما نہیں بھیجا لہٰذا ہم گمراہ ہوگئے۔ یہ بات قرآن میں مکرر بیان کی گئی ہے الٰہی ارشاد ہر جگہ موجود ہے البتہ اس کے لئے کھلی آنکھوں کا ہونا ضروری ہے۔ (حوالہ مذکور ۱۹ / ۱۰/ ۱۳۸۸)

فتنہ کو دفع کرنے کا سب سے اہم راستہ دینی بصیرت ہے چشم بصیرت کے ذریعہ حق کو باطل سے اور صحیح کو غلط سے جدا کرنا ممکن ہے۔ فتنہ دفع کرنے کے لئے بصیرت کے اضافہ کے سلسلہ میں رہبر محترم

فرماتے ہیں۔" تم اپنی بصیرت کو بلندی تک پہونچاؤ اپنی معلومات میں اضافہ کرو۔ میں نے امیر المؤمنینؑ کے جنگ صفین والے جملہ کو لوگوں کے سامنے بار بار بیان کیا ہے حضرتؑ نے فرمایا ولا یحمل هذا العلم الا اهل البصر والصبر۔ اس علم کے متحمل اہل بصر اور اہل صبر ہوتے ہیں آپ کو یہ معلوم ہے کہ پرچم امیر المومنین کی حیثیت پرچم پیغمبرؐ سے زیادہ سخت تھی کیونکہ پرچم پیغمبرؐ کے نیچے دوست اور دشمن معلوم تھے لیکن پرچم امیر المومنین کے نیچے آنے والے دوست دشمن اس طرح واضح نہیں تھے۔ دشمن بھی وہی بات کر رہے تھے جو دوست کرتے تھے مد مقابل کے خیمے میں بھی وہی نماز پڑھی جارہی ہے ایسے میں آپ کیا کرتے۔۔۔ (حوالہ مذکور ۱۵ / ۶ / ۱۳۸۹)

صاحب بصیرت کے سامنے دشمن کے شکست پر زور دیتے ہوئے رہبر محترم بصیرت کو قطب نما سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔" اگر کسی ملت اور ملک کے جوانوں میں بصیرت موجود ہو تو ان کے قدم واقفیت کے ساتھ اٹھتے ہیں ان کے سامنے دشمن کے تمام شمشیریں کند ہو جاتی ہیں۔ میدان جنگ میں اگر آپ کو راستہ نہ معلوم ہو قطب نما بھی نہ ہو اور آپ نقشہ بھی دیکھنا نہیں جانتے تو آپ دشمن کے محاصرہ میں آجائیں گے راستہ بھٹک جائیں گے اور دشمن آپ پر مسلط ہو جائے گا۔ اس مقام پر بصیرت ہی قطب نما ہے"۔ (حوالہ مذکور، ۱۵ / ۷ / ۱۳۸۹)

۳۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا مسلمانوں کا اہم فریضہ اور فروع دین کا جزء ہے" والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیآء بعض یأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر" مؤمنین اور مومنات ایک دوسرے کے یاور اور دوست ہیں وہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

یہ تربیت اسلامی کی بنیاد ہے۔ قرآن مجید اس فریضۂ الٰہی کے تربیتی پہلو کو پیش کرتا ہے۔" ولتكن منكم امّة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر اولئك هم المفلحون" تم مسلمانوں میں (جو با تقوی وعلم ہیں) وہ خلق خدا کو خیر وصلاح کی دعوت دیتے ہیں لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔

توجہ کے قابل یہ امر ہے کہ صحیح دینی تربیت سے دینی بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی جتنی زیادہ دینی تربیت ہوگی معاشرہ بصیرت کے اعتبار سے اتنی ہی بلندی تک جائے گا۔ دینی تربیت اور دینی بصیرت میں در حقیقت دو طرفہ رابطہ ہے یعنی دینی تربیت انسانوں کو بابصیرت بناتی ہے اور دینی بصیرت دینی تربیت میں گہرائی اور وسعت پیدا کرتی ہے۔

رہبر معظم نے متعدد بار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری کرنے کی تاکید فرمائی اور اسے معاشرہ میں صحیح دینی تربیت کالازم قرار دیا ہے۔اس میں انسانوں کی بصیرت میں اضافہ کی صلاحیت موجود ہے۔اس فریضہ الٰہی کے مندرجہ ذیل کئی محور آپ نے بیان کئے ہیں۔

الف: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ندائے انسانی ہے۔

" یہ فریضہ ہر چند کہ اسلام کا بہت بڑا فریضہ ہے اور قرآن کریم، ارشادات پیغمبرؐ خدا اور امیر المومنین نیز دیگر ائمہؑ کے کلام میں اس پر بہت تاکید کی گئی ہے، اس پر بے مثل اور جھجھوڑ نے والے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے لیکن اگر انسان ان تمام باتوں سے چشم پوشی بھی کرلے تو اسے خود اپنے اندر سے اس کردار ساز عمل کی ایسی آواز سنائی دے گی جو اسے فریضہ شمار کرنے پر مجبور کرے گی۔ (حوالہ مذکور ۲۵ / ۸/ ۱۳۷۹)

ب: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اجتماعی مسئلہ ہے۔

" تقوے کے انفرادی مسئلہ میں تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بہت تاکید کی ہے لیکن اجتماعی مسئلہ میں لوگوں کو جھنجھوڑ نے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے زیادہ سخت اور شدید انداز کسی اور مسئلہ میں نہیں اختیار کیا ہے۔" (حوالہ مذکور ۲۵/ ۹/ ۱۳۷۹)

ج: گھر کے اندر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

آپ فرماتے ہیں۔ " گھر کے اندر بھی نہی عن المنکر کا ہونا ضروری ہے بعض گھروں میں عورتوں کے حقوق کی رعایت نہیں ہوتی بعض گھرانوں میں بچوں کے حقوق کی رعایت نہیں ہوتی ان باتوں کو ان گھرانوں میں یاد دلا کر اس کی پابندی کا مطالبہ کرنا چاہیے۔" (حوالہ مذکور)

ھ۔ مسؤلین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جائے۔

" مختلف شعبوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہونا چاہئے خصوصاً مسؤلین کا شعبہ بہت اہم ہے آپ ہمیں امر بالمعروف اور نہی عند المنکر کریں، لوگوں کو ذمہ داروں سے کہنا چاہئے کہ وہ اچھا کام کریں (حوالہ مذکور)

د: عمومی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

"امر بالمعروف صرف اتنا نہیں ہے کہ ہم تکلیف ساقط کرنے (خانہ پری) کے لیے دو لفظ کہدیں وہ

بھی ان منکرات کے بارے میں جن کے کے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں کہ یہ اہم منکرات ہیں۔ اگر پورے معاشرہ کا یہ فریضہ قرار دیا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر فرد نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ ایک قوم کی ہر فرد اس فریضہ کو کب ادا کرنے والی بن سکتی ہے؟ یہ اسی وقت ممکن ہے جب تمام افراد حقیقی معنی میں ملک کے مسائل سے ہمہ تن وابستہ ہوں اور سب لوگ معاشرہ کے کاموں سے سروکار رکھتے ہوں سب اہتمام کریں، تمام افراد واقف کار ہوں سب معروف اور منکر کی پہچان رکھتے ہوں عمومی نگرانی اور عام حاضری اور تعاون بلند یہی ہے بلند معرفت ہے۔" (حوالہ مذکور ۷/ ۵/ ۳ ۷ ۱۳)

۴۔ بیداری اسلامی

اپنی شاندار اور درخشاں تاریخ کے باوجود دنیائے اسلام برسوں تک بنیادی اور اندرونی مشکلات کا شکار رہی ہے سامراج نے اپنی استعماری عادت کی بناپر مسلمانوں کو اپنا پابند رکھا اس نے اسلام کو ختم کرنے اور مسلمانوں کا چہرہ مسخ کرنے کی بہت کوشش کی اس راستہ میں اس نے اختلاف، اپنی بنائی ہوئی حکومتوں کی حمایت، قومی ومذہبی فساد اور خوف زدہ اسلام کی موجوں کے ذریعہ مختلف طریقوں سے اس راستہ میں فائدہ اٹھایا۔ ایسے حالات میں امام خمینیؒ نے ایرانی مسلمانوں کی رہبری کرکے استعمار اور داخلی استبداد سے مقابلہ کیا جس کے سبب استعماری طاقتوں اور ان کی قائم کردہ حکومتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں نے دوبارہ کامیابی حاصل کی۔ یہ کامیابی اسلامی دنیا میں بیداری کا سبب بنی اور مسلمان از سر نو اپنی کھوئی ہوئی عظمت پانے والے اور ایرانی عوام کے قیام سے سبق لیکر حکومت اسلامی بنانے کے لئے آگے بڑھنے لگے۔

اسلامی بیداری مسلمانوں کی بصیرت اور قرآن ومعنویت سے تمسک کی دین ہے۔ اسلامی اقدار کے احیاء کے مقصد کے ساتھ یہ پیدا ہوئی اور اب بھی جاری ہے اس کی وجہ سے مسلمان اپنی زندگی اور سرنوشت میں تبدیلی لانے کے لئے واقعی آمادہ ہو گئے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے۔

گذشتہ دنوں اسلامی بیداری کا اوج نظروں کے سامنے آیا جب چند کٹھ پتلی حکومتیں یکے بعد دیگرے ڈھیر ہو گئیں اور بہت سارے ملکوں میں انقلاب اسلامی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اسی بناپر کہا جاسکتا ہے کہ اس علاقہ کی ماضی قریب کی تحریکوں کے لئے انقلاب اسلامی نے زمین ہموار کی ہے۔ مقام معظم رہبری اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ " خدا کی دی ہوئی توفیق کی بناپر اس خطہ میں ایک نئی تحریک کا آغاز ہوا ہے یہ قوموں کی تحریک ہے، اسلامی تحریک ہے۔ یہ تحریک اسلامی مقاصد کی سمت ہے۔ یہ قوموں کی عمومی بیداری کی آئینہ دار ہے خدا کے وعدہ کے مطابق یہ تحریک یقیناً کامیابی سے ہم کنار ہو گی۔ ملت ایران سرفراز ہے، خوش آئندہ کے آغاز کرنے پر اسے فخر ہے کہ اس نے یہاں ثبات واستقامت کا ثبوت دیا ہے

آج جو نئی نسل مصروف کار ہے اس نے انقلاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو نہیں ہے لیکن وہ ماضی کے انقلابیوں سے اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہے۔" (حوالہ ہاں ا/ ا/ ۱۳۹۰)

شریعت پر مسلمانوں کی جدید نگاہ اور انسان کے ہاتھوں بنائے ہوئے فلسفوں سے ان کی رہائی کو رہبر معظم، انقلاب اسلامی کی برکت سمجھتے ہیں آپ کا خیال ہے کہ مسلمان اسلامی بنیادوں پر تکیہ کرکے ترقی کرنے میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔" آج تمام عالم اسلام میں امت اسلامی شریعت اسلام اور آئین اسلام پر جدید نگاہ ڈالی جارہی ہے۔ طویل غفلت اور حقائق اسلامی سے صدیوں دور رہنے کے بعد آج بشریت کی آنکھیں کھل گئیں ہیں، اسلامی احکام ومعارف کو امت اسلامی کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے اس لئے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے فلسفے اپنی ناتوانی اور کمزوری کا ثبوت پیش کررہے ہیں آج اسلامی شریعت ومعارف سے تمسک کرکے دنیائے اسلام کمال وبلندی کی طرف کاروان بشریت کو لے جارہی ہے۔ آج کی دنیا امت اسلامی کو متحرک کرنے پر آمادہ ہے۔ انسان کی علمی ترقی نے اخلاق، معنویت اور دینی روح جیسی چیزوں کو حاشیہ پر ڈال دیا ہے۔ دانش بشری اور عالم کے طبیعی حقائق پر انسان کی نگاہ نو، امت اسلامی کی تحریک کا باعث بن سکتی ہے، دنیائے اسلام کے سامنے معارف اسلامی، سیرت پیغمبر کلام پیغمبرؐ اور اس سے بڑھ کر قرآن کریم موجود ہے اس کے ذریعہ اسلامی دنیا میں تحریک پیدا ہو سکتی ہے (حوالہ مذکور ۱۷/ ا/ ۱۳۸۶)

۵۔ سازشوں سے مقابلہ کا راز

دشمن سازشوں کے ذریعہ معاشرہ کو منحرف کرنے اور لوگوں کے یقین کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ملت کی بصیرت فتنوں کو ختم اور سازشوں کا ناکام کردیتی ہے۔

۶۔ حق وباطل کی تشخیص

بصیرت کا ایک کام حق وباطل میں تشخیص دینا بھی ہے جب فضا غبار آلود ہو اور تمیز مشکل ہو تو بصیرت اس میں بڑااہم رول ادا کرتی ہے۔ وہ راستہ معین کر سکتی ہے۔ رہبر معظم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ " حق کی پہچان اور راستہ کی تشخص بہت ضروری ہے تاکہ یہ سمجھ میں آجائے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل ہے۔ جو شخص اس راستہ پر چلا وہ حق پر ہے اور جو نہیں چلا وہ باطل ہے ۔ حق کا پہچاننا بے حد ضروری ہے۔" (حوالہ مذکور ۳/ ۸/ ۱۳۸۹)

حق وباطل میں تمیز دینے کے سلسلہ میں بصیرت کی کارفرمائی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ " جب تک بصیرت ہوگی اس وقت تک فتنہ کا غبار انسان کو نہ گمراہ کر سکتا ہے اور نہ وہ اشتباہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

بصیرت نہ ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ انسان کی نیت ٹھیک ہو لیکن اس کے قدم برائی کے راستہ پر پڑ جائیں۔ (حوالہ مذکور ۶/ ۵/ ۸۹)

ولی امر مسلمین بصیرت کی افزائش پر ہمیشہ زور دیتے رہے اور یہ بتاتے رہے کہ غلط اور صحیح کی شناخت اور دوست و دشمن کی پہچان اسی سے ہوتی ہے" جہاں تک ممکن ہو آپ اپنی بصیرت میں اضافہ اور گہرائی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ دشمن ہماری بے بصیرتی سے استفادہ نہ کرنے پائیں ایسا نہ ہو کہ دشمن، دوست کی شکل میں، حقیقت باطل کی شکل میں اور باطل، لباس حقیقت میں موجود ہو۔" (حوالہ مذکور ۱۱/ ۶/ ۸۹)

۷۔ منحرف اور دشمن سے فیصلہ کن سلوک

منحرف افراد سے سلوک، اسلام کے بنیادی اصول میں داخل ہے جب منحرف گروہ کے لوگ یونیورسٹی پر قبضہ کرکے اس پر اپنا کنٹرول رکھنا چاہتے تھے اس وقت اسی بنیاد پر اوائل انقلاب میں امام خمینیؒ نے فرمایا تھا اور تم اس انتظار میں بیٹھے ہو کہ چند کمیونسٹ مزاج آکر یونیورسٹی پر اپنا قبضہ جمالیں؟ کیا تم ان سے کسی طرح کم ہو؟۔۔۔ تمہاری حجت ان سے زیاد ہے تم ان مسائل کو بیان کرو ان کی خیانتوں کو وہاں واضح کرو۔۔۔ وہ وہاں جانا چاہیں تو ان سے بیٹھ کر باتیں کرو۔۔۔ ہر صورت میں تمہاری فعالیت بہتر ہوگی۔۔۔ تم ان سے آمنے سامنے باتیں کرو۔۔۔ تمہاری تعداد زیادہ ہے تمہاری حجت ان سے بالاتر ہے ان کی خیانت بڑی واضح ہے صرف بیان کرنے کی ضرورت ہے تم اجتماع منعقد کرکے اس میں مطالب بیان کرو" (رجانیوز سائیٹ امام خمینیؒ کے بیانات سے ماخوذ تاریخ ۲۳/ ۳/ ۱۳۵۸)

۸۔ دشمن کی پہچان

اسلام میں دشمن کی پہچان بڑی مرکزی بحث ہے کیونکہ دشمن سے غفلت کی بناپر تاریخ میں بہت سے قومیں شکست سے دوچار ہوئیں اور استعمار کے زیر تسلط رہ کر زندگی گذارنے پر مجبور ہوئیں۔ حضرت امیر المومنین اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔" جو دشمن کے سامنے سوتا رہتا ہے (غافل رہتا ہے) تو حیلے اسے خواب سے بیدار کردیتے ہیں۔ " نہج البلاغہ (غرر الحکم جلد ۵ ص ۳۴۴)

رہبر عالی قدر نے ملت ایران کے دشمنوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے، ہر ایک کو بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔" ہمارے دو دشمن ہیں ایک اندرونی اور دوسرا بیرونی دشمن ہے اندرونی دشمن زیادہ خطرناک ہے۔۔۔ اندرونی دشمن بری خصلتیں ہیں اور ممکن ہے کہ وہ خود ہم میں موجود ہوں،

کاہلی، کام میں دلچسپی نہ لینا، ناامیدی، حد سے زیادہ خود پسندی، دوسروں کے بارے میں بدنیتی، خود پر اعتماد کا نہ ہونا یہ سب بیماریاں ہیں ۔۔۔یہ اندرونی دشمن ہیں، بیرونی دشمن وہی ہے جسے ہم عالمی استعمار کہتے ہیں۔ عالمی استعمار اور تسلط کی چاہت رکھنے والا نظام دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ایک وہ جو مسلط ہونا چاہتے ہیں اور دوسرے وہ جن پر اپنا تسلط جمانا چاہتے ہیں،۔ اگر کوئی قوم تسلط حاصل کرنے والی طاقتوں سے بچنے کے لیے اپنا دفاع کرتی ہے تو وہ امن کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اس پر دباؤ ڈالتے ہیں اور اسے فنا کر دینا چاہتے ہیں یہ اس کے دشمن ہیں جو عزت وآبرو سے ترقی کرنا اور کسی کے زیر نگیں رہنا پسند نہیں کرتے۔ ان کے دشمن بیرونی دشمن ہیں (حوالہ مذکور)

یہ بات یقینی ہے کہ دشمن قومیں معاشرہ کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ آیت اللہ خامنہ ای دشمن سے مبارزہ کے لیے بصیرت کو ضروری سمجھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ " اگر تمہارے پاس بصیرت نہیں ہوگی اور تم دوست اور دشمن کو نہیں پہچانو گے تو پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمہاری تبلیغات ، تمہاری گفت و شنید، تمہارا عمل اس حصہ میں ہوگا جہاں نہ دوست ہیں نہ دشمن ، انسان کو چاہئے کہ وہ دشمن کو پہچانے میں غلطی نہیں کرنی چاہئے اس وجہ سے بصیرت او بینش ضروری ہے۔" (حوالہ مذکور ۵/ ۵/ ۱۳۸۸)

سرنوشت ساز لمحہ میں میدان میں اتر جانے والی اور دشمن سے مقابلہ کرنے والی ایرانی قوم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "لوگ جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ دشمن نظام اسلامی کے مد مقابل آچکا ہے تو وہ میدان میں اتر آتے ہیں۔ یہ ایمانی تحریک ہے یہ قلبی تحریک ہے یہ ایسی تحریک ہے جس میں خدا کی ہدایت شامل ہے ، دست قدرت خدا اور ارادۂ الٰہی موجود ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو ہمارے یا ہم جیسے لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں ہیں یہ ارادے پروردگار کے پابند ہیں جب خدائی تحریک ہے تو خدا کے لئے ہے یہاں اخلاص بھی کارفرما ہوگا اور ایسے موقع پر خدا بھی حمایت کرتا ہے (حوالہ مذکور ۱۹/ ۱۱/ ۱۳۸۸)

نتیجہ

اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کا رشد و کمال بصیرت اور روشن بنی میں مضمر ہے اس کے سبب مسلمان اپنے مسائل میں تعقل اور تدبر کے ذریعہ یقین اور بینائی کے ساتھ اپنا راستہ طے کرتے ہیں۔ دشمن سے سرد جنگ، فتنوں کی پہچان ان کے دفاع، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے جاری ہونے ، حق و باطل کی شناخت، دشمن کی پہچان اور منحرف معاند کے ساتھ سلوک کے سلسلہ میں رہبر معظم نے ایک صاحب بصیرت اور اسلام سے آشنا شخصیت ہونے کی بناپر دشمن کی سازشوں کی پہچان اور بیداریٔ اسلامی میں

بصیرت کو کامیابی کا ضامن قرار دیا ہے۔

مذکورہ موارد میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رہبر معظم کی نظر میں مسلمانوں کے لئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کو نمونہ قرار دینا چاہئے۔ آپ فرماتے ہیں امیر المومنینؑ کی زندگی ابتدا سے انتہا تک درس ہے آپ کی روش میں ایک نیک انسان اور زمام دار کی تمام وہ نیک صفتیں مشاہدہ کی جاسکتی ہیں جو ہمارے لئے آج بہت بڑی خصوصیت ہیں۔ آج کے انسان کو بصیرت عطا کرنے اور طالب بصیرت کو بصیرت بخشنے اور فضا کو روشن بنانے کے لئے تمام ادوار میں جس چیز کی ضرورت ہے وہ بے پایاں شجاعت، عظیم فداکار ایمان اور فکر کو گہرائی عطا کرنے والی تمام چیزیں آپ کی سیرت میں موجود ہیں (حوالہ بالا، ۲۵/ ۴/ ۱۳۸۹)

ماخذ:

۱۔ قرآن مجید۔

۲۔ نہج البلاغہ۔

۳۔ آملی، حیدر، جامع الاسرار، اسماعیل یحییٰ وہانری کربن، تہران، (بی تا) ۱۳۴۷ کے مقدمہ کے ساتھ۔

۴۔ امینی، علام حسین (۱۳۶۶) الغدیر، جلد دوم، تہران، دار الکتب الاسلامیہ۔

۵۔ بہشتی، محمد حسین، (بی تا) بررسی علمی زیر بنای ایدیولوژی اسلامی، تہران۔

۶ تمیمی آمدی، عبد الواحد بن محمد (۱۳۶۶) غرر الحکم ودرر الکلم، جلد دوم، تہران دفتر تبلیغات اسلامی۔

۷۔ تمیمی آمدی عبد الواحد محمد (۱۳۶۶)، غرر الحکم ودرر الکلم، جلد پنجم، تہران، دفتر تبلیغات اسلامی۔

۸۔ مجلسی، محمد باقر (۱۴۰۳ق)، بحار الانوار، بیروت دار الاحیاء والتراث العربی۔

۹۔ مطہری، مرتضیٰ (۱۳۸۱)، بیست گفتار، مجموعۂ آثار، تہران، صدرا۔

۱۰۔ مطہری، مرتضیٰ (۱۳۷۸)، مجموعہ آثار، جلد بیست وپنجم، تہران، صدرا۔

۱۱۔ معین، محمد (۱۳۷۴)، فرہنگ فارسی معین، جلد اول، تہران، امیر کبیر۔

۱۲۔ سایٹ مقام معظم رہبری www.khamenei.ir

۱۳۔ سایٹ تحلیلی خبری، رجانیوز www.rajanews.com

اصحاب امام زمانہؑ میں عنصر بصیرت کا جائزہ

تالیف: محسنی رحیمی جعفری*
رحیم کارگر*
ترجمہ: مولانا شیخ ممتاز علی

خلاصہ

ملک کی سیاسی اور اجتماعی ادبیات میں ادھر کچھ دنوں سے ہماری دینی فکر میں " بصیرت " کی اہم بحث وارد ہوئی ہے۔ یہ بڑی عمیق بحث ہے۔ صحیح شناخت اور عمیق معرفت کا نام بصیرت ہے جس کے مختلف پہلو اور زاوئے ہیں۔

یوں تو امام زمانہ (عج) کے اصحاب کی ہر خصوصیت، تحقیق کا ایک الگ موضوع ہے یہاں اس حکومت اور پوری زمین پر عدالت کی وسعت کے سلسلہ میں امام زمانہ (عج) کی تحریک کا بیان مقصود ہے جس کا تحقق رہبر الٰہی کے علاوہ ان کے اصحاب کی خصوصیت سے بھی مربوط ہے اور وہ خصوصیت امام زمانہ (عج) کے اصحاب کی بصیرت ہے۔ بعثت انبیاء اور اہل بیتؑ کی الٰہی عالمی حکومت کا فلسفہ بھی یہی تھا جو خاص اطراف والوں کی عدم بصیرت کی بناپر پورا نہ ہو سکا اس مقالہ میں آیات وروایات کی روشنی میں عنصر بصیرت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے اصحاب امام مہدیؑ سے متعلق اعتقادی سیاسی اجتماعی اور عملی پہلوؤں کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کلیدی الفاظ۔ بصیرت، اعتقادی بصیرت، عملی بصیرت، سیاسی بصیرت، اجتماعی بصیرت۔

مقدمہ

حضرت امام مہدیؑ کے عالمی انقلاب کے لئے ایسے اصحاب ہوں گے جو اس الٰہی انقلاب کی خدمت میں مکمل طور پر منہمک نظر آئیں گے، یہ نمایاں خصوصیت اور بے نظیر اوصاف کے حامل ہوں گے جو ان خصوصیات اور لیاقت کی بناپر عالمی انقلاب برپا کرنے میں معاون ہوں گے۔

---

* دانش آموختہ، سطح ۳، مرکز تخصص مہدویت Rahimi.mohsen@gmail.com
* عضو ھیأت علمی، پژوہشگاہ علوم وفرہنگ اسلامی noorbaran313@gmail.com

بہت ساری آیتوں اور روایتوں میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے اصحاب کی خصوصیتں موجود ہیں اگر ان کا تجزیہ کیاجائے تو ایک مقالہ کے حجم سے کہیں زیادہ ہو جائے گا اس وجہ سے میں نے ان کی ایک اہم خصوصیت یعنی " بصیرت " کو مختصر طور پر منتخب کیا ہے ان کے حقیقی اصحاب کی یہ اندرونی خصوصیت ہے جس کی روشنی میں وہ راہ حق کی صحیح معرفت کے ساتھ حضرت کے ہمراہ تمام سختیوں اور آفتوں میں بھی بے لوث نظر آئیں گے۔

حضرت کے ظہور کا زمانہ پاکیزہ اور معقول انسانی زندگی کا زمانہ ہے جب افراد معاشرہ پر عقل وبصیرت حاکم ہوگی، اچھی زیست اور حصول کمال کا ایک ایسا زمانہ ہوگا جو کم نظیر عہد ہے۔ اس زمانہ میں انسانی عقل کی تمام گنجائش اور صلاحتیں کھل کے سامنے آجائیں گی۔ عقل وبصیرت معرفت کے ساتھ ایک نئی زندگی کے دریچے ان کے سامنے کھلے ہوں گے جیسا کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"لولم يبق من الدنيا الا يوم واحد لطول الله ذالك اليوم حتی يخرج رجلا منی فيملأها عدلا وقسطا كما ملئت جوراًو ظلماً "۔ اگر دنیا کی زندگی کا ایک دن بھی باقی ہوگا تو اللہ اس دن کو اتنا طولانی کرے گا کہ ہم میں سے ایک شخص ظہور کرے اور زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دے جس طرح یہ زمین ظلم وجور سے بھری ہوگی (شیخ صدوق، جلد ۴ ، ص ۱۷۷)

خدا کا یہ وعدہ بابصیرت اصحاب کے ذریعہ پورا ہوگا جو اپنے امام کی اطاعت سے سر مو مخالفت نہیں کریں گے اگرچہ دینی ودنیوی معرفتی مشکلات ہوں گی اور آس پاس کے لوگوں کے وسوسوں کی تیز وتند آندھی ہر طرف چل رہی ہوگی مگر پھر بھی ان کے پائے اطاعت میں لغزش نہیں آئیگی اور ان کے فولادی اعتقاد کے سایہ میں دنیا کی ہر شئے عدالت کے شہد کا مزہ چکھے گی۔ بصیرت کے موضوع پر اگرچہ بہت سے مقالے چھپ چکے ہیں اور بہت سی باتیں کی جاچکی ہیں لیکن بصیرت اصحاب امام عصر(عج) کے موضوع پر مقالات کی کمی ہے یہ مقالہ اس نکتہ کو اپنے دامن میں پیش کرتا ہے اور اس سلسلہ میں اس کے اندر تجزیہ پیش کیاجائے گا۔

دینی معارف اور بصیرت

مطالب کو اچھی طرح سمجھنے اور بحث کو مکمل کرنے کے لئے پہلے " بصیرت " کے لغوی اور اصطلاحی معنی کا بیان ضروری ہے۔

لغت میں " بصیرت " دانائی، بینائی، بینائی قلب، ہوشیاری، زیر کی اور یقین کے معنی میں ہے (معین، بی تا، جلد ۱ ، ص ۵۴۶) بعض افراد بصیرت کے اصطلاحی معنی کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

بصیرت وہ قلبی قوت اور باطنی طاقت ہے جو نور قدس سے روشن ہوتی ہے اور اس روشنی میں صاحب بصیرت حقائق اور اشیاء کے باطن کو درک کرلیتا ہے۔ نفس کے لئے بصیرت اس طرح ہے جس طرح جسم کے لئے آنکھ ہے۔ (گروہ محققین، جلد ۳، ص ۲۷۱)

اس وجہ سے بصیرت انسان کی حیرت، تشویش اور تردید سے رہائی عطا کرتی ہے اور ہر طرح کے شبہ کو دور کرتی ہے جیسا کہ صاحب منازل السائرین فرماتے ہیں: " البصیرة مایخلّصک من الحیرة" بصیرت وہ چیز ہے جو تمہیں حیرت سے رہائی دلاتی ہے۔ (شیخ الاسلامی، ۱۸۹)

امیر المومنینؑ کی تعبیر کے مطابق بصیرت یعنی حوادث کا صحیح اور دقیق مشاہدہ کرنا اور ان کے اندر تفکر اور تدبر سے کام لینا اور مسائل وحوادث کو تولنا۔ اس بناپر علمی اور عملی دونوں طرح کی آگاہی کو بصیرت کہتے ہیں بشرطیکہ نکتہ سنجی، درایت اور فہم کے ساتھ شامل ہو۔ حوادثات اور واقعات کی شناخت میں صحیح نظر، صحیح انتخاب اور معرفت کی بنیاد پر، بر محل اقدام ہی بصیرت ہے۔

پیغمبرؐ کو خطاب کرتے ہوئے قرآن مجید نے بندگی کی بنیاد اور اسلام کی قبولیت کو بصیرت سے تعبیر کیا ہے:

"قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة ومن اتبعنى" میرے رسول! امت سے کہدو کہ ہمارا اور ہمارے پیروکاروں کا طریقہ یہ ہے کہ خلق خدا کی طرف بینائی اور بصیرت کے ساتھ ہر دعوت دیتے ہیں (سورہ یوسف، ۱۰۸)

تاریخ میں انبیائے الٰہی اور اہل بیتؑ نے ہمیشہ بابصیرت انسان پیدا کئے ہیں ایک بینائی نہ رکھنے والا بابصیرت انسان، بینائی رکھنے والے بے بصیرت انسان سے زیادہ قابل قدر ہے کیونکہ امام ان کی آنکھوں کے سامنے تھے اور وہ انہیں دیکھ نہیں رہے تھے، ابو بصیر فرماتے ہیں کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا امام نے کہا کہ تم ذرا لوگوں سے پوچھو کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں؟ میں نے جس سے پوچھا کہ کیا تم نے ابو جعفرؑ کو دیکھا ہے لوگوں نے نفی میں جواب دیا، اسی وقت ابو ہارون داخل مسجد ہوئے جو نابینا تھے۔ امام نے فرمایا کہ ان سے پوچھو؟ میں نے ان سے پوچھا کہ تم ابو جعفر کو مسجد میں دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ کیا وہ تمہارے پہلو میں کھڑے نہیں ہیں؟ میں نے ان سے پوچھا کہ تم نے کیسے جانا؟ فوراً جواب دیا کہ میں کیوں کر نہ دیکھوں گا ان کا درخشندہ نور ساطع ہے۔ (مجلسی، ج ۴۶، ص ۲۴۳)

اس خصوصیت کو مزید بہتر انداز سے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ائمہ معصومینؑ کے اصحاب کا سلوک اور ان کا ثبات قدم اور ان کی عترت پاک کا ردعمل ملاحظہ کریں، چاہے یہ جائزہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔

پیغمبرؐ کے بعد جناب صدیقہ طاہرہ حضرت زہرا (س) نے مسجد پیغمبرؐ میں امام وقت کے دفاع میں جو فرمایا ہم اس کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں آپ فرماتی ہیں:

"یا معشر البقیہ یاعماد الملۃ وحَصَنَۃَ الاسلام ماھذہ الفترۃ فی حقی والسنۃ عن ظلامتی۔۔۔؟ اے پیغمبرؐ کے زمانہ کی یادگار اور ملت کے ستون اور اسلام کا قلعہ کہے جانے والو! ہمارے حق میں یہ کیسی فترت ہے اور میرے اوپر یہ کیسا ستم اور یہ کیسی غفلت ہے۔ (اربلی، ج۱، ۴۸۹)

حالانکہ مسلمانوں نے حضرت زہراؑ کی دعوت کا مثبت جواب نہیں دیا اس کے مقابل میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ صرف اعلان ظہور کے ساتھ تمام خطرات اور امام زمانہ کے تنہا ہونے کے باوجود ان کے خاص اصحاب (۳۱۳ افراد) بہت ہی کم وقت میں اپنے آپ کو ان تک پہونچا کر بیعت اور کامل اطاعت کا اعلان کریں گے (عاملی، ج۵، ص۱۴۶) یہ وہی بصیرت ہوگی جس کے بارے میں یہ مقالہ لکھا جارہا ہے۔

اسی طرح امیر المومنینؑ اپنی تقریروں میں متعدد بار مختلف الفاظ میں وہ مطالب بیان کرتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے اصحاب میں بھی بے بصیرت افراد موجود تھے جب آپ ان کی بے بصیرتی دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں:

اے مردوں کی شبیہ نظر آنے والو! حالانکہ تم مرد نہیں ہو (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۷) البتہ کچھ بابصیرت افراد ہمیشہ موجود رہے ہیں اور ان میں بھی امام عصر (عج) کے اصحاب جیسی بصیرت موجود تھی جسے امام نے دوسری جگہ بیان فرمایا:

" این اخوانی الذین رکبوا الطریق ومضوا علی الحق این عمار[1] ،واین ابن التیھا ن[2] واین ذوالشھادتین، واین نظراؤھم من اخوانھم الذین تعاقدوا علی المنیہ وابرد بروسھم الی الفجرۃ (قال ثم ضرب بیدہ (الی) علی لحیتہ الشریفۃ الکریمۃ فاطال البکاء)[3] ہمارے وہ بھائی کہاں ہیں جو صحیح راستہ پر قدم رنجہ تھے اور راہ حق میں آگے بڑھ گئے؟ کہاں ہیں عمار؟ کہاں ہیں ابن التیہان؟ ذوالشھادتین کہاں ہیں؟ ان جیسے افراد کہاں ہیں جنہوں نے اپنے بھائیوں کے لئے جان کی بازی کا عہد لیا تھا اور ستمگروں کے لئے اپنے سروں کو بھیجا تھا (کہتے ہیں پھر آپ نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور دیر تک روتے رہے)

۱۔ عمار، یاسر کے فرزند اور اسلام کے ابتدائی زمانہ کے مسلمان تھے تمام جنگوں میں رسول خداؐ اور امیر المومنینؑ کے ساتھ تھے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

۲۔ مالک بن تیہان بڑے صحابی ہیں جنگ بدر میں شریک تھے اور صفین میں شہید ہوئے۔

۳۔ خزیمہ بن ثابت انصاری کو پیغمبر اکرمؐ نے " ذوالشھادتین " کا لقب دیا تھا اور وہ تنہا دو گواہ کی جگہ شمار کئے جاتے تھے۔

جناب مالک اشتر امیر المومنینؑ کی خدمت میں پہونچے تو آپ نے فرمایا: " ماالذی ادخلک علیّ فی هذا الساعة یا مالک؟ فقلت: خیراً یاامیرالمومنین، وشوقی الیک فقال: صدقت واللہ یا مالک" رات کے وقت میرے پاس آنے کے لئے تمہیں کس چیز نے آمادہ کیا؟ مالک نے جواب دیا: سعادت، شوق اور آپ کی محبت ہمیں آپ کے پاس کھینچ لائی۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم اے مالک! تم نے سچ کہا۔ دیلمی، جلد ۲، ص ۱۲۷)

مالک کی شہادت پر حضرت علیؑ نے فرمایا:

"مالک وما مالک لو کان جبلا لکان فندا ولو کانَ حجراً لکان صلداً "۔ خدا کی قسم اگر وہ پہاڑ تھے تو بلند پہاڑ تھے اور اگر وہ پتھر تھے تو بہت سخت اور مضبوط پتھر تھے۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۴۴۳)

امام زمانہ (عج) کے اصحاب سے ان مختصر اصحاب کی شباہت ان روایتوں کی بناپر ہے جو ظہور کے زمانہ میں رجعت فرمائیں گے۔[1]

شہید مطہری اصحاب امام حسینؑ کی بصیرت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

" روشن خیالی کا کیا مطلب ہے؟ یعنی امام حسین علیہ السلام اس وقت خشت خام میں وہ چیز دیکھ رہے تھے جو دوسروں کو آئینہ میں بھی نظر نہیں آتی، (مطہری، جلد ۱، ص ۸۴)

تھوڑے غور وفکر سے اس بصیرت، عالمانہ اور دینی روشن خیالی کی اس گمشدہ کڑی کو تلاش کیا جاسکتا ہے جسے اہلبیتؑ خصوصاً اپنے اصحاب میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

لہٰذا ہم اس خصوصیت کو تلاش کریں گے جس کی بناپر امام زمانہ علیہ السلام کی تنہائی کے زمانہ میں وہ ولی خدا کے ساتھ ہوں گے وہ امام کے لئے صرف گریہ نہیں کریں گے سلمان ومقداد جس طرح حضرت فاطمہ زہرا کے لئے تھے اور مالک اشتر جیسے امیر المومنینؑ کے لئے تھے، وہ اپنے زمانہ کے امام کے لئے ویسے ہی ہوں گے۔

اصحاب امام زمانہؑ میں بصیرت کی جلوہ نمائی

بصیرت، روشن خیالی، حکیمانہ اور انسانی دانائی اور دور اندیشی ایک ایسے پر نور چراغ کی طرح ہیں جو شب تار میں انسان کا راستہ روشن کرتے ہیں، کمال اور انسانیت کے راستہ کو واضح کرتے ہیں جہالت وگمراہی

۱۔ کتاب "الشیعه والرجعة" مصنفہ آیت اللہ محمد رضا طبسی مرحوم، ج ۱، ص ۱۵۸ اس کتاب میں جناب سلمان فارسی، مقداد، مالک اشتر کی رجعت کی طرف اشارہ موجود ہے۔

اور فتنہ وفساد میں مبتلا ہونے سے بچاتے ہیں (کار گر،۲۸)زمانہ کے نمایاں اصحاب کی خصوصیت کے عنوان سے بصیرت پر مبنی روایتیں توجہ کا مرکز ہیں۔

چونکہ بصیرت ایک عام لفظ ہے لہٰذا اسے کسی ایک خصوصیت میں منحصر نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ امام زمانہ کے اصحاب میں اس کے بہت سارے پہلوؤں کی تحقیق ہونی چاہئے اس بناپر یہ کوشش کی گئی کہ روایات میں موجود اس کے مختلف پہلووں کی تحقیق ہو:

ا۔اعتقادی بصیرت

بصیرت کا بہترین پہلو، جذبۂ معرفت کا ہے، یعنی انسانیت، درست اور اصولی شناخت کی حامل ہو، اپنے امام کی رہبری میں کسی طرح کے شک وشبہ میں مبتلا نہ ہو اور راستہ کے موانع کو آسانی سے عبور کر جائے۔ حقیقی معرفت کے بغیر بصیر کی شخصیت ناقص ہے۔جیسا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے حسن بن عبداللہ سے فرمایا:

" ابو علی ! تمہارے اندر ایک بات ہے جسے میں پسند کرتا ہوں اور اس سے خوش ہوتا ہوں اور تمہارے اندر صرف ایک نقص ہے وہ یہ ہے کہ تم معرفت نہیں رکھتے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو" (کلینی، بی تا، ج ا، ص ۲۸۶)

صاحب بصیرت انسان میں خصوصیت منحصر بہ فرد ہوتی ہے لیکن جن پہلووں پر بحث ہوئی ہے کلی طور پر وہ پہلو ہر بابصیرت انسان میں موجود ہوتا ہے، اعمال کی الٰہی میزان میں بے بصیرت افراد کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے اسی وجہ سے خدا فرماتا ہے۔

"ومن يؤت الحكمة فقد أوتي خيرا كثيرا" جسے حکمت مل گئی اسے خیر کثیر مل گیا۔(سورہ بقرہ، آیت ۲۶۹)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

"حکمت" سے مراد معرفت اور بصیرت ہے۔ (عیاشی، ج ا، ص ۱۵۱)

ایک روایت کے مطابق امام جعفر صادقؑ نے بھی فرمایا: حکمت سے مراد، خدا کی اطاعت اور امام کی معرفت ہے۔ (کافی، بی تا، ج ا، ص ۱۸۵)

حضرت علی علیہ السلام، امام زمانہ، کے اصحاب کی شناخت کے ساتھ بصیرت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"رجال مومنون عرفوا الله حق معرفته وهم انصار المهدی فی اٰخر الزمان" وہ مومنین جنہوں نے خدا کو اس کے حق کی معرفت کے ساتھ پہچانا ہے وہ آخر زمانہ میں امام مہدیؑ کے انصار ہیں۔ (مجلسی، ج ۵۷ ، ص۲۲۹؛صافی گلپایگانی، ص۶۱۱) البتہ شناخت کے کئی مرحلے ہیں امام جعفر صادقؑ کے قول کے مطابق اس کا آغاز معرفت پروردگار سے ہوتا ہے۔

"اللهم عرفنی نفسک ، فانک ان لم تعرفنی نفسک لم اعرف نبیک۔۔۔" خدایا! مجھے اپنی معرفت عطا کر کیونکہ اگر خود اپنی معرفت نہیں عطا کرے گا تو میں تیرے نبی کی معرفت بھی نہیں حاصل کر سکوں گا۔۔۔ (کلینی بی تا، ج ۱، ص ۳۷۱)

اس دعا میں بیان ہوا ہے کہ خداوند عالم کی معرفت ، محمدؐ وآل محمدؐ کی معرفت کا دروازہ کھولتی ہے اور آنکھوں کی بینائی سے زیادہ اہم چشم دل کو بینائی عطا کرتی ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"ذهاب البصر خیر من عمی البصیرة" دل کے نابینا ہونے سے بہتر آنکھوں کا نابینا ہو جانا ہے۔ (تمیمی آمدی، ص ۴۱)

اس لئے کہ آنکھوں کے نہ ہونے سے انسان جابر بن عبد اللہ انصاری ہوتا ہے لیکن بصیرت معدوم ہو جانے کے بعد طلحہ وزبیر سے بہتر نہیں بن سکتا۔

۲۔ عملی بصیرت

عملی بصیرت کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب امام مہدی(عج) اپنے امام کی اطاعت و پیروی میں کوتاہی نہیں کریں گے، وہ مطیع وفرمانبردار اور مخلص ہوں گے۔

عمل، بابصیرت انسان کو مقصد تک لے جاتا ہے لہٰذا امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"العامل علی غیر بصیرة کالسائر علی غیر الطریق لایزیده سرعة السیر الابعدا" جو شخص آگاہی کے بغیر کوئی عمل انجام دیتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو غلط راستہ پر چل پڑا ہو۔ وہ جتنی تیزی سے چلے گا اتنی ہی تیزی سے منزل سے دور ہوتا جائے گا۔ (کافی، بی تا، ج ۱، ص ۴۳)

روایات کی بنیاد پر امام زمانہ (عج) کے اصحاب ، عملی بصیرت اور اطاعت کے اوج پر فائز ہوں گے یہاں دو پہلوؤں سے ان کا جائزہ لیا جائے گا:

الف: خدا کی اطاعت

عملی بصیرت کا پہلا قدم خدا کے احکام اور اوامر ونواہی کی اطاعت ہے، امام مہدی(عج) کے اصحاب اس منزل پر سب سے آگے ہوں گے، حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"فهم الذين وَحّدوا الله حق توحيده"، وہ خدا کی وحدانیت پر اس طرح اعتقاد رکھتے ہوں گے جو اعتقاد رکھنے کا حق ہے۔ (کامل سلیمان، ص ۲۲۴)

ایک دوسری حدیث میں پیغمبر اکرمؐ ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں "يجدون في طاعة الله" وہ خدا کی اطاعت میں (ہمہ تن) منہمک ہوں گے۔ (مجلسی، ج ۳۶، ص ۲۰۷)

ایسی اطاعت محض کی تائید اور اس کے ساتھ خدا کی رضامندی کا اشارہ قرآن میں موجود ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

"يا ايها الذين امنوا من يرتد منكم عن دينه فسوف ياتي الله بقوم يحبهم ويحبونه أذلة على المؤمنين أعزّة على الكافرين يجاهدون في سبيل الله ولا يخافون لومة لآئم ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله واسع عليم"۔اے ایمان والو! اگر تم سب اس دین سے پھر جاؤ (تو خدا کو کوئی نقصان نہیں پہونچے گا) وہ ایسی قوم لائے گا جسے وہ دوست رکھے گا اور وہ قوم خدا کو دوست رکھے گی مومنین کے سامنے وہ متواضع اور کافرین کے لئے سخت ہوں گے۔ وہ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اور کسی ملامت کرنے والے کا کوئی خوف ان کے دل میں نہ ہوگا، یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا اس کے لائق پاتا ہے اس پر اپنا فضل کرتا ہے۔ وہ وسیع اور دانا ہے۔ (سورہ مائدہ، آیت ۵۴)

حضرت علیؑ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"هم اصحاب القائم"۔ وہ امام قائم کے اصحاب ہیں۔ (صافی گلپائیگانی، ص ۴۷۵)

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اس آیت کی روشنی میں صاحب الامر (اپنے بہادر اور آگاہ اصحاب کی حمایت سے) محفوظ ہیں (بحرانی، ج ۱، ص ۴۹۷)

اصحاب حضرت مہدی (عج) خداوند عالم کی اطاعت کی بناپر محبوب خدا بھی ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ بھی نہیں ہیں۔

ب: صرف امام کی اطاعت

امام مہدیؑ کے اصحاب وہ ہیں جو دل وجان اور بصیرت وآگہی کے ساتھ اپنے امام کے تمام احکام کی پیروی کریں گے، عمل کے میدان میں وہ اپنے مکتب کے پابند رہیں گے یہ دراصل خداوند عالم کی اطاعت ہے۔

اگر محض خدا کی اطاعت سے بصیرت حاصل ہو جاتی تو تاریخ میں اماموں کے مد مقابل خوارج نظر نہیں آتے، امام کی اطاعت یعنی، پہلی خصوصیت (اطاعت خدا) کی درستگی کا نتیجہ ہے۔

اپنے محبوب کی اطاعت میں اصحاب امام زمانہ (عج) کے کردار کی چمک دمک امام جعفر صادق علیہ السلام نے کچھ اس طرح پیش کیا ہے:

رجال کأنّ قلوبھم زبرا لحدید لایشو بھاشک فی ذات اللہ اشد من الحجر، ھم اطوع لہ من الامۃ لسیّد ھا کالمصابیح کأنّ قلوبھم القنادیل۔ وہ ایسے افراد ہیں جن کے دل فولاد کی طرح مضبوط ہوں گے ان کے ایمان میں خدا اور اس کے وعدہ کے بارے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہوگا۔ ان کا یقین پہاڑ سے بھی زیادہ سخت اور مضبوط ہوگا کنیز جس طرح اپنے آقا کی فرمانبردار ہوتی ہے یہ اس سے بھی زیادہ اپنے مولا کے اطاعت گزار ہوں گے وہ چراغ کی طرح روشنی بکھیرنے والے ہوں گے ان کے دل پر نور قندیلوں جیسے ہوں گے۔ (مجلسی، جلد ۵۲، ۳۰۸)

اگر امام زمانہؑ کی ایسی اطاعت نہیں ہوگی تو پھر کوئی بھی تحریک پر ثمر نہیں بن سکتی۔ بعض بزرگوں کی اطاعت نے انقلاب اسلامی میں اہم کردار ادا کیا ان میں سے ایک مرزا جواد تہرانی تھے، آپ کا شمار مشہد کے بزرگ علماء میں تھا، امام خمینی فقہ واصول کے علاوہ عرفان وفلسفہ کے بھی استاد تھے لیکن آپ اس کے برعکس مکتب تفکیک کے حامی اور مخالف عرفان وفلسفہ ہونے کے باوجود بڑھاپے اور ناتوانی کی حالت میں بھی متعدد مواقع پر امام خمینی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے محاذ پر ڈٹ گئے ان کا خیال تھا کہ امام خمینی کی اطاعت واجب ہے حالانکہ علمی مباحث میں ان کی روش الگ تھی۔[1]

اصحاب امام زمانہ کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"طوبی لشیعۃ قائمنا المنتظرین لظھورہ فی غیبۃ والمطیعین لہ فی ظھورہ اولئک اولیاء اللہ الذین لاخوف علیھم ولاھم یحزنون"۔ خوشا بحال شعیان قائم جو غیبت کے زمانہ میں ان کے ظہور کے منتظر ہیں اور ظہور کے بعد ان کے فرمانبردار ہوں گے وہ اولیائے خدا ہیں نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم (شیخ صدوق، ج ۲، ص ۳۹)

ان کی مناجات اور نالۂ نیمہ شب کو امام جعفر صادق علیہ السلام، عرش والوں سے ان زمین والوں کے اتصال کا راز سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رجال لاینامون اللیل لھم دوی فی صلاتھم کدوی النحل یبیتون قیاما علی الطرافھم ویصبحون علی خیولھم رھبان باللیل لیوث بالنھار" یہ ایسے بزرگ افراد ہوں گے جو راتوں کو نہیں سوئیں گے نماز میں ان کے زمزمہ کی آواز یوں ابھرے گی جیسے شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز آتی

۱۔ اس شخصیت کے الٰہی جنبوں کی معرفت اور امام خمینی کی محبت جاننے کے لئے استاد رحیم پور ازغدی کی بحث تشیع انگلیسی، اسلام امریکائی کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ہے۔ یہ شب زندہ دار ہوں گے صبح کو اپنے مرکب پر سوار ہوں گے۔ یہ راہبان شب دن میں شیر کی مانند (حملہ آور) ہوں گے۔ (مجلسی، ج ۵۲، ۳۰۸)

روایات میں تشبیہیں بے نظیر ہیں بہترین اطاعت کی بہت بڑی مثال غلام کی اطاعت ہے جو آقا کے لئے ہوتی ہے امام صادق علیہ السلام کا رتبہ عبادت میں خود بہت بڑا رتبہ ہے پھر بھی آپ امام زمانہؑ کے اصحاب کی اطاعت کو آقا کے لئے غلام کی اطاعت سے بھی بڑی اطاعت سمجھتے ہیں یقیناً اطاعت کی یہ قسم خداوند عالم کی اطاعت کا پرتو ہے۔

۳۔ سیاسی بصیرت

سیاسی موضوعات کی شناخت اور صحیح راستہ کے انتخاب میں امام زمانہؑ کے اصحاب، بصیرت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوں گے، ان سے غلطیاں نہیں ہوں گی وہ فتنوں اور سیاسی پرآشوب حالات میں انحراف کا شکار نہیں ہوں گے۔

صاحبان قدرت اور دنیاپرستوں کا خوف اہل سیاست کے انحراف کی سب سے بڑی وجہ ہے حضرت امیر المومنینؑ، امام زمانہؑ کے اصحاب کو ان دونوں خصلتوں سے بری سمجھتے ہیں:

"یولف اللہ بین قلوبھم لایستوحشون من احد ولا یفرحون باحد یدخل فیھم" (خدا ان کے دلوں میں الفت و محبت ڈال دے گا اسی لئے نہ تو وہ کسی سے خوفزدہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان میں کوئی کسی کے آملنے سے خوش ہوتے ہیں)۔

تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اہل بیتؑ کے ماننے والے حتیٰ خواص بھی انحراف کا شکار ہوگئے اور اس کا سبب فتنے ہیں لیکن امام زمانہؑ کے اصحاب ان چیزوں سے پاک ہوں گے حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"إبّان ورودِ کل موعود ودنوٍّ من طلعة مالاتعرفون ألا وانّ من ادرکھا منا یسری فیھا بسراج منیر ویحذ و فیھا علی مثال الصالحین لیحل فیھا ربقاً ویعتق فیھا رقاو یصدع شَعباً ویشعب صدعا فی سترة عن الناس لایبصر القائف اثرہ ولو تابع نظرہ ثم لیشحذنَّ فیھا قوم شحذ القین النصل تجلی بالتنزیل ابصارھم ویرمی بالتفسیر فی مسامعھم ویعبقون کأس الحکمة بعد الصبوح"۔

آگاہ ہو جاؤ! ہم میں سے جس کا بھی آنے والے فتنوں کا سامنا ہو اسے روشن چراغ کے ساتھ قدم رکھنا چاہئے اسے نبی وامام کی سیرت پر عمل کرنا چاہئے تاکہ وہ گرہ کشائی کرسکے، غلاموں اور اسیروں کو آزاد کرسکے، گمراہ اور ظالم جماعتوں کو پراکندہ کرسکے ان کے قدم کے نشانات کو پہچانتا ہوا اگرچہ وہ اثر اور نشانیوں کو

پانے کے لئے بہت کوشش کرنی پڑے پھر ان میں سے ایک گروہ فتنوں کا سر کچلنے کے لئے آمادہ ہوگا ان کی آنکھوں میں تفسیر قرآن کی تجلی ہوگی۔ صبح وشام حکمت کے جام پیتے ہوں گے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۰)

ملک کی فضا سے عدم آگہی اور دشمن کے حیلے اور منصوبوں سے ناواقفیت، بعض اصحاب کے بچھڑ جانے کی وجہ تھی، لیکن امام زمانہؑ کے اصحاب کی سیاسی بصیرت بہت زبردست ہوگی۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے:

"کانی باصحاب القائم ﷺ وقد احاطوا بما بین الخافقین، فلیس من شئ الا وھو مطیع لھم حتی سباع الارض وسباع الطیر یطلب رضاھم فی کل شئ حتی تفخر الارض علی الارض وتقول: مَرَّ بی الیوم رجل من اصحاب القائم (ع) گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ اصحاب قائمؑ مشرق ومغرب کی چیزوں پر احاطہ کر چکے ہیں لہٰذا دنیا کی ہر چیز اصحاب مہدی کی فرمانبردار ہوگی یہاں تک کہ ہوا اور زمین کے درندے ان کی رضا کے طالب ہوں گے اس انداز سے کہ زمین کا ایک حصہ دوسرے پر فخر کرے گا اور کہے گا کہ قائمؑ کے اصحاب میں سے ایک شخص کا گزر آج یہاں سے ہوا تھا۔ (ابن بابویہ، ص ۱۳۱)

ایک بار امام جعفر صادق علیہ السلام کوفہ سے مدینہ تشریف لے جارہے تھے آپ کو رخصت کرنے کے لئے ابراہیم ادھم وابن نوری جیسے افراد اور دوسرے بزرگ علماء اور شخصیتیں موجود تھیں یہ سب لوگ امام سے آگے چل رہے تھے ناگاہ ایک شیر نے ان کا راستہ روک لیا۔ ابراہیم ادھم نے کہا کہ رک جاؤ تاکہ امام پہونچ کر اس کی حرکت ملاحظہ فرمالیں، جب امام تشریف لائے تو لوگوں نے آپ سے شیر کے راستہ روکنے کا تذکرہ کیا آپ نے اس کا کان پکڑ کر اسے راستہ سے ہٹادیا پھر آپ نے مجمع کی طرف رخ کرکے کہا: جو خدا کی بندگی کا حق ہے اگر لوگ اس طرح بندگی کریں تو اپنا سامان ایسے جانور پر لاد کر لے جاسکتے ہیں۔ (خسروی، جلد ۱، ص ۴۶)

شیعوں کو ہمیشہ ایسی بصیرت حاصل رہی اور شیعہ معاشرہ اسی بناپر طلاطم خیز طوفان سے نجات پاتا رہا۔ عالمی انقلاب سے پہلے بھی اور ظہور کے زمانہ میں بھی یہی بصیرت راہ گشائی کا ذریعہ بنے گی اور اسی کی بناپر امام زمانہؑ کے اصحاب خطرات اور انحرافات سے محفوظ رہیں گے۔

۴۔ اجتماعی بصیرت

جو افراد معاشرہ میں کچھ کرنا چاہتے ہیں انہیں خانہ نشینی کی زندگی نہیں گزارنی چاہئے ان کے اندر اجتماعی بصیرت کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ انسان کے اندر حق کو باطل سے جدا کرنے کی صلاحیت کا ہونا لازمی ہے۔ شبہات کے سامنے اپنا سر خم نہ کریں انہیں اس نکتہ سے بھی آگاہ رہنا ضروری ہے کہ باطل کبھی

بھی نقاب کے بغیر سامنے نہیں آتا۔ معمولاً وہ اپنے چہرہ پر حق کی نقاب ڈال کر آتا ہے حق کی شکل بنا کر گھل مل جاتا ہے پھر لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ایسے موقع پر دشمنوں اور ان کے چیلوں سے رہائی کا واحد راستہ بصیرت اور ان کے منحوس مقاصد سے واقفیت ہے۔ ایسے موقع پر ہمیں اپنی بصیرت کو قوت پہونچانے کی ضرورت ہے تاکہ دشمن کے اسلحوں کو پہچان کر ان سے مقابلہ کی ہم تیاری کریں۔[۱]

جب معاشرہ میں غفلت اور حیرانی چھائی ہو اس وقت تحریک اور اجتماعی موقف میں بصیرت کی اور زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ قدریں الٹ جائیں گی، غبار آلود فضا ہوگی، عوام وخواص کو خواب غفلت میں مبتلا کر دینے والا ماحول ہوگا امام مہدیؑ کے ظہور کے زمانہ میں اس طرح کی باتیں بہت واضح ہوں گی۔

ظہور کے سلسلہ کے ایک بیان میں حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں "---یخرج علی حین غفلة من النّاس"۔ حضرت مہدیؑ اس وقت قیام فرمائیں گے جب لوگوں کو غفلت نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہوگا۔ (جماعت مصنفین، جلد ۴، ص۵۱)

روایت میں دو طرح کی غفلتوں کا تذکرہ ہے۔ ایک تو امور زندگی میں بہت زیادہ منہمک ہو کر ظہور سے غفلت، دوسرے امام زمانہؑ کے آنے کی آمادگی اور اطاعت سے غفلت، جو بصیرت کو اپنا نشانہ بنائے گی۔ شیاطین کے اس حملے میں بصیرت کا اسلحہ لیکر چلنا ضروری ہے اس روش کے لئے خود امیر المومنین فرماتے ہیں:

"الا وان الشیطان قد جمع حزبه واستجلب خیله ورجله وانّ معی لبصیرتی مالبّست علی نفسی ولا لُبس علیّ وأیم الله لأفرطن حوضاً أن أنا ماتحه لایصدرون عنه ولایعودون الیه"۔آگاہ ہو جاؤ کہ شیطان نے اپنے پیادہ اور سواروں کو تم پر حملہ کے لئے آمادہ کر لیا اور بے شک ایسے موقع پر میری بصیرت میرے ساتھ ہے ہم نے حق کو باطل کے لباس کے ساتھ اپنے جسم پر نہیں پہنا ہے اور نہ باطل کا لباس حق کے ساتھ میرے جسم پر پہنایا گیا ہے خدا کی قسم میں دین کے دشمنوں کے حوض پر حملہ کروں گا اور اس میں پانی بھرنے والا بھی میں ہی ہوں جو اس میں پیر ڈالے گا وہ باہر نہیں نکل سکتا اور جو باہر آجائے گا وہ پھر دوبارہ اس میں نہیں جائے گا (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰)

حضرت امیر المومنینؑ اصحاب مہدیؑ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ روز قدس کے موقع پر آقائے جواد آملی کے انٹرویو کا ایک حصہ

"قوم ۔۔۔ لم یمنّوا علی الله بالصبر ولم یستعظموا بذل انفسهم فی الحق، حتی اذا وافق وارد القضاء انقطاع مدة البلاء حملو ابصائر هم علی اسیافهم ودانوا لربهم بامر واعظهم" اصحاب مہدیؑ کا ایک دوسرا گروہ صبر (بردباری) کی بناپر وہ خداپر منت نہیں رکھتا وہ اپنی جان ہتھیلی پر لئے رہتاہے اور بزرگی کا احساس نہیں کرتا یہاں تک کہ خدا کے حکم سے آزمائش کا دور ختم ہو جائے وہ اپنی تلواروں پر اپنی بصیرت، ادراک وآگہی کو سوار رکھتے ہیں اور اپنے واعظ کے فرمان کے مطابق اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۰)

ایسے بابصیرت افراد شیطان کے حملہ کو غنیمت سمجھ کر ہوشیار ہو جاتے ہیں خداوند عالم ان کی توصیف بیان کرتا ہے:

"ان الذین اتقوا اذ مسّهم طائف من الشیطان تذکّروا فاذاهم مبصرون" جب شیطان کا کوئی وسوسہ اہل تقویٰ کے دل میں پیدا ہوتا ہے تو وہ اسی وقت خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں اور اسی وقت بصیرت اور بینائی حاصل کر لیتے ہیں۔

اجتماعی بصیرت کا ذکر روایات میں مختلف خصوصیات کا حامل ہے ان میں سے چند موارد کی طرف اس مقام پر اشارہ کیا جارہا ہے:

۱۔ اتحاد واتفاق

"یولّف الله بین قلوبهم لایستوحشون من احد ولا یفرحون باحد یدخل فیهم"۔ اللہ ان کے دلوں میں الفت پیدا کرتا ہے یہ نہ تو کسی طاقت سے خوف کھاتے ہیں اور نہ کسی فرد یا طاقت کے ان کے گروہ سے مل جانے کی بناپر خوش ہوتے ہیں اور نہ غرور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (حاکم نیشاپوری، جلد ۴، ص ۵۵۴)

امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک دوسرے مقام پر ایسے میل جول کا تذکرہ فرمایا ہے جو آج کے انسانوں کے لئے بہت تعجب خیز ہے اور تعجب کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب امام اپنے اصحاب سے اس طرح اتحاد واتفاق کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کے لئے بھی یہ بہت تعجب کی بات ہوتی ہے آپ فرماتے ہیں:

"اذا قام القائم جاءت المزاملة ویاتی الرجل الی کیس أخیه فیاخذ حاجته لایمنعه" ہر ضرورت مند شخص اپنے برادر ایمانی کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنی ضرورت کے بقدر (مال) لے لیگا اور اس کا بھائی اسے منع نہیں کرے گا (مجلسی، جلد ۵۳، ص ۳۸۲)

یہ اتحاد اس وقت قائم ہوگا جب وافر روایات کے مطابق آخر زمانہ میں لوگوں کے درمیان اختلاف اور دلوں کے درمیان دوری بڑھ چکی ہوگی۔

۲۔ شبہات کے مقابل میں بیداری

اجتماعی بصیرت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانہ میں شبہات کے مد مقابل بہت زیادہ بیداری ہوگی۔ درخشاں ماضی بھی جب مفید نہیں تھا اور معروف افراد بھی انحراف کا شکار تھے اس وقت بھی امام جعفر صادقؑ کے قول کے مطابق "العالم بزمانہ لا تھجم علیہ اللوابس"۔ اپنے زمانہ سے آگاہ عالم پر شبہات کا حملہ نہیں ہوتا۔ (حکیمی، جلد ۱، ص ۱۰۴)

امام زین العابدین علیہ السلام نے امام زمانہؑ کے اصحاب کا بیان اس طرح فرمایا:

" یا ابا خالد ان اھل زمان غیبتہ القائلین بامامتہ والمنتظرین لِظہورہ افضل من اھل کل زمان لان اللہ تبارک وتعالیٰ اعطاھم من العقول والافہام والمعرفۃ ماصارت بہ الغیبہ عند ھم بمنزلۃ المشاھدۃ وجعلھم فی ذالک الزمان بمنزلۃ المجاھدین بین یدی رسول اللہ بالسیف اولئک المخلصون حقا وشیعتنا صدقا والدعاۃ الی دین اللہ عزوجل سرّا وجھرا"۔

اے ابو خالد! جو اس غیبت کے زمانہ میں زندگی گزاریں گے اور ان کی امامت کے معتقد اور ان کے ظہور کے منتظر ہوں گے وہ ہر زمانہ کے لوگوں سے افضل ہوں گے کیونکہ خدا نے انہیں وہ عقل وخرد ومعرفت عطا کی ہوگی جس کی بنا پر غیبت کا زمانہ ان کے لئے حضور کا زمانہ ہوگا خدا نے انہیں رسولؐ کے زمانہ کے مجاہدین کی طرح قرار دے گا وہ ایسے ہوں گے جیسے پیغمبرؐ کے رکاب میں رہ کر شمشیر زنی کر رہے ہیں وہ مخلص واقعی اور حقیقی شیعہ ہیں وہ علی الاعلان اور مخفی طور پر لوگوں کو دین خدا کی دعوت دیں گے۔ (شیخ صدوق، ج ۱، ص ۲۲۰)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے افراد سے مزین معاشرہ ایک خاص امتیاز کا حامل معاشرہ ہوگا جس کے بارے میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"لم یسبقھم الاولون ولا یدرکھم الآخرون"۔ وہ لوگ لیاقت اور امتیاز میں بہت بلند مرتبہ پر فائز ہوں گے نہ گذشتہ نسلوں میں کوئی ان جیسا تھا اور نہ آئندہ نسلوں میں کوئی ان کے مرتبہ تک پہونچ سکتا ہے۔ (حاکم نیشاپوری، جلد ۴، ۵۵۴)

امیر المومنینؑ اپنے کلام میں معاشرہ کے بابصیرت انسان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اوصاف کے حامل میں سب سے نمایاں افراد حضرت مہدی (عج) کے خاص اصحاب ہوں گے۔

"انما البصیر من سمع فتفکر و ونظر فابصر وانتفع بالعبر، ثم سلک جددا واضحاً"۔ بابصیرت انسان وہ ہے جو سنتا ہے اور خوب غور کرتا ہے نظر ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے اور دنیا کے تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے پھر واضح راستہ پر چل پڑتا ہے (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۳)

یہ گہری اور عمیق نگاہ عطائے پروردگار ہے ان افراد کے لئے جو اپنے امام کے ساتھ باقی رہیں گے جس طرح حضرت ابوالفضل العباسؑ حضرت امام صادق علیہ السلام ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"کان عمنا العباس نافذ البصیرۃ"، ہمارے چچا عباس نافذ البصیرت تھے (ابی مخنف، بی تا، ص ۱۷۶)

ان ہی تیز بینی اور عمیق نگاہی سے خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا مغلوب ہے البتہ اگر یہی نگاہ مرعوب ہو جائے تو دنیا اسے نگل لیتی ہے صحیح ادراک کے لئے مولا علیؑ کے کلام گوہر بار سے مدد لینی چاہئے آپ فرماتے ہیں:

"ومن ابصر بھا بصّرتہ ومن ابصر الیھا اعمتہ" جو چشم بصیرت کے ساتھ دنیا دیکھے دنیا اسے حقیقت دکھاتی ہے اور آگاہی عطا کرتی ہے لیکن جس نے دنیا کی طرف نگاہ ڈالی یعنی دنیا پر اپنی نظر جمادی تو وہ اسے دل کا اندھا بنادیتی ہے۔

اس بنا پر جو شخص مختلف جہات میں بصیرت کا حامل ہوگا اور مکمل طور پر بیدار ہوگا وہ تمام نشیب وفراز میں اپنے امام زمانہؑ کے ساتھ ہوگا۔

۳۔ سادہ زندگی

امام مہدی (عج) کے اصحاب کی ایک خصوصیت سادہ زندگی ہے جو ظہور کی ترقی یافتہ دنیا میں سچے انسانوں کی علامت ہے، امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"کانی انظر الی القائم واصحابه فی نجف الکوفه کانّ علی رؤسهم الطیر قد فنیت ازوادُهم وخلقت ثیابهم قد اثر السجود بجباههم لیوث بالنهار ورهبان باللیل کان قلوبهم زبر الحدید یعطیٰ الرجل منهم قوة اربعین رجلا لایقتل احدا منهم الا کافر اومنافق وقد وصفهم الله تعالیٰ بالتوسم فی کتابه العزیز لقوله ان فی ذالک لآیات للمتوسّمین"۔ گویا میں نجف (کوفہ) میں اصحاب قائم کو دیکھ رہا ہوں اور ان کے سروں پر طائر بیٹھے ہیں۔ ان کا زاد راہ ختم ہو چکا ہے ان کے کپڑے پرانے ہوگئے ہیں، ان کی پیشانی پر سجدہ کا نشان ہے وہ دن کے شیر اور زاہدان شب زندہ دار ہیں۔ ان کے دل فولاد کی طرح مضبوط اور مستحکم ہیں۔ ان میں ہر ایک کے اندر چالیس افراد کی طاقت ہے ان میں جو کوئی قتل ہوگا وہ کافر یا منافق کے ہاتھ قتل ہوگا۔

خدا نے اپنی کتاب عزیز میں انہیں اہل بصیرت کے عنوان سے یاد کیا ہے، جہاں یہ ارشاد فرماتا ہے کہ " اس (عذاب) میں اہل بصیرت کے لئے نشانیاں پنہاں ہیں۔ (مجلسی، ج ۵۲، ص ۳۸۶)

اس حصہ کی اہمیت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ جو افراد اپنے امام کو تلاش کر رہے ہیں وہ ان سے دوری اختیار نہ کریں اور متعدد خصوصیات میں امام کے ہم رنگ بن جائیں انبیائے الٰہی اور اہل بیتؑ کی ایک خصوصیت سادگی ہے اس سادگی کے سامنے حرص وہوس کے شیاطین اور دنیاپرست افراد، حرام دنیا کی خوبصورتی سے انہیں الٰہی راستہ سے ذرہ برابر بھی جدا نہ کرسکے نتیجتاً امام کے خاص اصحاب بھی اس خصوصیت کی روشنی میں دنیاوالوں کے انحراف سے محفوظ رہیں گے۔

۴۔ صبر وشکیبائی

امام زمانہؑ کے اصحاب کی ایک خصوصیت صبر بھی ہے اس کا سرچشمہ بھی انسان کی بصیرت ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پیغمبر اکرمؐ کی زبان وحی سے اس خصوصیت کی خوبصورتی کو بیان کرتے ہیں:

سياتى قوم من بعدكم الرجل الواحد منهم له اجر خمسين منكم قالوا يا رسول الله نحن كنا معك ببدر وأحد وحنين ونزل فينا القرآن فقال انكم لو تحمّلوا لما حمّلوا لم تصبروا صبرهم"

تمہارے بعد ایک قوم ایسی آئے گی جن میں سے ایک کی جزاء تم جیسے پچاس انسانوں کے برابر ہوگی لوگوں نے کہا یا رسول اللہ، ہم تو بدر واحد وحنین میں آپ کے ساتھ جنگ میں شامل رہے ہمارے درمیان قرآن نازل ہوا! آپ نے فرمایا جو کچھ ان پر گزری اگر وہ تم پر بیتتی تو تم ان کی طرح صبر نہیں کرسکتے تھے۔ (شیخ طوسی، ۴۵۶؛ مجلسی، ج ۵۲، ص ۱۳۰)

نتیجہ

مذکورہ بالا جائزہ کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بصر سے آگے کی منزل بصیرت ہے جس کی روشنی میں ولی خدا کی صحیح اور عمیق معرفت حاصل ہوتی ہے اور ایک ایسی قلبی طاقت کا نام بصیرت ہے جو نور قدس سے روشن ہوتی ہے اس کا حامل واقعات اور فتنوں کی حقیقتوں اور باطنی پہلوؤں سے واقف ہو جاتا ہے۔ بصیرت کے بہت سے پہلو ہیں ان میں سے ایک "اعتقادی بصیرت" ہے جس کی روشنی میں امام زمانہؑ کے اصحاب خدا اور اپنے امام پر مکمل ایمان کے حامل ہوں گے۔

" عملی بصیرت" کے میدان میں روایات کی بنیاد پر امام زمانہؑ کے اصحاب ولی خدا کی اطاعت کا دامن کبھی نہ چھوڑیں گے۔

" سیاسی بصیرت " امام زمانہؑ کے اصحاب کی سیاسی بصیرت ایسی ہوگی کہ سیاسی موضوع اور مسائل کی شناخت میں کسی بھی سیاسی فتنہ اور آشوب میں وہ غلطی کا شکار نہ ہوں گے۔

" اجتماعی بصیرت " میں وہ اپنے زمانہؑ کے اجتماعی مسائل میں سب سے آگے نظر آئیں گے۔

کمال انسانیت کی منزل پر فائز اصحاب، حضرت مہدیؑ کی عالمی تحریک میں کامیابی کا باعث بنیں گے اور اسی وجہ سے دنیا کے سب سے اچھے انسان رجعت کے زمانہ میں ان سے ملحق ہوں گے۔ البتہ یہ بات مدنظر رہے کہ بصیرت کے کئی مراتب ہیں جس کا سب سے بلند مرتبہ ائمہ معصومینؑ کا حصہ ہے۔ یہ تحقیق اصل موضوع سے متعلق اس امید کے ساتھ پیش کی جارہی ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام کے اصحاب کی خصوصیت لکھنے والوں کے لئے یہ مقالہ فتح باب کا ذریعہ بن جائے۔

منابع وماخذ

قرآن کریم

نہج البلاغہ

۱۔ آمدی تمیمی، عبد الواحد (۱۴۰۷ق)، غرر الحکم، بیروت، موسۃ الاعلمی۔

۲۔ آیتی، نصرت اللہ (۱۳۸۱) یاوران مہدی، فصلنامہ علمی، تخصصی انتظار، شمارہ ۳، قسم، مرکز تخصصی مہدویت۔

۳۔ ابن بابویہ، علی (۱۴۰۴ق) الامامۃ والتبصرۃ من الحیرہ، قم، مدرسۃ الامام المہدی۔

۴۔ اربلی، علی بن عیسیٰ (۱۳۸۱ق)۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، مصح: رسولی محلاتی، تبریز، بنی ہاشمی۔

۵۔ ازدی، ابو مخنف (بی تا)، مقتل ابی مخنف، تحقیق: حسین الغفاری، قم، مطبعۃ العلمیہ۔

۶۔ بالادستیان، محمد امین ودیگران (۱۳۹۱)، نگین آفرینش، قم، بنیاد فرہنگی مہدی موعود (ع)۔

۷۔ بحرانی۔ سید ہاشم (۱۴۱۹)، البرہان فی تفسیر القرآن، بیروت، موسۃ الاعلمی للمطبوعات۔

۸۔ حاکم النیشاپوری، ابو عبد اللہ (۱۴۱۸ق)، المستدرک علی الصحیحین، بیروت، دار المعرفہ۔

۹۔ حر عاملی، محمد (۱۴۲۵ق)، اثباۃ الہداۃ بالنصوص والمعجزات، بیروت، اعلمی۔

۱۰۔ حکیمی، محمد رضا، محمد وعلی (۱۴۱۰ق)، الحیاۃ، تہران، دفتر نشر فرہنگی اسلامی۔

۱۱۔ خسروی، موسی (۱۳۸۶) پند تاریخ از سقیفہ تا نینوا، تہران، اسلامیہ۔

۱۲۔ دشتی، محمد، (بی تا)، نہج الحیاۃ، نہم، قم موسسہ تحقیقاتی امیر المومنینؑ۔

۱۳۔ دفتر تبلیغات، (۱۴۳۱ق)، رہ توشہ راہیان نور، قم، نشر رشید۔

۱۴۔ دیلمی، حسن (۱۴۱۲ق)، ارشاد القلوب، بی جا، انتشارات شریف رضی۔

۱۵۔ سلیمان، کامل، (۱۳۸۶)، یوم الخلاص، تہران، آفاق۔
۱۶۔ سلیمیان، خدامراد، (۱۳۸۵) درسنامہ مہدویت، قم، بنیاد فرہنگی مہدی موعودؑ۔
۱۷۔ سید رضی، (۱۳۸۶)، نہج البلاغہ، ترجمہ محمد دشتی، قم، انتشارات امیر المومنینؑ۔
۱۸۔ شیخ الاسلامی، علی (۱۳۸۳)، شرح منازل السائرین، تہران، دانشگاہ تہران۔
۱۹۔ صافی گلپایگانی، لطف اللہ، (۱۴۱۹ق) منتخب الاثر، قم، السیدۃ معصومۃ۔
۲۰۔ صدوق، ابو جعفر محمد بن علی، (۱۳۸۰)، کمال الدین وتمام النعمۃ، تصحیح: منصور پہلوان، تحقیق: علی اکبر غفاری، قم دار الحدیث۔
۲۱۔ طبسی، نجم الدین، (۱۳۸۶)، نشانہ ای از دولت موعودؑ، قم، بوستان کتاب۔
۲۲۔ طباطبائی، محمد حسین، (۱۳۷۴)، المیزان، مترجم: محمد باقر موسوی ہمدانی، قم، دفتر انتشارات اسلامی۔
۲۳۔ طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن، (۱۳۸۷)، الغیبۃ، ترجمہ و تحقیق: مجتبیٰ عزیزی، قم، مسجد مقدس جمکران۔
۲۴۔ عیاشی، محمد بن مسعود، (۱۳۸۰)، تفسیر عیاشی، تہران، المطبعۃ العلمیہ۔
۲۵۔ کارگر، رحیم، (۱۳۸۹)، تعلیم وتربیت در عصر ظہور، قم، بنیاد فرہنگی مہدی موعودؑ۔
۲۶۔ کلینی، محمد بن یعقوب، (بی تا)، اصول کافی، مترجم: سید جواد مصطفوی، تہران، اسلامی۔
۲۷۔ کلینی، محمد بن یعقوب، (بی تا) روضہ کافی، مترجم: سید ھاشم رسول محلاتی، تہران، اسلامی۔
۲۸۔ کمرہ ای، محمد باقر، (۱۳۷۳)، در کربلا چہ گذشت؟ ترجمہ: نفس المہموم، قم، اسوہ۔
۲۹۔ کورانی، علی و جمعی از نویسندگان، (۱۴۱۱ھ)، معجم احادیث الامام المہدی، قم موسّسۃ المعارف الاسلامیہ۔
۳۰۔ موسسہ انتشارات حکمت، (۱۳۹۰)، دایرۃ المعارف تشیع، تہران انتشارات حکمت۔
۳۱۔ مجلسی، محمد باقر، (۱۴۰۳ق)، بحار الانوار، بیروت، دار احیاء التراث العربی۔
۳۲۔ مطہری، مرتضیٰ، (۱۳۶۸)، حماسہ حسینی، قم، انتشارات صدرا۔
۳۳۔ معین، محمد، (بی تا)، فرہنگ فارسی معین، تہران، انتشارات امیر کبیر۔
۳۴۔ مفید، محمد، (۱۴۱۴ھ) الارشاد، تحقیق: مؤسسہ آل البیتؑ بیروت، دار المفید للطباعۃ والنشر والتوزیع۔
۳۵۔ مکارم شیرازی، ناصر، (۱۳۸۰)، تفسیر نمونہ، جمعی از نویسندگان، قم، دار الکتب الاسلامیہ۔

امام سجادؑ کے قول و فعل میں بصیرت کے جلوے

تالیف: علی رضا زنگوئی

ترجمہ: منہال حسین

تقدیر الٰہی نے ۳۸ھ میں اپنی خلقت کے شاہکار کو لباس ظہور عطا کیا اور ربانی صفات کی تجلی کو ایک عظیم شخصیت میں جلوہ گر کیا، مدینۃ الرسول میں علیؑ و فاطمہؑ کی پاکیزہ نسل سے اس عالم میں قدم رنجہ ہوا، اس کی پیدائش سے شیعوں کی آنکھیں پرنور ہوئیں، مہربان باپ نے اس نومولود کا نام علیؑ رکھا تاکہ لوگوں کے اذہان میں اپنے بابا کی یاد کو زندہ و جاوید بناسکے، امام باقر علیہ السلام اپنے بابا کی تعریف و تمجید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "میرے بابا خدا کی کسی بھی نعمت کو یاد نہ کرتے مگر یہ کہ اس کی یاد کے ساتھ ہی خدا کے لئے سجدہ شکر بجا لاتے، کوئی بھی ناگوار اور ناپسند واقعہ رونما ہوتے ہی سر اقدس کو سجدے میں رکھ دیتے اور جب بھی دو لوگوں کے درمیان صلح اور دوستی برقرار کرتے تو ضرور سجدہ شکر بجا لاتے آپؑ کے پورے بدن سے سجدے کے آثار نمایاں تھے، اسی وجہ سے انہیں "سجاد" کہا جاتا ہے"۔ (علل الشرائع، شیخ صدوق، انتشارات مکتبۃ الداوری، ج۱، ص ۲۳۳)

امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی زندگی میں بے شمار رنج والم اور فتنہ و فساد دیکھے اور متعدد مفسدوں اور فتنہ گروں سے مقابلہ کیا، سب سے پہلے عالم طفلی میں مسجد کوفہ کے محراب میں ابن ملجم نے آپ کے جد محترم امیر المومنین علیہ السلام کے سر اقدس کو شگافتہ کرکے معصوم دل کو ایک عظیم مصیبت میں مبتلا کردیا، اس کے بعد دس سال تک چچا جان امام حسن علیہ السلام کے مصیبت بار دوران امامت کو دیکھا نوجوانی کے عالم میں چچا جان کے تیروں سے چھلنی تابوت اور جسم اطہر کو دیکھ کر جان لیوا غم واندوہ میں مبتلا ہوئے، امام سجاد علیہ السلام ایسے حالات اور شرائط میں کشتی ولایت کے ناخدا قرار پائے کہ دل پر غموں کے پہاڑ کا بوجھ اور قلب و روح نہایت دردناک لحظات کا تجربہ کررہے تھے، خاندان عصمت و طہارت کے شہسواروں، پابند عہد بھائیوں اور دوستوں کی مظلومانہ شہادت، برہنہ تلواروں اور خونخواروں کے سایہ میں یتیموں اور داغدار ماؤں کے آہ و نالے، یہ وہ تمام تلخ واقعات و حوادث ہیں جو دل معصومؑ کو برابر رنج دے رہے تھے۔

امام سجاد علیہ السلام نے تقریباً ۳۴ سال تک مسلمانوں کی رہبری اور امامت کی، دوران امامت کے بے شمار فتنوں کے درمیان لوگوں میں بصیرت کے فقدان کے پیش نظر نہایت سعی و کوشش کی تاکہ آسمان فکر سے جہل و نادانی کے تاریک بادلوں کو دور کرکے لوگوں کے وجود کو خورشید حقیقت سے منور کردیں۔ امام علیہ السلام نے امویوں کے مسموم پروپیگنڈوں کے بادل کو اس طرح چھانٹا کہ اندھی آنکھیں اور بہرے کان بھی حقیقت کو بخوبی دیکھ اور سن سکتے تھے، اس مقام پر ہمارا ارادہ یہ ہے کہ کربلا سے شہادت تک امام زین العابدینؑ کے بصیرت افروز کارناموں پر روشنی ڈالی جائے لیکن اس بحث کو پیش کرنے سے پہلے امام علیہ السلام کے دور میں سیاسی چالوں کا تجزیہ و موشگافی ضروری ہے۔

امام سجاد علیہ السلام کے دور میں سیاسی چالوں کی کچھ جھلکیاں

الف: اسلام کے حقیقی افکار کی تحریف اور جاہلی افکار کا رواج۔

ب: اہل بیت علیہم السلام کے خلاف امویوں کے پروپیگنڈوں کا کارگر ہونا اور لباس حقیقت پہن لینا۔

ج: شیعوں کی عظیم شخصیات کی شہادت، سیاسی اور اقتصادی محرومیت اور دھمکیوں کی وجہ سے شیعہ تنظیموں میں افراتفری۔

د: اسلامی فتوحات کے بعد جعلی حکمرانوں کا دنیوی غنائم اور نعمتوں میں غرق ہو جانا۔

ھ: اسلامی سماج میں بظاہر متدین افراد کا فتنوں کو ہوا دینا۔

و: لوگوں کی سیاسی و مذہبی جہالت اور بے دینی و اخلاقی برائیوں کا عام ہونا۔

ز: دوستوں اور حقیقی مجاہدوں کی کمی۔[۲]

ح: شیعوں پر حد سے زیادہ سختی۔

ط: حکومت کی جانب سے جعلی حدیثوں کو گڑھنے والے افراد کی زبردست حمایت۔

ی: حجاج اور عبد الملک بن مروان جیسے لوگوں کے ہاتھوں اسلامی قوانین اور اسلامی احکام کے ساتھ کھلواڑ کرنا۔

امام سجاد علیہ السلام کی امامت کا دور، نہایت سخت اور پرآشوب تھا۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "ارتد الناس بعد الحسین علیہ السلام الا ثلاثۃ؛ ابو خالد الکابلی، یحییٰ بن ام الطویل و جبیر بن مطعم" امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگ خاندان عصمت و طہارت سے دور اور مرتد ہوگئے، سوائے تین لوگوں: ابو خالد کابلی، یحیٰی بن ام الطویل اور جبیر بن مطعم کے"۔ (بحار الانوار، علامہ مجلسی، موسسہ الوفاء، بیروت، ۱۴۰۴ھ، ج ۴۶، ص ۱۴۴)

(امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: "مکہ اور مدینہ میں ایسے بیس لوگ بھی نہیں ہیں جو ہمیں چاہتے یا ہم سے محبت کرتے ہوں"۔ (سابق حوالہ، ص ۱۴۳)

امام سجاد علیہ السلام کی گرانقدر عمر کا زیادہ تر حصہ عبد الملک بن مروان کے اکیس سالہ دور حکومت میں گزرا، عبد الملک بن مروان تخت خلافت پر بیٹھنے سے پہلے مدینہ کے فقہاء میں سے تھا، اسے زاہد، عابد اور دیندار جانا جاتا تھا وہ اپنا زیادہ تر وقت مسجد میں گزارتا تھا، اسی وجہ سے اسے "حمامة المسجد" مسجد کا کبوتر کہا جاتا تھا۔ (سیرہ پیشوایان، مہدی پیشوائی، منقول از: تاریخ تمدن اسلام، ترجمۂ علی جواہر کلام، امیر کبیر، تہران، ج ۴، ص ۱۰۰)

اس کے باپ مروان کی موت کے بعد جب اسے خلیفہ ہونے کی خبر دی گئی تو اس وقت وہ قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھا، یہ خبر سن کر اس نے قرآن کو بند کیا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا: "اس کے بعد مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہوئی، اب ہماری ملاقات ہرگز نہیں ہونے والی ہے"۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے خلیفہ کے سامنے گفتگو کرنے سے منع کیا اور امر بالمعروف و نہی از منکر سے روکا۔ (سابق حوالہ، منقول از الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، دار صادر، بیروت، ۱۳۹۹ ھ، ج ۴، ص ۵۲۰)

مشہور مورخ اور تاریخ داں مسعودی کہتے ہیں: "عبد الملک بن مروان ایک خونخوار شخص تھا اس کے والی جیسے کہ حجاج عراق کا گورنر، مہلب خراسان کا گورنر، ہشام ابن اسماعیل مدینہ کا گورنر تھا جو اسی کی طرح نہایت خونخوار اور ظالم وجابر تھے"۔ (سابق حوالہ، منقول از مروج الذہب و معادن الجواہر، مسعودی، دار الاندلس، بیروت، ج ۳، ص ۹۱)

مذکورہ تمام گورنروں کے درمیان حجاج سفاکی اور خون بہانے میں نہایت مشہور تھا، اس ظالم نے مدینہ کے مشہور صحابہ جیسے جابر ابن عبد اللہ انصاری، انس بن مالک، سہل بن ساعدی جیسے لوگوں کو قتل کیا اور بعض لوگوں کو ذلیل وخوار کرنے کی غرض سے اس لئے لوہے کی سلاخوں سے داغ لگوایا کہ وہ لوگ قتل عثمان میں شریک تھے۔ (سابق حوالہ، منقول از الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج ۴، ص ۳۵۹)

جب حجاج نے مکہ اور مدینہ والوں کو اپنا مطیع بنالیا تو عبد الملک بن مروان نے اسے پورے عراق کا گورنر بنادیا، ایک دن وہ اپنا چہرہ چھپا کر ایک اجنبی کی طرح مسجد کوفہ پہنچا، لوگوں کی صفوں کو چیرتا ہوا منبر تک پہنچا اور اس پر بیٹھ کر کافی دیر تک ساکت رہا، جب ہر طرف سکوت چھا گیا تو اس نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا: اے کوفہ والو! میں ایسے سروں کو دیکھ رہا ہوں جن کے کاٹنے کا وقت آگیا ہے، انہیں تنوں سے جدا کرنا بہت ضروری ہے اور یہ کام میں انجام دوں گا اور ایسے خون کو دیکھ رہا ہوں جو داڑھی اور عماموں کے درمیان موجزن ہیں"۔ (سابق حوالہ، ص ۳۷۵)

مسعودی لکھتے ہیں: " حجاج نے بیس سال حکومت کی، اس مدت میں جو لوگ اس کی تلوار سے قتل ہوئے یا اس کے ظلم و ستم کے زیر سایہ مارے گئے ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے، قتل ہونے والوں کی یہ وہ تعداد ہے جو اس کے سپاہیوں کے ہاتھوں جنگ وغیرہ میں نہیں مارے گئے بلکہ خود حجاج اور اس کے ظلم و ستم سے قتل ہوئے، حجاج کی موت کے بعد اس کے مشہور قید خانے میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں تھیں جن میں سے سولہ ہزار قیدی بے لباس اور عریاں تھے، حجاج زن و مرد میں چونکہ کوئی تفریق نہیں کرتا تھا اسی لئے سب کو ایک ہی قید خانہ میں قید کرتا تھا، اس کے قید خانہ پر کوئی چھت نہ تھی جس کی وجہ سے اس کی قید میں رہنے والے قیدی گرمی و سردی اور بارش سے ہر گز امان میں نہیں رہتے تھے۔ (سابق حوالہ، منقول از مروج الذہب و معادن الجواہر، مسعودی، دار الاندلس، بیروت، ج۳، ص۱۶۶و۱۶۷)

امام سجادؑ کے قول و فعل اور سیرت میں بصیرت افروز نمونے

امام سجاد علیہ السلام کے قول و فعل اور سیرت کے بارے میں مطالعہ کرنے کے بعد آپؑ کی زندگی کے بصیرت افروز نمونے قابل مشاہدہ ہیں جو اجاگر اور بیدار کرنے والی رسالت، عالمانہ سرزنش، حکیمانہ مواعظ اور بیانات، کریمانہ خلق و خو، پوشیدہ حمایت، عارفانہ عبادت، مجاہدانہ تربیت اور مضبوط موقف سے وجود میں آئے ہیں۔

۱۔ بیدار کرنے والی رسالت

الف: اہلبیتؑ کا تعارف

جب اہل حرم کو اسیر بنا کر شام لے جایا جارہا تھا تو راستے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا: خدا کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو قتل کیا اور تتر بتر کردیا، لوگوں کو تم سے امان میں رکھا اور امیر المومنین یزید کو تم پر کامیابی عنایت کی۔

امام سجاد علیہ السلام یہ سن کر خاموش رہے یہاں تک کہ اس نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی جب وہ اپنی بات کہہ چکا تو امامؑ نے اس سے سوال کیا کہ کیا تم نے قرآن کی تلاوت کی ہے؟ مرد شامی نے جواب دیا: ہاں تلاوت کی ہے، فرمایا: آیہ " قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ " (سورہ شوریٰ، آیت ۲۳) کی بھی تلاوت کی ہے ؟ مرد شامی نے جواب دیا: ہاں تلاوت کی ہے، فرمایا: آیت " و آت ذا القربی حقہ۔۔۔" (سورہ اسرا، آیت ۲۶) کی بھی تلاوت کی ہے؟ مرد شامی نے جواب دیا: ہاں اس آیت کی بھی

تلاوت کی ہے، فرمایا: کیا اس آیت " انّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا" (سورہ احزاب، آیت ۳۳) کی تلاوت کی ہے؟ مرد شامی نے جواب دیا: ہاں تلاوت کی ہے۔

تو امامؑ نے فرمایا: اے شیخ! جان لے کہ یہ تمام آیتیں ہماری شان میں نازل ہوئی ہیں اسلئے کہ ہم ہی ذوی القربی ہیں، ہم ہی طیب و طاہر اور مطہر اہل بیتؑ ہیں جو ہر قسم کی برائیوں اور گندگیوں سے منزہ ہیں، یہ سن کر وہ شیخ سمجھ گیا کہ ابھی تک جو کچھ اس سے اسیروں کے سلسلہ میں بیان کیا گیا تھا وہ سب جھوٹ اور غلط ہے، انہوں نے ہر گز خروج نہیں کیا بلکہ یہ رسول الله ﷺ کی اولاد ہیں وہ اپنی بے ادبی پر بہت نادم و پشیمان ہوا اور کہنے لگا کہ خدایا! میرے دل میں ان کے متعلق جو بھی بغض و عداوت تھی، اس سے توبہ کرتا ہوں اور ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرتا ہوں۔ (بحار الانوار، الجامعۃ لدرر اخبار الائمہ الاطہار، علامہ مجلسی، ج ۴۵، ص ۱۵۶)

عاشور کی زندگی کے درخشاں ترین لحظات میں اسیری کا زمانہ ہے جس میں آپؑ نے حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اور اپنے اقدام سے اہل بیتؑ کی یاد کو دلوں میں ہمیشہ کے لئے جاوداں کردیا، امام سجاد علیہ السلام کا مسجد اموی میں فراز منبر پر خطبہ دینا؛ جب لوگوں نے یزید سے اصرار کرکے اجازت مانگی کہ امام سجاد علیہ السلام منبر پر تشریف فرما ہوں اور خطبہ پڑھیں تو اس نے اجازت دی، آپؑ منبر پر تشریف لے گئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

" ایها الناس اعطینا ستا و فضلنا بسبع؛ اعطینا العلم والحلم والسماحة والفصاحة والشجاعة والمحبة فی قلوب المومنین و فضلنا بان النبی المختار محمداً و منا الصدیق و منا الطیار و منا اسد الله و اسد رسوله و منا سبطا هذه الامة، من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی انبأته بحسبی و نسبی، ایها الناس! انا ابن مکة و منی، انا ابن زمزم والصفا۔۔۔" (سابق حوالہ ص، ۱۳۸) لوگو! خدا نے ہم اہلبیت (خاندان پیغمبرؐ) کو چھ چیزیں عنایت کی ہیں اور سات فضیلتوں کے ذریعہ ہمیں دوسروں پر برتری عنایت کی ہے؛ خدا نے ہم کو علم، حلم، بزرگی، فصاحت، شجاعت اور مومنین کے دلوں میں محبت عنایت کی ہے اور ہماری سات فضیلتیں یہ ہیں؛ خدا کا برگزیدہ پیغمبرؐ ہم سے ہے، اس امت کے صدیق (امیر المومنین علی علیہ السلام) ہم سے ہیں، جعفر طیار ہم سے ہیں، خدا کا شیر اور اس کے رسولؐ کا شیر (سید الشہداء جناب حمزہ) ہم سے ہیں اور اس امت کے دو سبط (جناب امام حسن اور امام حسین علیہما السلام) ہم سے ہیں لوگو! تم میں سے جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ جان لے کہ میں مکہ و منیٰ کا بیٹا ہوں میں زمزم و صفا کا بیٹا ہوں۔۔۔"

اس کے بعد امام سجاد علیہ السلام اپنے جد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی فضیلتوں کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں :

" انا ابن من حمل الرکن باطراف الرداء، انا ابن خیر من ائتزر و ارتدی، انا ابن خیر من انتعل واحتفی ، انا ابن خیر من طاف و سعی، انا ابن خیر من حج ولبی، انا ابن من حمل علی البراق فی الھواء، انا ابن من اسری بہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی، انا ابن من بلغ بہ جبرئیل الی سدرۃ المنتھی، انا ابن من "دنیٰ فتدلی فکان قاب قوسین أو ادنی"، انا ابن من صلی بملائکۃ السماء، انا ابن من اوحی الیہ الجلیل ما اوحی، انا ابن محمد المصطفیٰ" (حوالہ سابقہ، ص ۱۳۸)

میں اس کا فرزند ہوں جس نے حجر اسود کو گوشہ عبا سے اٹھایا، میں اس بہترین شخص کا بیٹا ہوں جس نے احرام باندھا، طواف کیا اور سعی انجام دی، میں بہترین شخص کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جسے شب معراج مسجد الحرام سے مسجد اقصی لے جایا گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جسے آسمانوں کی سیر کراتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جو اپنی ملکوتی سیر میں اس قدر حق سے نزدیک ہوا کہ مقام "قاب قوسین أو ادنی" کی منزل تک پہنچ گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی میں اس کا بیٹا ہوں جس پر خداوند عالم نے وحی نازل فرمائی، میں محمد مصطفیٰ کا بیٹا ہوں۔

اس کے بعد امام سجاد علیہ السلام امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے بحر فضائل میں سے چند قطروں کو بیان فرماتے ہیں :

"انا ابن علی المرتضیٰ، انا ابن من ضرب خراطیم الخلق حتی قالوا لا الہ الا اللہ، انا ابن من ضرب بین یدی رسول اللہ بسیفین و طعن برمحین و ھاجر الھجرتین و بایع البیعتین و قاتل ببدر و حنین و لم یکفر باللہ طرفۃ عین، انا ابن صالح المؤمنین وارث النبیین و قامع الملحدین و یعسوب المسلمین و نور المجاھدین و زین العابدین و تاج البکائین و أصبر الصابرین و أفضل القائمین من آل یاسین رسول رب العالمین، انا ابن المؤید بجبرئیل المنصور بمیکائیل، انا ابن المحامی عن حرم المسلمین و قاتل المارقین والناکثین و القاسطین والمجاھد اعدائہ الناصبین و افخر من مشی من قریش اجمعین و اول من اجاب استجاب للہ و لرسولہ من المؤمنین و أول السابقین و قاصم المعتدین و مبید المشرکین و۔۔۔" (سابق حوالہ، ص ۱۳۹)

میں علی مرتضیٰ کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے سرکشوں کی ناک خاک میں رگڑی یہاں تک کہ ان لوگوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیا، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ کے رکاب میں دو تلواروں اور نیزوں سے معرکہ آرائی کی، دو بار ہجرت کی اور دو بار بیعت کی اور بدر و حنین

میں کفار سے پیکار کی اور چشم زدن کے لئے بھی خدا سے کفر نہیں کیا، میں صالح المومنین کا بیٹا ہوں، انبیاء کے وارث کا بیٹا ہوں، میں مشرکوں کو قتل کرنے والے کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کے امیر، جہاد کو عام کرنے، عبادت گزاروں کی زینت اور گریہ کرنے والوں کے افتخار کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جو بردباروں کے درمیان سب سے زیادہ بردبار اور نماز گزاروں میں سب سے افضل اور رسول اللہ ﷺ کے اہلبیتؑ سے ہے، میں اس کا بیٹا ہوں جس کی حمایت جبرئیل اور میکائیل نے کی، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے مسلمانوں کے حریم کی حفاظت کی، مارقین، قاسطین اور ناکثین سے جنگ کی اور اپنے دشمنوں سے جہاد کیا، میں قریش کے بہترین فرد کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے مسلمانوں کے درمیان سب سے پہلے خدا اور پیغمبرؐ کی آواز پر لبیک کہا، میں اسلام وایمان میں سبقت کرنے والے سرکشوں کی کمر توڑ نے والے اور مشرکوں کو ختم کرنے والے کا بیٹا ہوں۔۔۔"

امام زین العابدین علیہ السلام نے رسالت و امامت کے شجرہ طیبہ کو پہچنوانے میں اس طرح فصاحت و بلاغت کے ساتھ تقریر کی کہ حاضرین کے نالہ وزاری کی آواز بلند ہو گئی، یہ دیکھ کر یزید کو خوف لاحق ہوا، فوراً موذن سے اذان دینے کیلئے کہا: موذن نے اذان کہنا شروع کردیا اور جب " أشهد أن محمدا رسول الله " پر پہنچا تو امام علیہ السلام نے فراز منبر سے یزید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یزید! تو یہ بتا کہ محمد ﷺ تیرے جدّ ہیں یا میرے جدّ ہیں؟ اگر تو یہ کہے کہ تیرے جدّ ہیں تو یقیناً تو جھوٹا ہے اور اگر یہ اقرار کرتا ہے کہ میرے جدّ ہیں تو پھر یہ بتا کہ تو نے کیوں ان کے بچوں (اہلبیت) کو قتل کیا؟ (سابق حوالہ، ص ۱۴۰)

اہل شام جو ابھی تک بنی امیہ کے زہریلے پروپگنڈوں کی وجہ سے غفلت کا شکار تھے، وہ امام علیہ السلام کے فصیح وبلیغ خطبہ کو سننے کے بعد پوری طرح حقیقت کو سمجھ گئے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کے ساتھ بنی امیہ نے کتنا بڑا دھوکہ روا رکھا ہے۔

ب: بہتے آنسو

امام سجاد علیہ السلام کا گریہ دلوں کو دہلا رہا تھا یہی وجہ ہے کہ سنگ دل افراد بھی منقلب ہو گئے، امامؑ نے اپنے اشکوں سے بنی امیہ کی ان کرتوتوں کو آشکار کردیا جو ہرگز ان کے سیاہ کارناموں سے مٹ نہیں سکتیں، بہت سے شامی جنہیں کربلا کے واقعہ سے متعلق کچھ معلومات تھیں وہ امام سجاد علیہ السلام کی نحیف آواز اور بہتے ہوئے اشکوں سے حقیقت کو گہرائی تک سمجھ گئے، امام سجاد علیہ السلام ذبح ہوتے ہوئے گوسفند، روتے ہوئے معصوم شیر خواروں اور کسی پیاسے انسان کو دیکھ کر زار و قطار کربلا کے

شہیدوں پر گریہ کرنے لگتے، یہ منظر اگر کوئی شیعہ دیکھتا تو امامؑ کے رنج والم کو دیکھ کر شمع امامت کا پروانہ بن کر طواف کرنے لگتا اور اگر شیعہ نہ ہوتا اور صرف ایک مسلمان ہوتا تو ذمہ داری کا احساس کرتا اس لئے کہ اتنے حوادث رونما ہونے کے باوجود مسلمانوں کے درمیان حدیث "إني تارک فيكم الثقلين كتاب الله و عترتي اهل بيتي و إنهما لن يفترقا حتى يردا عليّ الحوض" (امالی، طوسی، ص ۵۴۷) زبان زد تھی جس کی وجہ سے ہر مسلمان پیغمبر اکرم ﷺ کے خاندان کے متعلق امانتداری کا پورا خیال رکھتا اور اگر کوئی غیر مسلمان ہوتا تب بھی وہ واقعہ کربلا کے جانگداز ہونے کی وجہ سے مقام داوری وقضاوت میں حضرتؑ کے دشمنوں سے بیزاری کو اپنا فریضہ سمجھتا۔

امام سجاد علیہ السلام کربلا کے شہیدوں کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے مختلف مناسبتوں اور مواقع پر اپنے شہیدوں اور اعزاء واقارب کے لئے گریہ فرماتے، آنکھوں میں آنسو جمع ہو جاتے اور زار و قطار گریہ فرمانے لگتے اور جب کوئی سبب معلوم کرتا تو فرماتے: میں اپنے بابا اور عزیزوں کی شہادت پر کیوں نہ گریہ کروں ؟یزیدیوں نے بیابان کے درندوں کو پانی پینے دیا لیکن میرے بابا حسینؑ کو پیاسا رکھا اور اسی عالم میں شہید کر دیا، یا کبھی سائل کے جواب میں فرماتے: میرے رونے پر ملامت نہ کرو اس لئے کہ یعقوب ابن اسحاق علیہما السلام پیغمبر اور نبی زادے تھے اور خدا نے انہیں بارہ بیٹے بخشے تھے اور خدا نے ان میں سے صرف ایک کو معینہ مدت تک کے لئے نظروں سے دور کر دیا تو فراق یوسفؑ میں جناب یعقوبؑ اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بینائی چلی گئی، کمر خمیدہ ہو گئی اور سر کے بال سفید ہو گئے جب کہ یوسفؑ اس دنیا میں زندہ تھے لیکن میں نے خود اپنی آنکھوں سے اپنے بابا اور اکہتر عزیزوں کو مظلومانہ شہید ہوتے ہوئے دیکھا ہے تو کیونکر اس طرح گریہ نہ کروں اور کیونکر میرے آنسو تھم سکتے ہیں؟! (لہوف، سید ابن طاووس، ص ۳۸۰)

۲۔افشائے راز اور عالمانہ سرزنش

بنی امیہ نے اپنا منحوس چہرہ مکر و فریب اور ریا کے ذریعہ چھپا رکھا تھا، امام حسین علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت نے بنی امیہ کے منحوس چہرے سے کچھ حد تک پردہ اٹھایا لیکن امام سجاد علیہ السلام کی اسیری نے پوری طرح بنی امیہ کی شرافت کا پردہ فاش اور ان کے منافقانہ چہرے کو دنیا والوں کے سامنے پیش کر دیا، ہم اس مقام پر امامؑ کی عالمانہ سرزنش اور راز فاش کرنے کے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

الف: کوفہ کے پیمان شکنوں کی مذمت

امامؑ کوفیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

" ایّھا الناس ناشدتکم باللہ ھل تعلمون انکم کتبتم الی ابی و خدعتموہ و اعطیتموہ من انفسکم العھد والمیثاق والبیعۃ وقاتلتموہ وخذلتموہ فتبا لما قدمتم لانفسکم و سواہ لرایکم بایۃ عین تنظرون الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اذ یقول لکم قتلتم عترتی وانتھکتم حرمتی فلستم من امتی" (بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۱۲؛ اعیان الشیعہ، سید حسین بروجردی، ج۱، ص ۶۱۳؛ حیاۃ الامام زین العابدین، ص ۱۶۷، ۱۶۸؛ نفس المہموم، شیخ عباس قمی، ص ۲۱۷؛ اللھوف، سید بن طاوس، ص ۱۵۷، ۱۵۹، مقتل ابی مخنف؛ ص۹۹)

اے کوفیو! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں! بتاؤ کیوں تم نے میرے بابا کو خط لکھ کر بلایا اور پھر انہیں دھوکہ دیا، اپنے خطوط میں عہد و پیمان باندھا، بیعت کی اور پھر انہیں کے خلاف جنگ کے لئے آمادۂ پیکار ہوگئے اور ان کی مدد سے اپنے ہاتھ کھینچ لئے، تم پر وائے ہو! کہ تم نے آخرت کے لئے کتنی ہی بری چیز ذخیرہ کی ہے، کتنی ہی بری تدبیر کی، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا منھ لے کر جاؤگے اور جب تم لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیوں تم نے میری عترت کو قتل کیا اور ہتک حرمت کی؟" تو تم کیا جواب دوگے " تم میری امت سے نہیں ہو۔

امام سجاد علیہ السلام کے خطبے نے کوفیوں کے دلوں میں ایک انقلاب برپا کردیا، کوفیوں کے نالہ و شیون کی آواز بلند ہوئی اور سب ایک دوسرے کی ملامت کرنے لگے، اس کے بعد امامؑ نے اس نکتہ کی تاکید کی کہ ہماری سیرت بھی بالکل وہی سیرت ہونی چاہئے جو آنحضرت ﷺ کی تھی اس لئے کہ آپؐ کی سیرت نمونہ عمل ہے، امامؑ کی انقلابی باتوں اور مخلصانہ خطبہ کو سن کر ایک صدا ہوکے کہنے لگے: ہم آپؑ کے اطاعت گزار ہیں اور ہرگز آپؑ سے جدا نہیں ہوں گے اور جس سے جنگ کے لئے کہیں گے، اس سے جنگ کے لئے آمادہ ہوجائیں گے اور جس سے صلح کرنے کے لئے کہیں گے، صلح کرلیں گے، یزید کو قتل کردیں گے اور آپؑ پر ظلم کرنے والوں سے سخت بیزار ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام نے جوکہ کوفیوں کو اچھی طرح پہنچانتے تھے، ان کی باتوں کو سننے کے بعد فرمایا :

" ھیھات ھیھات أیھا الغدرۃ المکرۃ حیل بینکم وبین شھوات انفسکم أتریدون أن تاتوا الیّ کما أتیتم الی آبائی من قبل، کلّا ورب الراقصات فان الجرح لما یندمل، قتل ابی صلوات اللہ علیہ

بالامس و أهل بيته معه ولم ينسٰني ثكل رسول الله و ثكل ابى و بنى ابى و وجده بين لهاتى و مرارته بين حناجرى و حلقى و غصصه يجرى في فراش صدرى و مسألتى أن لا تكونوا لنا و لا علينا" (حوالہ سابق)

ہر گز نہیں! ہر گز نہیں! اے دھوکہ باز اور مکار قوم! اور شہوتوں کے غلام! کیا وہی سلوک میرے ساتھ بھی روا رکھنا چاہتے ہو جو سلوک میرے بابا کے ساتھ کیا تھا؟ ہر گز نہیں! خدا کی قسم! تم نے جو زخم وارد کئے ہیں وہ ابھی تک مندمل نہیں ہوئے ہیں اور ہمارا دل بابا اور آپؑ کے اعزاء و اصحاب کی شہادت سے داغدار ہے، غم واندوہ نے بے حال کر دیا ہے اور میرا غم کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے، بس میری تم لوگوں سے یہی خواہش ہے کہ تم نہ میرے ساتھ رہو اور نہ میرے خلاف رہو۔

ب: بعلبک کے لوگوں کی مذمت

اسیروں کا قافلہ جس شہر و دیار سے گزرتا تماشائیوں کی تحقیر آمیز ہنسی، مغموم و مجروح جسم و جان کو ہر چیز سے زیادہ آزار دینے والی تھی، بعلبک کے لوگ اپنے شہر سے چھ کیلومیٹر باہر آئے اور مقامی رسم و رواج کے مطابق انھوں نے جشن و سرور اور ہلڑ ہنگامہ مچانا شروع کر دیا، جب ان کی حرکتوں کو جناب ام کلثومؑ نے مشاہدہ کیا تو انہیں اس طرح بددعا دی: " أباد الله كثرتكم و سلّط عليكم من يقتلكم؛ (بحار الانوار، الجامعة لدرر اخبار الائمة الاطہار، علامہ مجلسی، ج ۴۵، ص۱۲۶) خدا تمہاری کثرت کو نابود کرے اور تم پر کسی ایسے کو مسلط کرے جو تم کو قتل کرے۔ آپؑ کے رخسار پر آنسوؤں کے قطرات جاری تھے اور اسی حال میں بعلبک کے غفلت زدہ لوگوں کو سوختہ دل کے ساتھ اس طرح مخاطب کیا:

وهو الزمان فلا تفنى عجائبه   من الكرام و ما تهدى مصائبة
فليت شعرى الى كم ذا تجاذبنا   فنونه و ترانا لم نجاذبه
يسرى بنا فوق أقتاب بلا وطاء   و سايق العيس يحمى عنه غاربه
كاننا من اسارى الروم بينهم   كان ما قاله المختار كاذبه
كفرتم برسول الله ويحكم   فكنتم مثل من ضلت مذاهبه"

(سابق حوالہ، ص ۱۲۷)

"ہاں! یہ زمانہ ہے جس کے عجائبات کو انتہا نہیں ہے اور اس کی بلاؤں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، اے کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ دنیا کی کشمکشیں کب تک اور کہاں تک ہمیں اپنے ساتھ پھراتی رہیں گی اور کب تک زمانہ ہم سے پیٹھ پھیرے رہے گا اور برہنہ اونٹوں کی پشتوں پر گردش کراتا رہے گا حالانکہ

اونٹوں پر سوار نجیب زادے اپنے آپ کو راستے کی دشواریوں سے بچاتے ہیں، گویا کہ ہم رومی اسیر ہیں جو ان کے ہاتھوں قید وبند میں ہیں، تم پر وائے ہو اے بعبلک کے غفلت زدہ لوگو! تم لوگ پیغمبر اکرمؐ کے راستہ سے کیا ہٹ گئے؟ انکا انکار اور ان کی زحمتوں کا کفران کیا اور گمراہوں کے جیسا سلوک روا رکھا"۔

۳۔ وعظ و نصیحت اور حکیمانہ کلام

امام سجاد علیہ السلام ایک رحم دل و مہربان باپ اور خورشید کی مانند لوگوں کے سامنے راہ ہدایت کو منور کرتے، ہر جمعہ کو مسجد النبیؐ میں خطبہ دیتے، لوگوں کو وعظ و نصیحت اور اپنے حکیمانہ کلام سے بہرہ مند کرتے، ہلاکت و تباہی اور تاریکی میں مبتلا ہونے سے ڈراتے۔(تحف العقول، حسین بن علی بن شعبہ، نشر جامعہ مدرسین، قم ۱۴۰۴ھ، چاپ دوم، ص ۲۵۲)۔

اسی طرح جہاں عام مسلمانوں کو نصیحتیں فرماتے، اپنے شیعوں اور خاص مصاحبین کے لئے وعظ و نصیحت فرماتے، جیسا کہ ابو حمزہ ثمالی جیسے عظیم صحابیوں نے نقل کیا ہے، امام علیہ السلام اس روش کے ذریعہ جہاں عام مسلمانوں کو وعظ و نصیحت فرماتے وہیں انہیں اسلامی افکار سے آشنا کرتے اور مختلف مناسبتوں اور مواقع پر اپنے اہداف اور مقاصد کو عملی بھی کیا کرتے تھے۔

امام علیہ السلام کے حکیمانہ اور وعظ و نصیحت پر مبنی بعض بیانات کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

اے ایمان لانے والو! کہیں تمہیں دنیا کے دلدادہ طاغوتوں اور اس پر مر مٹنے والوں، اس کی فانی لذتوں اور زوال پذیر نعمتوں کے شیدائیوں کے زرق و برق دھوکہ نہ دیں۔۔۔ میری جان کی قسم! تم نے اس سے پہلے مختلف حوادث دیکھے اور فتنوں کے ہجوم سے سالم باہر آئے اور ہمیشہ گمراہوں، بدعت گزاروں اور زمین پر فساد برپا کرنے والوں سے دوری اور بیزاری کرتے رہے، پس اس وقت بھی خدا ہی سے مدد مانگو، خدا اور ولی خدا کی اطاعت کرو جو موجودہ حاکموں سے کہیں بہتر ہیں۔ گنہگاروں، خطاکاروں، ظالموں اور فاسقوں سے دوستی اور ان کی قربت سے بچو اور ان کے فتنوں سے دور اور ان سے دائم بچتے رہو، جان لو کہ جو بھی خدا کے اولیاء کی مخالفت پر اتر آئے اور خدا کے دین کے سوا کسی دوسرے دین کی پیروی کرے اور رہبر الٰہی کے فرمان سے سرکشی کرے تو وہ جہنم کے شعلوں میں ہوگا"۔ (سابق حوالہ، ص ۲۵۲)

۴۔ کریمانہ سلوک

امام زین العابدین علیہ السلام کی مہربانیاں اور حسن سلوک صرف دوستوں سے ہی مخصوص نہ تھا بلکہ حکومت وقت کے ساتھ بھی آپؑ کا سلوک شدت پسندانہ نہ تھا بلکہ حتی المقدور آپ کا سلوک کریمانہ ہوا

کرتا تھا، آپؑ کا کریمانہ اخلاق اس لئے نہ تھا کہ وہ لوگ اس کے مستحق تھے بلکہ زمانہ کا تقاضہ ہی کچھ ایسا تھا کہ ایسے اخلاق و کردار کے ذریعہ آپؑ اور آپؑ کے چاہنے والے انسانی مقاصد اور احکام الٰہی کی بجاآوری سے ہمکنار ہو سکیں۔

مروان بن حکم لوگوں کے خوف و ڈر اور اس کے ناگوار نتائج سے بچنے کے لئے امام علیہ السلام کی بارگاہ میں آیا اور یہ خواہش کی: میرے بال بچے آپؑ کے گھر میں رہیں تاکہ امویوں کے خلاف لوگوں کے ابھرتے ہوئے غضبناک شعلوں سے امان میں رہ سکیں، امام علیہ السلام نے اس کی درخواست کو قبول کرلیا تاکہ بے ادب لوگوں کو ادب کا درس دے سکیں۔ (تاریخ الخلفاء، ج ۲، ص ۶۱۸)

۵۔ پوشیدہ امدادرسانی

عاشور کی برکتوں میں سے ایک برکت یہ بھی تھی کہ اس نے مسلمانوں کے اندر ایثار و فداکاری کی روح کو زندہ کردیا۔ امام سجاد علیہ السلام کے بصیرت افروز خطبوں نے لوگوں میں طاغوت وظالم حکومت سے مقابلہ کی امنگ جگادی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اموی حکمرانوں کے خلاف قیام اور بغاوت پر اتر آئے۔

کربلا کے واقعہ کے بعد سب سے مشہور قیام تین تھے جو تاریخ میں مشہور ہیں: قیام توابین، قیام مختار اور اہل مدینہ کا قیام، گرچہ امام سجاد علیہ السلام سیاسی مشکلات اور پکڑ دھکڑ کی وجہ سے علانیہ طور پر دخیل نہ تھے اور زیادہ تر تقیہ میں رہتے تھے لیکن حقیقت میں مذکورہ قیاموں کے سربراہوں سے اپنی رضایت کا اعلان کردیا تھا۔ (بحار الانوار، ج ۵۴، ص ۳۵۰)

۶۔ عارفانہ رازونیاز

جس دور میں دشمنوں نے مسجدوں کی محرابوں کو خدا کے بندوں کے خون سے رنگین کردیا تھا اور مسجد و محراب سے حق کو زندہ کرنے کے لئے قیام کرنے والوں کو دبا دیا جاتا تھا، اس دور میں امام سجاد علیہ السلام نے مکتب راز و نیاز اور دعا و نیائش کے ذریعہ تعلیمات الٰہی کا ایک نیا باب کھول دیا اور خلوتوں کے راز و نیاز کو ہر فریاد سے بڑھ چڑھ کر غفلت زدہ لوگوں، گمراہوں اور آنے والی نسلوں کے کانوں تک پہنچایا۔

اس میدان میں امام علیہ السلام نے اس حد تک جانفشانی کی اور جدت دکھائی کہ جب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی فاطمہؑ نے اپنے بھتیجے میں بے وقفہ عبادتوں اور راز و نیاز کو دیکھا تو آپؑ کو بھتیجے کی سلامتی کے خطرے میں پڑ جانے کا خطرہ لاحق ہوگیا اور جابر بن عبد اللہ انصاریؒ سے مدد مانگی تاکہ عبادت میں امام سجاد علیہ السلام کی بے پناہ جانفشانیوں کو کچھ کم کرواسکیں۔ (سابق حوالہ، ج ۴۶، ص ۶۰)

ثقافت عاشور کی حفاظت کے لئے اس روش کا استعمال امامؑ کی نہایت بصیرت اور زمانہ شناسی کی نشاندہی کرتاہے۔ امام سجاد علیہ السلام کی دعاوں کو جو صحیفہ سجادیہ، مناجات خمسہ عشر، دعائے ابوحمزہ ثمالی روزانہ کی دعائیں وراسی طرح دیگر بے شمار دعائیں ایسی ہیں جو ہر سننے والے عارف وزاہداور سمجھدار کو جھنجھوڑ دیتی ہیں اوران دعاؤں کے بلند و بالا معانی اور معارف وادی کمال و معرفت کے راہیوں کی پیاس کو بجھادیتے ہیں، بلکہ بعض دعاؤں میں قیام حسینی کے اہداف و مقاصد کو بھی بیان کیا گیا ہے اور دعا پڑھنے والے عبادت گزار کو گوشہ نشینی سے کھینچ کر طاغوتوں کے سامنے میدان مقابلہ میں لا کھڑا کر دیتی ہیں اور اسے عزت و سربلندی کااعلیٰ درس دیتی ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام کی دعاؤں میں جو چیز سب سے زیادہ قابل غور ہے وہ حضرتؑ کا محمد وآل محمد علیہم السلام پر درود بھیجنا ہے جسے صحیفہ سجادیہ کی ہر دعا میں زیادہ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، دعاؤں کے شروع میں آخر میں اور وسط میں ایسی مستجاب الدعوہ اور عظیم القدر دعا اور درود کو حاجتوں اور درخواستوں کے درمیان مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ جس دور میں امام سجاد علیہ السلام زندگی بسر کررہے تھے وہ خاندان عصمت و طہارت علیہم السلام اور شیعیان علی علیہ السلام کے لئے نہایت دشوار زمانہ تھا، بنی امیہ کی حکومت کے مظالم اور امام علی علیہ السلام پر لعن وطن اور زہریلے پروپیگنڈوں کے باوجود اس طرح دعاؤں کا اہتمام اور اس میں درود کی کثرت واقعاً قابل غور ہے، اسی طرح اہلبیت علیہم السلام کی عظمت و منزلت کو پہنچوانا ان سے محبت اور توسل کی ضرورت، حقیقت میں حکومت وقت اور اہل بیت علیہم السلام کے دشمنوں سے مقابلہ کی ایک قسم تھی جسے امام سجاد علیہ السلام نے اپنایا تھا۔

امام سجاد علیہ السلام نے اپنے زمانہ کی شناخت اور حالات و شرائط کا جائزہ لینے کے بعد لوگوں کی ہدایت اور انہیں وعظ و نصیحت کرنے کی ذمہ داری سنبھال لی تھی اور اس راہ میں اپنے عقائد کی تبلیغ اور معارف الٰہیہ کو عام کرنے کے لئے دعا کا استعمال کیا اور اس طرح آپ نے دنیائے عرفان میں ایک نیا باب کھولا اور تشنہ کاموں کو صحیفہ سجادیہ نامی عظیم کتاب سے سیراب کیا۔

۷۔ مجاہدانہ تربیت

امام سجاد علیہ السلام کی بصیرت افروزی کاایک طریقہ ایسے انسانوں کی پرورش اور تربیت تھی جو مستعد اور فتنہ کے ہنگاموں میں ہوشیار تھے، ایسے لوگ جن کے فیضان نے دامن طبیعت کو شاداب اور اس دور کے خشک معاشرے کو بارآور کردیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو اسلامی سماج میں مشعل ہدایت تھے اور امام علیہ السلام کے معارف کو لوگوں کے درمیان عام کرتے تھے، شیخ طوسیؒ نے آپؑ کے اکہتر اصحاب کی فہرست بیان کی ہے

جنہوں نے آپؑ کی خدمت میں رہ کر کسب فیض اور آپؑ سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں؛ سعید بن جبیر، ابوحمزہ ثمالی، ابان بن تغلب، بشیر بن غالب اسدی، جابر بن عبد اللہ انصاری، حسن بن محمد بن حنفیہؒ، سلیم بن قیس ہلالی، ابوالاسود دوئلی، فرزدق وغیرہ۔۔۔یہ وہ لوگ ہیں جو امامؑ کے صحابیوں میں ممتاز جانے جاتے تھے چونکہ وہ اس دور میں امامؑ کی جانب سے اسلامی سماج میں بصیرت آفرینی کے عہدہ دار تھے۔

امام سجاد علیہ السلام نے غلاموں کو خریدنے اور پھر انہیں فضائل و مناقب اور اپنے علمی و عملی تربیت کے بعد اسلام کی مختلف مناسبتوں جیسے عید فطر وغیرہ کے موقع پر آزاد کر کے بصیرت آفرینی کی راہ میں ایک نیا قدم اٹھایااور تاریخ کے بقول امامؑ نے اپنی حیات پربرکت میں چار ہزار غلام خریدے اور آزاد کئے۔ (کشف الغمہ فی معرفۃالائمہ، علی بن عیسی، ملقب بہ بہاء الدین اربلی (۶۹۳) ج ۲، ص ۷۷)۔

اسی طرح امام نے مدینہ میں شیدائیوں اور چاہنے والوں (ایران سے عراق آنے والے وہ لوگ جو مکتب تشیع سے آشنا ہو چکے تھے) کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ بھی شروع کیا تاکہ انہیں اسلام کی صحیح تعلیم دے سکیں۔

۸۔ قاطعانہ رویہ

امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی کا ایک اہم اور نمایاں پہلو فتنوں کے فکری و علمی عہدہ داروں سے مقابلہ ہے، یہ وہ لوگ تھے جو عمومی اذہان کو حکومت وقت کے حق میں پھیر دیتے تھے اور فکری و ذہنی اعتبار سے لوگوں کو حکومت کی من مانیوں کے لئے آمادہ کرتے تھے، انہیں موارد میں سے ایک مورد جو امامؑ کی سیاسی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے، وہ درباری محدث محمد بن مسلم زہری ہے (امامؑ کے دور میں زہری مدینہ کا محدث اور اپنے زمانہ کا فقیہ شمار کیا جاتا تھالہٰذا بنی امیہ نے زہری کی شہرت سے فائدہ اٹھانے اور موجودہ حکومت کو جائز قرار دینے کے لئے اسے خرید لیا اور وہ بنی امیہ کی دولت وثروت اور آسائش و آرام تک پہنچنے کے لئے عبد الملک بن مروان کے ہمنشینوں اور پھر اس کی اولاد کے مصاحبین میں شامل ہوگیا۔ ہشام بن عبد الملک نے اسے اپنے بچوں کا معلم بنایا اور زہری نے اپنی عمر کے آخری ایام تک اس عہدہ کو نبھایا، وہ چونکہ پوری طرح بنی امیہ کا حلقہ بگوش غلام بن چکا تھا، ان کے اشاروں پر من گھڑت حدیثیں جعل کرتا یا صحیح حدیثوں میں تحریف کر دیتا تھا)۔امام علیہ السلام نے اس کے اس رویہ کی زبردست مخالفت کی اور اسے غلط ٹھہرایا۔مزید معلومات کے لئے رجوع کریں، (سفینۃ البحار، شیخ عباس قمی، ج۱، ص ۵۷۳، مادہ "زہر")

امام سجاد علیہ السلام نے زہری کے سیاہ کارناموں کے پیش نظر ایک مذمت آمیز بلکہ بصیرت افروز اور اس کی خیر چاہتے ہوئے ایک خط لکھا، ہم یہاں پر اس خط کے بعض حصوں کو پیش کرتے ہیں:

" خدا ہمیں اور تمہیں فتنہ سے دور رکھے اور تمہیں جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے، اس وقت جو بھی تیرا حال ہے، اس حالت کے سلسلہ میں جو بھی اطلاع پائے گا اس کو حق ہے کہ تم پر رحم کھائے، خدا کی متنوع نعمتوں نے تجھے کمر خمیدہ بنا دیا ہے، خدا تیرے بدن کو سالم اور تیری عمر طولانی کرے، علوم قرآن کا حامل، احکام دین سے آشنا اور سنت پیغمبر ﷺ کا عارف بنائے، اب خدا کی حجت تم پر تمام ہو چکی۔۔۔ایسی نعمتوں کے مقابلے میں تجھ پر لازم ہے کہ اس کا نہایت شکر گزار بندہ ہو جائے کیونکہ اس نے ان نعمتوں کے ذریعہ تیرا امتحان لیا۔۔۔ یاد رہے کہ تو بارگاہ الٰہی میں ایستادہ ہے اور خدا تجھ سے سوال کر رہا ہے کہ تو اس کی نعمتوں کا شکر کیسے بجا لایا اور اس کی حجت کے سامنے اپنے وظائف کو کیونکر پورا کیا تو پھر اس وقت تیرا کیا حال ہوگا؟ تیرے ذہن میں یہ خیال ہرگز نہ آنے پائے کہ خدا تیرے عذر کو قبول کر لے گا اور تیری خطاؤں کو معاف کر دے گا اس لئے کہ اس نے اپنی کتاب میں علماء سے یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ وہ لوگوں کو حقائق سے آشنا کریں جیسا کہ فرماتا ہے :" لتبیننّہ للنّاس و لا تکتمونہ" (سورہ آل عمران، آیت ۱۸۷) آسمانی کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرو اور ہرگز اسے نہ چھپاؤ۔

تم جان لو کہ کم ترین چیز جسے تم نے چھپایا اور سبک ترین چیز جسے اپنے کاندھوں پر اٹھایا وہ ظالموں کی وحشت کو اطمینان و سکون میں بدل دینا ہے؛ اس لئے کہ تم ان سے قریب ہوا اور جب بھی انہوں نے بلایا ان کی اجابت کی اور ان کے لئے گمراہی کے راستے بھی فراہم کئے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں کل کے دن تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہارا حساب خیانتکاروں جیسا نہ ہو اور ستمگروں کی حمایت کے بدلے تمہیں جو کچھ نصیب ہوا ہے، اس کی بابت تم سے سوال و جواب نہ ہو۔ جو تمہارا حق نہ تھا وہ ان لوگوں نے تمہیں عطا کیا اور تم نے بھی اسے قبول کر لیا اور ایک ایسے شخص سے نزدیک ہوگئے جس نے کسی کا حق انہیں واپس نہیں لوٹایا ہے اور جب اس نے تم کو اپنا مقرب بنایا تو ہرگز کسی باطل کو ختم نہیں کیا پس تم نے خدا کے دشمن کو اپنی دوستی کے لئے انتخاب کیا ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ ان لوگوں نے تمہیں دعوت دی اور اپنا مقرب بنایا، ذرا ہوش کے ناخن لو کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ ملانے کے لئے دعوت دیتے ہیں اور تمہیں اپنے ظلم و ستم کا آسیاب بناتے ہیں اور تمہیں پل بنا کر اپنی خواہشات کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں زینہ بنا کر گمراہی و ضلالت کی بلندیوں تک پہنچنا چاہتے ہیں؟!

۔۔۔ ان لوگوں نے تمہیں جو کچھ تم سے لی گئی چیزوں کے عوض عنایت کیا، کس قدر کم اور حقیر ہے، ذرا آنکھیں کھول کے تو دیکھو کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے اس دنیا میں جو کچھ جمع کیا

ہے وہ کس قدر کم ہے اور آخرت میں جو کچھ برباد کیا ہے وہ کس قدر زیادہ ہے، یہ تم کیا کر رہے ہو؟ ہوشیار رہو اور یاد رہے کہ تم خود اپنی حفاظت کر سکتے ہو اور کوئی دوسرا تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا، ایک حساب کرنے والے کی مانند اپنے نفس سے حساب لو۔۔۔ ایسا ہرگز خیال نہ کرنا کہ میں تمہاری مذمت اور سرزنش کرنا چاہتا ہوں، فقط میری خواہش یہ ہے کہ خداوند عالم تمہاری خطاؤں کو معارف کرے اور تمہارے پلٹے ہوئے دین کو تمہیں دوبارہ لوٹا دے، میں نے اپنی باتوں میں کلام الٰہی کا سہارا لیا: " و ذکّر فان الذّکری تنفع المؤمنین " (سورہ ذاریات، آیت ۵۵)؛ انہیں متنبہ کردو اسلئے کہ یاددلانا مومنین کے لئے سودمند ہے۔

۔۔۔جب دنیا تمہارے جیسے سن رسیدہ، حامل علوم اور موت سے نزدیک ہونے والے میں اپنا اثر چھوڑ سکتی ہے اور تمہارے جیسا انسان ایسی دنیا کا دلدادہ بن جائے تو پھر اس سے ایک ایسا جوان کیونکر بچ کر نکل سکتا ہے جس کی معلومات کم ہے، عقل ناتواں ہے اور اس میں روشن خیال کا فقدان ہے؟! "انّا للہ وانّا الیہ راجعون" (سورہ بقرہ، آیت ۱۵۶)

۔۔۔ جاگو اور دیکھو کہ کس طرح اپنے منعم اور مربی کا شکر بجالا رہے ہو جس نے طفولیت سے ابھی تک تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے اور کیونکر اس شخص کا احترام کرتے ہو جس نے دین کے ذریعہ تمہیں لوگوں پر مرتبہ عطا کیا؟ کیا سونپی گئی ذمہ داریوں کے عوض تمہارے شکر کا انداز ایسا ہی ہے؟ مجھے خوف ہے کہ کہیں تمہارا حساب اس آیت کے بموجب ان لوگوں میں نہ ہو:

" اضاعوا الصلاۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیّا" (سورہ مریم، آیت ۵۹)؛ اور جب ان کے جانشین آئے تو انہوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی اور بہت جلد وہ اپنے کئے کی پوری سزا پائیں گے۔

خداوند عالم نے تمہیں قرآن کے احکام کی بجاآوری کا حکم دیا ہے اور اس نے تمہیں علم کی نعمت سے نوازا لیکن تم نے اسے برباد کردیا، میں خدا کا نہایت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے تمہاری بلاؤں سے محفوظ رکھا ہے۔ والسلام۔ (بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج۷۱، ص ۱۲۰)

شعور وبصیرت فتنوں سے نجات کا ذریعہ

تالیف: احمد عالمی
ترجمہ: حمید الحسن زیدی

مقدمہ

فتنوں سے نجات پانے کے لئے دینی شعور وبصیرت کی ضرورت اور موقعیت ایسا اہم ترین مسئلہ ہے جس پر کتاب خدا اور سنت پیغمبر اسلامؐ میں بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے۔

بصیرت کا مطلب کھلی فکر، ہمہ جہت سمجھ، حقیقت تک رسائی ہے۔ یہ خدا اور پیغمبروں کی ایک خاص صفت ہے اور اسے فتنوں اور تاریخ کے گمراہ کن حادثات وواقعات سے اپنا دامن بچا کر نکل جانے کا سب سے واضح معیار بتایا گیا ہے۔ جسے شرعی منابع میں پیغمبر اسلام ﷺ کی جانب سے اپنی پیروی کرنے والوں کے لئے ایک اہم ترین ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ ایک باطنی بینائی اور اندرونی طاقت ہے جو سخت تاریکی میں بھی انسان کے لئے روشنی کی راہ ہموار کرتی ہے۔ ہر انسان کی بنیادی ضرورت حصول کمال اور خدا کی جانب بڑھنا ہے اور ایسی حرکت کرنا ہے جس کے بہت عظیم فائدے اور نتائج برآمد ہوتے ہیں جیسے مکر وفریب، شیطانی چالوں اور فتنوں کی پہچان اور تاریخ سے عبرت لیکر آئندہ کے لائحہ عمل کی تربیت وغیرہ۔

فتنہ یعنی زندگی کے سخت مصائب وآلام اور ہر طرح کے راہ وتدبر کا بند ہو جانا جو سب کے سب ایک طرح سے خدائی امتحان کی حیثیت رکھتے ہیں، ایسے حالات میں امتحان کی جہت سے ناواقفیت، گمراہی اور شکوک وشبہات پیدا کردیتی ہے لہٰذا اس سلسلہ میں حقیقت کی تلاش اور وہاں تک رسائی ہر شخص کی آخری اور بنیادی ضرورت ہے۔

لفظ فتنہ کے مختلف معانی ذکر ہوئے ہیں لیکن ان میں مشترک اور جامع معنی" پگھلایا جانا" ہے۔ اس لیے کہ ہر طرح کی بلائیں، مصیبتیں یا نعمتیں۔۔۔وغیرہ سب کی سب ایک طرح سے پگھلائے جانے کے معنی کو بیان کرتی ہیں اگر ان کو صحیح طریقے سے نہ پہچانا گیا اور ان کے سلسلے میں دینی شعور وبصیرت سے کام نہ لیا گیا تو اس کا نتیجہ تباہی، بربادی، سرکشی اور بغاوت ہوگا۔

فتنہ کے مذکورہ مفہوم کی روشنی ہی میں انسانی حیات ہمیشہ سے ہی فتنوں کی آماجگاہ رہی ہے یہ فتنے یا امتحانات الٰہی تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں بھی نظر آتے ہیں جو اپنے عظیم شعور وبصیرت کے ساتھ اس امتحان سے سرخرو عہدہ برآمد ہوتے تھے۔

فتنے شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں فساد برپا ہوتا ہے جس سے سماج کے اتحاد کو نقصان پہونچتا ہے۔ اور اس طرح پورا سماج بکھر کر رہ جاتا ہے۔ حق وباطل اور عزت وذلت کا معیار ختم ہو جاتا ہے۔ اور پوری فضا مکدر ہو کر رہ جاتی ہے ایسے حالات میں صرف بصیرت ہی فتنوں سے نجات کا ذریعہ قرار پاتی ہے اور بس۔

بصیرت کی خصوصیات:

حق کی معرفت اور باطل سے ٹکراؤ، یقین کی بنیاد پر عمل، فتنوں اور حادثوں سے دو چار ہوتے وقت ہمت اور اعتمادی، بلندی نظر اور بلندی فکر، اسلامی سماج کے ہوشیار وزیرک رہنما اور قائد کی ہی بصیرت کہلاتی ہیں اور ایک اچھے سماج، بلندی، اور قرب پروردگار کی راہ پر گامزن ہونے، حقیقت تک رسائی حاصل کرنے اور باطل سے مقابلہ کے سلسلہ میں اس عظیم بصیرت تک پہونچنا ضروری ہے۔

شرعی منابع میں بصیرت سے مراد

جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ شریعت اسلامی کے اصلی منابع، کتاب خدا اور سنت پیغمبرؐ ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے انہیں مذکورہ منابع کی روشنی میں بصیرت کی حقیقت پر روشنی ڈالیں گے۔

بصیرت:

قرآن مجید میں استعمال ہونے والا سب سے اہم لفظ بصیرت ہے جو روشنی چمک اور بینائی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بصیر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مختلف راستوں سے اپنے اور اپنے سماج، فریب کاریوں، سازشوں، اعمال ورفتار، طریقہ کار، کے بارے میں گہری واقفیت رکھتا ہو۔ سیاسی اور اقتصادی نیز اس طرح کے دیگر میدانوں میں اپنی ذمہ داریوں کو خوب سوچ سمجھ کر ادا کرتا ہو اور حقائق کو سمجھ کر ان پر بھرپور توجہ کرتا ہو۔ تاکہ اسے عمل کی منزل میں حیرانی اور سرگردانی کا احساس نہ ہو۔ اور وہ اپنی ذمہ داری معین کرنے میں ہچکچاہٹ سے کام نہ لے بلکہ ایسے حالات میں ہر طرح کے حادثات اور فتنوں سے صحیح سالم گزر جائے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ اے رسول آپ ان حالات (موت کی سختی، صور پھونکنے) سے باخبر نہ تھے۔ ہم نے آپ کی نگاہوں سے پردہ ہٹادیا اور آج حقیقت بالکل آپ کیلئے آشکار ہے۔ (سورہ ق، آیت ۲۲)

ایک بابصیرت انسان کی ہوشیاری اور دقت نظر یااس طرح ایک بابصیر سماج کی بلند نظری، اس کی بینائی ہی وہ اثر پیدا کرتی ہے جس سے وہ واقعات کو صحیح طور پر پرکھ کران کا صحیح تجـزیہ کرسکتا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی تیز بینی اور عمیق نگاہیں تھیں جن کی بنیاد پر آپ واقعات اور حادثات کو صحیح طریقے سے درک کرلیتے تھے اور ان کے سلسلہ میں صحیح اور بروقت مناسب ردعمل کااظہار فرماتے تھے۔

البتہ بصیرت تک پہونچنے کے لئے اس راہ میں پائی جانے والی پہچان اور اس کی علامتوں کا کردار بھی بہت اہم ہے جن کو گہری اور دقیق نظروں سے ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

راغب اصفہانی بصیرت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: "بصر" دیکھنے، کی صلاحیت رکھنے والے عضواور اس میں پائی جانے والی صلاحیت اور طاقت کو کہتے ہیں دل کے ذریعہ درک کی صلاحیت کو بھی بصیرت کہاجاتاہے۔ (راغب اصفہانی، ۱۲۷)

راغب اصفہانی کی وضاحت کے مطابق بصر سر کی آنکھوں کو کہتے ہیں اور بصیرت دل کی نگاہوں کا نام ہے۔ لہٰذا یہ کہاجاسکتاہے کہ بصیرت گہری اور دقیق سمجھ کا نام ہے جس کے ذریعہ حق وباطل میں اس طرح تشخص دی جاسکتی ہے جس کے بعد حق کے انتخاب کی راہ ہموار ہوجاتی ہے۔ لہٰذا واضح رہے کہ بصیرت کی اہمیت بصر یعنی سر کی آنکھوں سے بہت زیادہ ہے۔

مولائے کائنات حضرت علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں دل کی نگاہوں کے نہ ہونے کی تکلیف سے آنکھوں کے نہ ہونے کی تکلیف برداشت کرنا زیادہ آسان ہے۔ (آمدی، ۱۴۱، ۱۳۶۶)

قرآن مجید میں کلمہ بصـیرت دو مرتبہ استعمال ہوا ہے جب کہ اس کے مشتقات بصر ابصر بصائر وغیرہ ۱۴۸ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں اور ان تمام مواقع استعمال میں اس ملکہ (استعداد وصلاحیت) اور اس کے مشتقات سے مراد ایک خاص طرح کانور اور ایک خاص قسم کی روشن فکری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس بصـیرت ہوتی ہے وہ منظر کے ساتھ ساتھ پس منظـــرپر بھی نظر رکھتا ہے۔ اور اس کی نگاہیں ہر قسم کی حدبندی کو توڑ کراس سے بہت دور تک پہونچتی ہیں وہ اپنی بلند نگاہوں کے ذریعہ گویا ہر طرح کے حادثات وواقعات کے وقوع کے وقت اپنے کو موجود پاتاہے اور قریب سے ان کا مشاہدہ کرتاہے۔

البتہ قرآن مجید میں کچھ دوسرے کلمات بھی اس عظیم اور بلند معنی میں استعمال ہوئے ہیں جیسے نور، فرقان وغیرہ جن تمام کلمات میں بینش وبینائی، جامع اور عمیق نظر حقیقت پر توجہ، ہوشیاری، ذہانت، واضح اور آشکار حجت جیسے معنی پائے جاتے ہیں۔ بینش ادراک کی ایک مضبوط صلاحیت اور گہری سمجھ کا نام ہے جس کے حامل افراد واقعات وحالات کا صحیح تجزیہ کرکے ان کی گہرائی تک پہونچتے ہیں وہ صرف کسی واقعہ کے ظاہر پر نظر نہ رکھ کر اس پر پڑے ہوئے ہر طرح کے گرد وغبار کو ہٹا کر اس کی تہہ تک پہونچتے ہیں اور اس طرح حقیقت تک رسائی حاصل کرلیتے ہیں۔ بعض صاحبان معرفت اور عارف حضرات کا کہنا ہے بصیرت ایک قلبی طاقت اور ایک باطنی قوت کا نام ہے جو بارگاہ قدس کے نور سے جاری ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ صاحبان بصیر تمام چیزوں کے تہہ اور باطن تک پہونچ جاتے ہیں۔ (معین، ۱۳۷۶،۵۴۶)

شرعی ودینی منابع میں پائی جانے والی تعبیروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بصیرت انسان کے قلب میں پائی جانے والی ایک خاص صلاحیت ہے جن کے ذریعہ وہ چیزوں کی حقیقت کو مکمل درک کرتا ہے جس طرح ہماری آنکھیں چیزوں کی ظاہری شکل وصورت کو درک کرتی ہیں لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ بصیرت ایک ربانی اور قدسی طاقت ہے جس کے ذریعہ انسان چیزوں کی تہہ تک پہونچ کر ان کی حقیقت کو مکمل طور پر درک کرلیتا ہے۔

ہماری دینی ثقافت میں بصیرت، انسان کی بنیاد ہے تاکہ وہ کسی طرح کے بھنور میں پھنسنے سے محفوظ رہ سکے اور اس کے ذریعہ ترقی، مراتب اور بلندی کی منزل تک پہونچنے کی راہ پر گامزن ہوسکے۔ اس لئے کہ جب انسان کو بصیرت مل جاتی ہے تو وہ دنیا کی تمام موجودات اور خدائی مخلوقات کو واضح طور پر درک کرلیتا ہے اور ہر طرح کے شر ووسوسہ سے محفوظ رہ کر کثرت سے وحدت تک پہنچ جاتا ہے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔ دونوں گروہ جو جنگ بدر میں ایک دوسرے کے سامنے تھے ان میں تمہارے لئے نشانیاں (اور اس میں عبرت) تھیں ان میں سے ایک جماعت خدا کی راہ میں جہاد کررہی تھی اور دوسری فوج کافروں کی تھی وہ شیطان کی راہ میں جنگ کررہی تھی۔ اور کافر صاحبان ایمان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے رہے تھے خداوند عالم جس کی چاہتا ہے اپنی تائید سے مدد کرتا ہے اور یہ بات صاحبان بصیرت کے لئے بہتر درس عبرت ہے۔ (سورہ آل عمران، آیت ۱۳)

ایک دوسرے مقام پر بصیرت کے بہت سے فائدے ذکر ہوئے ہیں۔" خداوند عالم کی جانب سے تمہارے لئے بہت سی دلیلیں آئیں جو ان دلیلوں کے ذریعہ بصیرت اور واقعیت حاصل کرے گا اُسے

فائدہ ہوگا اور جو ان کے سلسلے میں آنکھوں کو بند رکھے گا وہ گھاٹے میں رہے گا اور میں تمہارا محافظ نہیں ہوں"۔ (سورہ انعام، آیت ۱۰۴)

قرآن مجید کی نظر میں ہر واقعہ ایک روشن اور واضح نشانی ہے اس لئے انہیں بصائر یعنی روشن اور واضح کرنے کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے جس کے ذریعہ صاحبان بصیرت فتنوں اور بلاؤں سے نجات پا جاتے ہیں۔

دینی بصیرت کے فائدے

دینی بصیرت، ذہانت، ہوشیاری اور دینی سمجھداری وعقلمندی کے بہت سے فائدے ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کررہے ہیں:

۱۔ چالوں اور فتنوں کی پہچان

بصیرت اور روشن فکری، انسان اور انسانی سماج کو ہر طرح کے فتنوں سے روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے، حضرت علی علیہ السلام اس طرح توصیف فرماتے ہیں:

"اور لڑائی جھگڑے کے وقت احتیاط اور بصیرت کے ساتھ قدم بڑھاؤ، کیونکہ فتنہ جب شروع ہوتا ہے تو نہایت مبہم اور ناشناختہ ہوتا ہے لیکن جب وہ اپنا دامن پھیلا لیتا ہے تو اگر چہ اس کے آغاز میں ابہام ہوتا ہے اور کہاں سے شروع ہوا معلوم نہیں ہوتا مگر پھیل جانے کی صورت میں بہت خطرناک رخ اختیار کرلیتا ہے۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں: میں اس شخص کی طرح ہوں جو فتنوں کے پہنچتے وقت انہیں نطفوں میں ہی دیکھ لیتا ہو وہ کہاں پہنچتے ہیں میں جانتا ہوں اور ان کے مرکزی کردار کو بھی بخوبی پہچانتا ہوں"۔ (صبحی صالحی، ۱۳۸۷، ق ۲۱۰)

اس طرح کی سمجھ عمیق اندرونی بصیرت کا نتیجہ ہوتی ہے جو انسان کو ہولناک بھنور سے نجات دلاتی ہے۔

۲۔ عبرتوں کا حصول

بصیرت کا دوسرا بہترین فائدہ، زمانے اور تاریخی حادثات وواقعات سے عبرت حاصل کرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔ دنیا کے بہت سے لوگ تاریخی حالات وواقعات سے ناواقفیت کی بنا پر انہیں کاموں کی تکرار کرتے ہیں جو ماضی میں انجام پا چکے ہیں۔ اور اس طرح انہیں شدید نقصانات اٹھانا پڑتے ہیں۔

خداوند عالم سورہ انعام (آیت ۱۰۴) "قد جاءکم بصائر من رّبّکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وماانا علیکم بحفیظ "میں اسی مطلب کی جانب اشارہ فرماتا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں حادثات وواقعات سے عبرت لینا، بصیرت کے فائدے میں سے ایک فائدہ بیان ہوا ہے۔

تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے بصیرت پیدا کرنے والی دلیلیں آئیں جو بھی ان دلیلوں کے ذریعہ بصیرت اور واقفیت حاصل کرے گا وہ خود اس کے لئے فائدہ مند ہوگا اور جو اس سے چشم پوشی کرے گا اس کا نقصان خود اسی کو ہوگا اور اس مرحلہ میں ہم تمہاری حفاظت کرنے والے نہیں ہیں۔

۳۔ نجات بخش اور معیاری عمل

بصیرت حقیقت تک رسائی کا سبب ہے اور حقیقت تک رسائی کے بعد انسان نجات بخش اور معیاری عمل انجام دیتا ہے جس کی وجہ وہ عظیم بصیرت ہوتی ہے جو جناب عمار کو حاصل تھی یہ طے ہے کہ جب فضا روشن اور حق و باطل ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہوں تو فیصلہ کرنا بہت آسان ہوتا ہے لیکن جب فضا غبار آلود ہو تو حق و باطل میں تمیز دینا بہت مشکل ہوتا ہے ایسے موقع پر ایک ایسے سبب کی ضرورت ہوتی ہے جو اس منزل میں انسان کو نجات دلا سکے اور وہ سبب، صرف اور صرف بصیرت ہے۔ مولائے کائنات حضرت علیؑ اور حضرت عمار یاسر غربت کے دور میں بہترین نمونہ ہیں جن کی بصیرت نے انہیں جنگ صفین میں ہر طرح کے فتنے سے محفوظ رکھا۔ حضرت علی علیہ السلام اپنی زندگی کے سب سے آخری فتنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

عمار کہاں ہیں، ابن تیہان کہاں ہیں، ذوالشہادتین کہاں ہیں ان جیسے افراد موت سے ملحق ہو گئے اور ان کے مبارک سر ظالموں کے پاس تحفہ میں لے جائے گئے۔ (صبحی صالح، ۱۳۸۷، ق ۲۶۴)

راوی کا بیان ہے اس کے بعد آپ نے اپنا دست مبارک اپنی ریش مبارک پر رکھ کر بہت دیر تک گریہ کیا پھر فریا کرتے ہوئے فرمایا: اے میرے بھائیو! تم جو قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور اسے اپنے دل وجان میں اتارتے تھے اور اس میں غور وفکر کرتے تھے۔ سنتوں پر عمل کرتے تھے بدعتوں کا خاتمہ فرماتے تھے (کہاں چلے گئے)۔" (مذکورہ حوالہ)

جناب عمار کی زندگی نہ صرف یہ کہ بصیرت سے لبریز تھی بلکہ ان کی موت بھی بصیرت کا ذریعہ بنی۔ اس لئے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا تھا۔"یا عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ" (بخاری، جلد ۲،۲۶۱) اے عمار تمہیں ایک باغی گروہ شہید کرے گا۔

۴۔ حقیقت تک رسائی

ایک با بصیرت انسان اپنی بصیرت کے ذریعہ حقیقت تک رسائی حاصل کرلیتا ہے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس شخص کے جواب میں فرمایا جس نے پوچھا تھا کہ " کیا ممکن ہے کہ طلحہ وزبیر باطل پر ہوں "؟ حق اور باطل کو افراد کے مرتبہ سے نہ پرکھو پہلے حق کو پہچان لو تاکہ اہل حق کو پہچان سکو اسی طرح پہلے باطل کو سمجھو پھر اہل باطل کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ عظمت اور معیار شناخت بصیرت کی بناپر ہی حاصل ہوتا ہے۔

آیات قرآنی میں فتنوں کی حقیقت

قرآن مجید میں فتنہ یا اس سے مشتق الفاظ ۶۰ بار استعمال ہوئے ہیں، لفظ فتنہ عربی مصدر " فتن" سے ماخوذ ہے جس کے معنی آگ میں پگھلانے کے ہیں۔

لغت میں یہ کلمہ، گمراہی، پرآشوبی، امتحان اور آزمائش جیسے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

راغب نے اپنی کتاب مفردات میں تحریر کیا ہے کہ فتنہ امتحان کے معنی میں ہے۔ جس کی اصل سونے کو آگ میں پگھلانا ہے جس سے خالص سونا نقلی سونے سے الگ ہوسکے۔ (راغب اصفہانی، ۱۳۸۹، لفظ فتنہ کے ذیل میں)

یہ لفظ ایسے مختلف مشتقات جیسے یفتنون، مفتنون، فتنا کی صورت میں استعمال ہوا ہے جس کے بارے میں سیاق آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مختلف مقامات پر الگ الگ معنی ہیں:

۱۔ فتنہ شرک باللہ کے معنی میں

عنقریب تم ایک اور جماعت کو پاؤگے جو تم سے اور اپنی قوم سے امان چاہتے ہیں لیکن جب فتنہ (شرک) کی طرف انہیں دعوت دی جاتی ہے تو اس پر لبیک کہتے ہیں۔ (سورہ نساء، آیت ۹۱)

حالانکہ اگر ان پر چاروں طرف سے لشکر داخل کردئے جاتے اور پھر ان سے فتنہ (شرک) کا سوال کیا جاتا تو فوراً حاضر ہوجاتے۔ (سورہ احزاب، آیت ۱۴)

۲۔ فتنہ بلاومصیبت کے معنی میں

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں فتنہ بلاومصیبت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

مفسرین نے ان مصیبتوں اور آزمائشوں سے دنیاوی مصیبتیں مراد لی ہیں اسی لیے فتنہ اور بلا (آزمائش) کو ایک قرار دیا ہے۔ البتہ وہ آزمائش جو مصیبتوں کے وقت ہوتی ہے۔ اسی لئے ان کا ماننا تھا کہ

بلا ومصیبت کبھی بھی ان کے دامن تک نہیں پہونچے گی یہی وجہ تھی جو وہ حقائق سے اندھے اور بہرے ہوگئے ہوئے ہیں۔ (سورہ مائدہ، آیت ۷۱)

اگر کوئی مصیبت چھوگئی تو دین سے پلٹ جاتے ہیں یہ دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ میں ہیں۔ (سورہ حج، آیت ۱۱)

جولوگ خدا کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ ان تک کوئی فتنہ (دردناک عذاب) پہونچ جائے۔ (سورہ نور، آیت ۶۳)

جب خدا کی راہ میں کوئی تکلیف ہوئی تو لوگوں کے فتنہ (مصیبت) کو عذاب الٰہی جیسا قرار دے دیا۔ (سورہ عنکبوت، آیت ۱۰)

خداوند عالم نے جولوگوں کی مصیبتوں اور ان کی تکلیفوں کو فتنہ کا نام دیا ہے وہ اس زحمت کی بناپر ہے جو ان میں محسوس ہوتی ہے۔

۳۔ فتنہ عذاب یا اخروی عذاب کے اسباب کے معنی میں

اگر فتنہ کسی محسوس مادہ کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی آگ میں پگھلانے کے ہوتے ہیں جیسے سونے اور چاندی کا تپایاجانا تاکہ اصلی و نقلی کی پہچان کی جاسکے یا اصلی و نقلی ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں۔

تو یہ وہی دن ہے جس دن اندازہ لگانے والوں کو جہنم کی آگ پر تپایاجائے گا کہ اب اپنا عذاب چکھو اور یہ وہی عذاب ہے جس کی تم جلدی مچائے ہوئے تھے۔ (سورہ ذاریات، آیت ۱۳۔۱۴)

تو آگاہ ہوجاؤ یہ واقعاً فتنہ میں گر چکے ہیں (جہنم میں ڈال دے گئے ہیں)۔ (سورہ توبہ، آیت ۴۹)

۴۔ فتنہ۔ غفلت میں رکھنے اور تفرقہ پھیلانے کے معنی میں

فتنہ کے ایک اور معنی میں بھی ہے اور وہ ہے: لوگوں کو غفلت میں ڈال کر ان کے درمیان اختلاف پھیلانا۔ شیطان کے بارے میں خداوند عالم کا ارشاد ہے: اے اولاد آدمؑ کہیں شیطان تمہیں غافل نہ کردے جیسے تمہارے ماں باپ کو غافل کرکے جنت سے نکال دیا۔ (سورہ اعراف، آیت ۲۷)

منافقین کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: وہ تمہارے درمیان بہت تیزی سے فتنہ پھیلاتے ہیں۔ (سورہ توبہ، آیت ۴۷)

خداوند عالم مومنوں کو متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتاہے : ہوشیار رہنا شیطان اور منافقین تمہارے ساتھ رہ کر تمہارے درمیان تفرقہ پھیلانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

۵۔ فتنہ آزمائش اور امتحان کے معنی میں

قرآن مجید میں یہ لفظ فتنہ زیادہ تر امتحان اور آزمائش کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے: آگاہ رہنا کہ تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ (سورہ انفال، آیت ۲۸)

ایک دوسری جگہ پر ارشاد ہوتاہے : تمہارے مال اور اولاد تمہارے امتحان کا ذریعہ ہیں۔ (سورہ تغابن، آیت ۱۵)

خیر اور شر جو امتحان الٰہی کا ذریعہ ہیں ان کے بارے میں ارشاد ہوتاہے: کہ ہم اچھائی اور برائی سے تمہارا امتحان لیں گے۔ (سورہ انبیاء، آیت ۳۵)

ہم نے بعض کو دوسرے لوگوں کے امتحان کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ (سورہ فرقان، آیت ۲۰)

اسی طرح بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے امتحان کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ (سورہ انعام، آیت ۵۳)

اور ہم نے جہنم کا نگہبان صرف فرشتوں کو قرار دیا ہے اور ان کی تعداد کو کفار کی آزمائش کا ذریعہ بنادیا ہے۔ (سورہ مدثر، آیت ۳۱)

جو کچھ دونوں فرشتوں ہاروت اور ماروت پر بابل میں نازل ہوا ہے وہ اس کی بھی تعلیم اس وقت تک نہیں دیتے تھے جب تک یہ کہہ نہیں دیتے کہ ہم ذریعہ امتحان اور آزمائش ہیں۔ (سورہ بقرہ، آیت ۱۰۲)

بہر حال قرآن مجید میں کلمہ فتنہ اسی معنی میں مختلف سورتوں میں استعمال ہوا ہے اس تحریر میں صرف انہیں موارد پر اکتفاء کی گئی ہے۔

فتنہ کے جامع اور مشترک معنی

جو ہمارے موضوع سے متعلق ہیں ان تمام معنی میں قدر جامع (قدر مشترک) تلاش کرنا بہت بظاہر مشکل کام ہے لیکن ان تمام معانی کے درمیان ایک مشترک اور جامع معنی کو فرض کیاجاسکتا ہے اور اس کے لئے کلمہ فتنہ کے تمام مفاد کو ایک محسوس معنیٰ کی طرف پلٹانا ہوگا قرآن مجید میں اس کلمہ کے سب

سے زیادہ قابل حس معنیٰ اس آیت میں بیان ہوئے ہیں: "جس دن انہیں جہنم کی آگ پر تپایا جائے گا"۔ (سورہ ذاریات، آیت ۱۳)

فتنہ گرم کرنے کے معنی میں ہے جس کا تعلق صرف اور صرف حس واحساس ہے۔ مفتون جو آیتوں میں آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص نفسیاتی طور پر پریشان ہو گیا اس کی نفسیاتی پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ اس کو امتحان سے گزرنا پڑا تھا اسی وجہ سے فتنہ کے لئے ایک اصلی معنی ماننا پڑے گا یعنی تپانا، پگھلانا، اس کے علاوہ دوسرے تمام معنی مجازی ہیں جن کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے اور اگر ان تمام مجازی معانی کا تجزیہ کیا جائے تو وہ مجازی معنی، انہیں پہلے اور اصلی معنی کی طرف پلٹیں گے، اس لئے کہ وہ تمام مواقع اپنے تجزیہ اور تحلیل کے مطابق ایک طرح سے پگھلانے اور تپانے کے مترادف ہیں۔ اگر انسان کو غفلت اور تفرقہ کی منزل میں قرار دیا جائے تو یہ بھی ایک طرح سے پگھلانا ہے۔ بلا ومصیبت اور اس طرح کے دیگر امتحان وآزمائش سے متعلق مفاہیم کا مطلب بھی یہی ہے کہ اضطراب وافتراق میں انسانوں کا پایا جانا، تاریخی انحرافات اور جنگ وجدال سے متعلق کسی بھی طرح کے حرکات وسکنات، اجتماعی انحرافات ان جیسے تمام معانی کہ جن کے ذریعہ ایک طرح سے صاحبان ایمان اور نمایاں صفات وکمالات کے مالک افراد امتحان کی منزلوں سے گزرتے ہیں یعنی وہ ایک طرح سے اجتماعی چالوں کا شکار ہو جاتے ہیں اسی لئے ارشاد ہوتا ہے: کیا لوگوں کا گمان ہے کہ اگر وہ صرف کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے ہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور ان کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔ ہم نے ان سے پہلے والے لوگوں کا بھی امتحان لیا ہے اور ان کا بھی امتحان لیں گے تاکہ سچ بولنے والے اور جھوٹ بولنے والے ایک دوسرے سے الگ ہو سکیں۔ (سورہ عنکبوت، آیت ۲-۳)

اس تجزیہ کی روشنی میں انسان کے لئے جو صورت حال پیدا ہو گی وہ ایک طرح سے تپانے اور پگھلانے کی کیفیت ہے جس طرح سے سونے اور چاندی کو پگھلایا جاتا ہے تاکہ اصلی اور نقلی کی پہچان ہو جائے۔ اور خالص سونے کی کوالٹی بڑھ جائے ہے اور زیادہ خالص ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اموال، ملائکہ ہر طرح کے حرکات پریشانیاں، اختلافات بُرے انسان اور نیک اور صالح انسان اور تمام وہ چیزیں جو اس موضوع سے متعلق ہوتی ہیں ان سب کو فتنہ کا نام دیا جاتا ہے، بہر حال فتنہ کے تمام معنی کے درمیان اشتراکی اور جامع معنی اور قرآن مجید کے تمام معنی میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور وہ مشترک وجامع معنی امتحان، آزمائش اور پگھلایا جانے یا جانا اور تپانا ہیں۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزیں فتنہ آزمائش اور امتحان کا سبب بنتی ہیں۔

چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فتنہ کے لفظ میں ایک طرح کا دباؤ پوشیدہ ہے جس کا لازمہ انسان کی ترقی اور اس کا کمال کی طرف مائل ہونا ہے فتنہ ایک جامع امر ہے جس سے دنیا کے تمام انسانوں کو بہر حال دوچار ہونا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی بھی یہ نہ کہے کہ اے اللہ میں فتنے سے پناہ مانگتا ہوں اس لئے کہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو زندگی میں اس سے دوچار نہ ہو۔ لیکن جو شخص خدا کی پناہ میں رہنا چاہتا ہے وہ فتنوں کے وقت گمراہی سے پناہ چاہے۔ (صبحی صالحی، ۱۳۸۷، حکمت ۹۳)

مضلات فتن حقیقت میں ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے اور انسانوں کو حق اور حقیقت کی راہ سے دور کردیتی ہیں، حق اور صحیح راستہ سے روک دیتی ہیں اور انہیں باطل، گمراہی و کجروی کی طرف لے جاتی ہیں۔

زندگی اور فتنہ کا باہمی ملاپ

جب انسانی تاریخ اور اس کے ماضی کے زمانے پر محققانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہماری تاریخ کے تمام اوراق فتنوں سے بھرے پڑے ہیں۔ وہ فتنہ جس سے حضرت موسیٰ دوچار ہوئے یعنی سامری کا فتنہ، جناب ابراہیم جس فتنے میں مبتلا ہوئے یعنی اولاد کا فتنہ۔ خشک اور بے آب وگیاہ صحرا میں بیوی اور بچے کو تنہا چھوڑنے کا فتنہ۔ نمرود اور اس کی آگ میں ڈالے جانے کا فتنہ، فتنے جن سے حضرت عیسیٰؑ روبرو ہوئے۔ اسی طرح جناب نوحؑ، جناب صالحؑ، ہودؑ، اور جناب شعیبؑ کو درپیش فتنے ان سب سے بڑھ کر وہ فتنے جن میں جناب پیغمبر اسلامؐ مبتلا ہوئے۔

اسی طرح پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد وجود میں آنے والے مختلف فتنے جن سے مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کو دوچار ہونا پڑا۔ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اسلامؐ کی حیات بابرکت میں آپ کے فتنوں سے نجات حاصل کرنے والے طریقہ کار کو یاد دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو بھیجا اپنے مشہور دین (اسلام) کے ساتھ جس کے ساتھ اس کی تائید میں مہر نبوت اور تحریر شدہ کتاب قرآن مجید تھی اور ایک روشن اور چکاچوند کردینے والا نور تھا اور ایک محکم اور مستحکم امر عطا فرمایا تاکہ شبہات کو برطرف کرے اور واضح دلائل وبراہین کے ذریعہ حجت تمام کرے۔ اور آیات الٰہی کے ذریعہ ڈراسکے۔ اور اس کے تاریخی عتاب سے خوف زدہ کرسکے۔ اس نبی مکرمؐ کو اس دور میں بھیجا گیا جب لوگ فتنوں کی بھیانک تاریکی میں زندگی بسر کررہے تھے اس دور میں دینی

رابطے توڑے جا چکے تھے اور انسانی زندگی بکھری ہوئی اور پراکندہ تھی ایسی وحشت ناک زندگی سے باہر نکلنے کا راستہ انتہائی تنگ اور محدود ہوگیا تھا پھر بھی آپ نے انہیں اس سے باہر نکلنے اور ہدایت کی راہ دکھائی۔

فتنے کے نقصانات

سماجی، سیاسی اور عقائد کے فتنے انسانی سماج کے لئے انتہائی سنگین نقصانات کا سبب ہوتے ہیں۔ انہیں نقصانات اور خطرات کی بنا پر ہی تمام اقدار منصوبے اور بلند مقاصد خاک میں مل جاتے ہیں۔ جیسا کہ رحلت پیغمبر اسلامؐ کے بعد وجود میں آنے والے نقصانات بہت خطرناک تھے کہ ان کے منفی اثرات اور منحوس نتائج کا سایہ آج تک باقی ہے اور آج تک اس کے درمیان سے نئے نئے فتنے اور شبہے جنم لے رہے ہیں گمراہیاں پیدا ہو رہی ہیں ان فتنوں کے نتیجہ میں جو نقصانات یا خطرات وجود میں آتے ہیں انہیں چند موارد میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ شبہات کا پیدا ہونا

اگرچہ ممکن ہے کہ فتنے خود شبہات کا نتیجہ ہوں لیکن خود فتنوں کا وجود شبہات کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: " جس وقت فتنے وجود میں آتے ہیں حق کو مشتبہ کردیتے ہیں اور جب فتنے ختم ہوجاتے ہیں تب ان سے واقفیت حاصل ہوتی ہے وہ فتنے بعض شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور بعض شہروں سے گزرتے ہوئے چلے جاتے ہیں"۔ (صبحی صالحی، ۱۳۸۷ھ ص ۱۳۷، خطبہ ۹۳)

۲۔ فساد پھیلانا

فتنے اگر پہچانے نہ جاسکیں اور لوگ ان سے پار نہ پاسکیں تو وہ سماج میں فساد پھیلانے کا کام کرتے ہیں اور تمام چیزوں کو نیست و نابود کردیتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ اسلام میں بنی امیہ کے فتنوں نے تمام اقدار کو خاک میں ملا دیا اور ہر طرح کے فساد اور تباہی و بربادی کا باعث قرار پایا۔

۳۔ سماج کے اتحاد کو نقصان پہونچانا

فتنے پورے سماج کو اپنے اندر سما لیتے ہیں اور اسے مختلف قسم کے نقصانات پہونچاتے ہیں اس لئے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: فتنے سے بچو اس لئے کہ وہ صرف تم پر ظلم کرنے والوں تک ہی نہیں پہونچتا ہے۔ (سورہ انفال، آیت ۲۵)

فتنہ برپا کرنے والے شروع میں اس بات کے لئے کوشاں رہتے ہیں کہ افراد کی شخصیت کو یہاں تک کہ خود انہیں جو ان کے خطرناک منصوبوں اور منحوس مقاصد کے پس منظر سے واقف ہوتے ہیں قتل کرکے اپنے راستے سے ہٹادیں۔

۴۔ فتنہ کا خود فتنہ کرنے والوں کو لے ڈوبنا

فتنہ برپا کرنے والے سوچتے ہیں کہ ان کے ذریعہ پھیلایا جانے والا فتنہ صرف مقابل کو نقصان پہونچاکر اسے تباہ وبرباد کرے گا اس کے ذریعہ خود انہیں کوئی نقصان نہیں پہونچے گا جبکہ ان کی یہ فکر بھی ان کے فتنہ کی طرح غلط اور گمراہ کرنے والی ہے۔ فتنہ کی چنگاری خود فتنہ کرنے والوں کو اپنا ایندھن بناکر اسے راکھ میں تبدیل کردیتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: جو فتنہ کی آگ بھڑکاتا ہے وہ خود اس کا ایندھن بن جاتا ہے۔ (صبحی صالحی، ۱۳۸۷ق، ص، ۴۲۰ وآمدی، ح ۷۷۸۲)

۵۔ حق وباطل کے معیار کو ختم کردینا

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: جب فتنے سر اٹھاتے ہیں تو وہ بہت سے امور کو مشتبہ کردیتے ہیں اور جب فتنوں کا طوفان خاموش ہوجاتا ہے تب حقیقت واضح اور آشکار ہوتی ہے۔ (صبحی صالحی، ۱۳۸۷، ق، ص ۱۳۷، خطبہ ۹۳)

فتنوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خطرہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت تمام چیزیں مشتبہ ہوجاتی ہیں اور فتنہ کرنے والوں کے سربراہ جو سماج کے بظاہر نمایاں افراد ہوتے ہیں اپنی چال بازیوں سے تبلیغات اور پروپگنڈے کے ذرائع پر قبضہ کرکے پوری فضا اپنے حق میں کرلیتے ہیں اور اس طرح حق وباطل کو آپس میں خلط ملط کردیتے ہیں جیسا کہ تاریخ میں طلحہ اور زبیر کے حالات میں اس صورت حال کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ ان لوگوں نے تمام امور کو مشتبہ کردیا اور حق کی جگہ باطل کو پیش کیا اور جمل کے میدان میں اکٹھا ہوکر عدالت کے سرپر ظلم وستم کی تلوار سے وار کیا۔

یہیں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ فتنے شبہات کی آغوش میں کیونکر پروان چڑھتے ہیں اگر شبہات پیدا نہ ہوں تو فتنے بھی پیدا نہیں ہوں گے۔

۶۔ فضا کو آلودہ کردینا

فتنوں کا ایک اور بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے فضا مکدر ہو جاتی ہے اور اس آلودگی اور مکدر کے نتیجے میں لوگ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں جیسے اگر کوئی شخص کبھی خاک کے بھنور میں پھنس جائے تو وہ نہ خود کو کنٹرول کرسکتا ہے اور نہ ہی اس بھنور سے باہر نکل سکتا ہے۔ آخر کار حیران وسرگرداں ہو کر گمراہی اور تباہی وبربادی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اس کیفیت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

وہ لوگ خاک کے بھنور بنکر گھومتے رہتے ہیں وہ بھنور جو بعض شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور بعض شہروں سے ہو کر گزر جاتی ہے تو بعض شہر گھاس کے تنکے کی طرح اڑ جاتے ہیں اور اس بھنور کے پیچ جس جگہ سے گزرتے ہیں اسے ویران کرتے چلے جاتے ہیں۔ (صبحی صالحی، ۱۳۸۷ق، ص ۱۳۷، خطبہ ۹۳)

فتنہ کرنے والوں کی باگ ڈور فتنہ کے بھنوروں کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ فتنے خود ان کے بس میں بھی نہیں ہوتے اور جب فتنہ بھڑک چکا ہوتا ہے تو وہ فتنے کے ہاتھوں میں اسیر ہو جا ہوتے ہیں۔

خود غرضی اور دکھاوا

فتنہ، خود غرضی اور دکھاوے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ البتہ یہ خود غرضی اور خود پرستی اختلافات، اور افتراق کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ ریاست طلبی، دنیا پرستی، بدعتیں، غیروں کا آلہ کار بننا، شبھے پیدا کرنا، اختلاف ڈالنا، بغض وکینہ پھیلانا، قتل کرنا، غیر مہذب ثقافت کا رائج ہونا، جذبات کو بھڑکانا ہے۔ دین کو اپنی دنیا کے لئے وسیلہ بنانا وغیرہ جیسے نہ جانے کتنے خطرات پیدا ہوتے ہیں جن کی تفصیل سے چشم پوشی کی جارہی ہے۔

فتنہ کے اسباب

فتنہ پھیلانے کے مواقع اور فتنے کے اسباب کیا ہیں؟ اس پر روشنی ڈالنا بہت اہم ہے۔ اس سلسلے میں ہم یہاں دو باتوں کو واضح طور پر بیان کریں گے:

۱۔ حقیقت سے ناواقفیت

حقیقت، دینی تعلیم اور سماج میں موجود واقعات دونوں کو شامل ہے یعنی یہ کہ یہ واقعات حقیقت سے کتنے ہماہنگ ہیں اور ان میں کتنی حقیقت پائی جاتی ہے۔ ہمارے سماج میں رونما ہونے والے بہت سے واقعات بظاہر حقیقت نظر آتے ہیں لیکن اصل میں حقیقت کے بالکل خلاف اور متضاد ہوتے ہیں۔ حقائق سے ناواقف اور جاہل افراد، شک وتردید میں مبتلا ہوتے ہیں اور آخر کار ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہو جاتے

ہیں۔ جہالت ان امور میں سے ہے جو ہمیشہ حقائق کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے کہ جہالت انسان کی معنوی اور اخروی ترقی اور سعادت وکمال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ جہالت ہے جو زندگی کی تباہی اور بربادی کی علامت ہوتی ہے۔

جہالت میں اگر ہٹ دھرمی پیدا ہو جائے تو اس کا خطرہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے اس لئے کہ جہالت صرف ناواقفیت ہے لیکن ہٹ دھرمی حقائق سے ٹکراؤ کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔

ضد اور ہٹ دھرمی جو جہالت سے بدتر ہے اس سے مراد تحقیق کی مخالف روح اور یہ ایک ایسی حالت ہے انسان کی زندگی کے سب سے مقدس عمل یعنی تحقیق کے جذبہ کو سلب کرلیتی ہے، اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح ضد اور ہٹ دھرمی، جہالت بدتر ہے اسی طرح تحقیق کا جذبہ علم سے بہتر ہے۔ علم اس وقت قابل احترام اور مقدس ہوتا ہے جب اس کے ساتھ ساتھ تحقیق کا جذبہ بھی پایا جاتا ہو اور تحقیق کا جذبہ تب ہی پیدا ہوتا ہے جب انسان اپنی کم علمی اور ناواقفیت کا معترف ہو۔ (مطہری، بی تا، ج ۳، ص ۳۳۵)

جہالت، تعلیم کا نہ ہونا اور معلومات سے ناواقفیت ہے، مسائل کو نہ سمجھ پانا، نتائج سے ناواقف رہ جانا ہے جہالت کا مطلب، حقیقت میں تجزیہ اور تحلیل کی صلاحیت کا نہ پایا جانا ہے۔ اس لئے کہ اگر انسان کے پاس معلومات کا ذخیرہ ہو لیکن قوت فہم وادراک نہ پائی جاتی ہو تو وہ صرف مطالب پر اکتفا کرلیتا ہے۔ ایسے افراد خطرناک اور موذی تحریکوں کا آلہ کار بن کر ان کے منصوبوں پر عمل درآمد کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور ان کے ظلم وستم کی چکی ان کے کاندھوں پر ہی چلتی ہے۔ جس کا سب سے نمایاں نمونہ نہروان کے خوارج ہیں جو جاہل، ناواقف، دنیا سے بیزار عبادت گزار افراد تھے۔ خوارج کی ایک سب سے نمایاں خصوصیت ان کی جہالت اور نادانی تھی اور ان کی ظاہری جہالت اور غلطی، کا نمونہ قرآن مجید کی عبارت اس کا مجلد ہونا اور اس کے معنی میں فرق نہ کرپانا تھا اس لئے وہ معاویہ اور عمر وعاص کے معمولی سے فریب میں آگئے۔ (مطہری، بی تا، ج۱۶، ص ۳۲۳)

اس طرح کے افراد اور گروہ کی جہالت کے خطرناک ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایسے افراد چالاک اور مکار افراد کا آلہ کار اور اسلام کی بلند ترین مصلحتوں میں راہ کا روڑہ بن جاتے ہیں۔ اور ستم یہ کہ بے دین منافق، بے وقوف اور احمق مقدس افراد کو اسلامی مصلحتوں کے خلافت استعمال کرتے ہیں۔ (حوالہ سابق ص ۳۳۶)

دین کے اصول سے ناواقفیت ہی مذکورہ خوارج کی کہانی کا اصلی سبب ہے یعنی شریعت کا احکام اور دینی اصول سے ناواقفیت اور دینی مسائل میں روشن فہم وفکر سے بے بہرہ افراد ہی جو فتنہ پھیلانے والوں کا آلہ کار بن جاتے ہیں۔ اگر تاریخ پر دقیق نظر ڈالیں تو نظر آئے گا کہ تمام تاریخی واقعات میں حق کی ناکامی

اور باطل پر اس کے غلبہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ صرف اور صرف جہالت رہی ہے ایسے ہی جاہل افراد تاریخ کے پر اسرار اور اذیت ناک سازشیں رچنے والے فتنہ پروروں کا آلہ کار رہے ہیں اور حق وحقیقت کے خلاف نبرد آزما نظر آتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے محاذ حق کی شکست حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور دیگر معصومین علیہم السلام کی مظلومانہ زندگی، شیعہ تاریخ میں امامت کا مسئلہ انہیں جاہلوں کی جاہلانہ کرتوت کا نتیجہ تھی۔ اسی بناپر جہالت وفکری جمود کے مقابلے میں جنگ وجہاد اور علم کی روشنی سے ذہنوں کو منور کرنا دوسروں کو زندگی عطا کرنے کے برابر اور ایک اہم ترین اسلامی کارنامہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام طالب علم کی توصیف اور بصیرت سے بے بہرہ جاہل کی مذمت میں جناب کمیل سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

بصیرت سے بے بہرہ دل ودماغ میں شبہ پیدا ہوتے ہی شک ایجاد ہو جاتا ہے۔ وہ اسے حیرانی وسرگردانی میں مبتلا کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں حق کی راہ میں صرف تھوڑے سے لوگ ہی باقی رہتے ہیں۔ (النعمانی، ۲۸، ۲۲ ۱۴)

حضرت علی علیہ السلام اپنے مشاہدات اور دوران امامت میں حاصل شدہ اہم تجربوں کی بنیاد پر جاہلوں کو ہر طرح کے فتنوں اور سازشوں کی آماجگاہ قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ چالاک وزیرک دشمنوں کے معمولی اشارہ پر فریب کھاجاتے ہیں۔

۲۔ اقتدار کی تمنا اور شہرت طلبی

اقتدار وحکومت کے بھوکے انسانوں کی جانب سے حق کے مقابلہ میں اقتدار کی تمنا اور شہرت طلبی بہترین حربہ ہے لیکن وہ لوگ حق سے مقابلہ کے لئے پہلے تھوڑا بہت حق کا چولا پہنتے ہیں پھر منافقت کرتے ہیں اور حق سے فائدہ اٹھاتے ہیں تاکہ بصیرت سے عاری جاہلوں کو اپنا مرید بنا کر اپنے بس میں کرلیں جیسا کہ حاکم شام نے خلوت میں دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مٹانے کے لئے صرف قسم ہی نہیں بلکہ اپنے باپ اور دادا کے نام کی قسم بھی کھائی لیکن اس نے اسی حق کی طاقت کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔

باطل، حق کا حق کی تلوار سے صفایا کرنے کا درپے ہوتا ہے۔۔۔ یہ وہی حق کی طاقت ہے جس کا وہ استعمال کرتا ہے جس طرح پیٹ کا کردار انسان کے بدن اور خون سے غذا حاصل کرنا ہے۔۔۔ ہر دور میں باطل نے حق سے فائدہ اٹھایا ہے اور اس کی طاقت کا استعمال کیا ہے مثال کے طور پر سچائی حق ہے اور جھوٹ باطل۔ اگر کائنات میں سچائی نہ رہ جائے تو جھوٹ بھی ختم ہو جائے گا۔ (مطہری، ج ۲۳، ص ۴۴۳)

اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: بے شک فتنوں کا آغاز ان خواہشات نفس سے ہوتا ہے جن کے لوگ تابع واسیر ہوتے ہیں اور ان احکام سے بھی ہوتا ہے جس کا تعلق بدعتوں سے ہوتا ہے اور ان ہی بدعتوں کے ذریعہ احکام الٰہی کی مخالفت کی جاتی ہے۔ پھر کچھ لوگ اسی کے جھانسے میں آجاتے ہیں اور ایک گروہ کی شکل اختیار کرکے دین خدا کے برخلاف لوگوں پر حکومت کرنے لگتے ہیں۔ اب اگر باطل، حق سے بالکل الگ ہوگا اور حق کا چہرہ نہ اپنائے تو حق پسند لوگ منحرف وگمراہ نہیں ہوں گے۔ اور اگر حق کی آمیزش باطل سے جدا ہو کر آزاد ہو جائے تو بد فکروں کی زبان ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ حق وباطل کو جب تھوڑا تھوڑا ایک دوسرے سے مخلوط کر دیتے ہیں تو شیطان اپنے دوستوں پر مسلّط ہو جاتا ہے۔ اور وہ بچ نکلتے ہیں۔

اس سلسلہ کے آخری تجزیہ پر ہم اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ دینی استحصال اور معاشرہ میں دینی تعلیم کی ناکامی کی اصل وجہ مذکورہ گروہ ہے یعنی اپنی ہٹ دھرمی اور منجمد فکر پر قائم رہنے والے جاہل اور ہر طرح کے دینی افکار و نظریات سے عاری، حق وانصاف سے خالی اقتدار پسند لوگ بلکہ ذاتی مفاد کے اسیر، تاریخ کے زور گو وظالم اور حکومت واقتدار کے لئے کسی حد تک گزر جانے والے لوگ کہ البتہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ تمام لوگ مدعی دین ہیں اور اپنی شیطانی آرزوں تک پہونچنے کے لئے دین کا استعمال کر رہے ہیں۔

فتنوں سے گزر جانے میں بصیرت کا کردار

اس میں شک نہیں ہے کہ فتنوں، آزمائشوں اور بحرانوں کی کشاکش میں اور سیاسی، سماجی مشکلوں میں، طاقت وقوت، جوہر ایمان، عقل وخرد کا استحکام وپختگی اور حقیقت پسند وحقیقت پرست مردوں کی ثابت قدمی، ظاہر وآشکار ہوتی ہے۔ غداروں، مکاروں اور فریب کاروں کے بھڑکائے ہوئے ان مہلک فتنوں کے دوران کہ جن کا نشانہ لوگوں کا دین وایمان ہوتا ہے ان ہی میں انسان کی حقیقت کا جوہر نمایاں ہوتا ہے۔

جو عامل وعلت ایسی حقیقت کا سبب ہوتی ہے اسے بصیرت کہتے ہیں بحث کی ابتداء میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ فتنوں اور مشکلوں کے دوران بصیرت کا فقدان، نقصان کا باعث ہوتا ہے۔

بصیرت وروشن بینی، آزمائشوں سے گزرنے میں بے مثال کردار ادا کرتی ہے۔ جیسا کہ بلند بصیرت اور عمیق نظری کی بنا پر حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

اے لوگو! جان لو کہ میں نے تاریکی چھا جانے اور شدید ہو جانے کے بعد فتنہ کی آنکھوں کو اس کے کاسۂ سر سے نکال لیا ہے۔ حالانکہ کسی دوسرے میں اس کی جرأت نہیں تھی۔ (صبحی صالح ۱۳۸۷ھ، ۱۳۷، خطبہ ۹۳)

حضرت علی علیہ السلام نے معاشرہ کو فتنہ سے نکالنے کے لئے اہم اقدام کئے ہیں۔ جمل کے واقعہ میں آپ نے بے حس اور غیر جانب دار بننے والوں کو مخاطب کیا ہے اور بارہا طلحہ وزبیر سے گفتگو کی ہے یہاں تک کہ آپؑ اس بات پر بھی تیار ہوگئے تھے کہ اپنی ذاتی ملکیت میں سے انہیں کچھ دیدیں تاکہ وہ حرص وطمع میں نہ پڑیں اور مال جمع کرنے کی فکر چھوڑ دیں اور فتنوں کے سر ابھارنے کا سبب نہ بنیں۔

ایک خطبہ میں آپؑ نے اہل کوفہ کو درس بصیرت دینے کی غرض سے خطاب کرتے ہوئے فتنہ پرور لوگوں کو اس طرح رسوا کیا ہے:

اے گروہِ عرب! تم اب بھی ایسی بلاؤں سے نشانہ پر ہو جو قریب آچکی ہیں، نعمتوں کے نشہ سے پرہیز کرو اور ایسی بلاؤں سے ڈرو جو تمہارے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ حوادث کے گرد وغبار میں حقیقت کو صحیح طریقہ سے نہیں دیکھا جاسکتا، فتنوں کی کجروی سے ہوشیار رہو۔ جس وقت فتنہ سر ابھار رہا ہو اور اس کا باطن ظاہر ہو رہا ہو، اس کا کھونٹا مضبوط ہو رہا ہو اور اس کی چکی اپنے محور پر استوار ہو رہی ہو اس وقت تم باریک بینی اور بصیرت سے کام لو۔ فتنے خفیہ راستوں سے شروع ہوتے ہیں اور بتدریج شدید وآشکار ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کا آغاز جوانوں کے شباب جیسا ہوتا ہے۔ لیکن فتنوں کے آثار نقش کالحجر ہوتے ہیں۔ ظالم ان فتنوں کو آپسی عہد وپیمان کے مطابق ایک دوسرے سے میراث میں پاتے ہیں ان ظالموں میں سے پہلا ان کے آخر کا رہبر و قائد ہوتا ہے اور ان کا آخر پہلے کی پیروی کرتا ہے۔ یہ پست دنیا کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں اور اس پر ایسے ٹوٹتے ہیں جیسے بدبودار مردہ پر کتّے ٹوٹتے ہیں لیکن زیادہ وقت نہیں گزرتا ہے کہ ہر مرید اور رہبر اپنے پیروؤں سے بدظن ہو جاتا ہے اور وہ بغض وکینہ کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور ملاقات کے وقت ایک دوسرے پر لعنت وملامت کرتے ہیں۔ دیکھو اس کے بعد لرزہ براندام کر دینے والا کمر شکن اور تباہ کن فتنہ سر اٹھائے گا۔ اس وقت جب یہ فتنہ سر اٹھائے گا اس وقت دل استقامت کے بعد ٹیڑھے ہو جائیں گے، عقائد مشتبہ ہو جائیں گے، جو شخص ان سے مقابلہ کے لئے اٹھے گا یہ اس کی کمر توڑ دیں گے اور جو ان فتنوں کو دبانے کی کوشش کرے گا یہ اسے نابود کر دیں گے۔ (صبحی صالح ۱۳۸۷ھ، ص۲۱۰، خطبہ ۱۵۱)

دینی معلومات، بصیرت کا سرچشمہ

صاحب عقل و نظر کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ دین، فہم کی حد تک، خود بصیرت کا سرچشمہ ہے۔ دین کے عدم ادراک سے بصیرت کا فقدان ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے دین میں تفقہ کے نام سے ایک مسئلہ پیش کیا ہے کہ جس کے معنی در حقیقت دینی علم سے کہیں زیادہ بلند ہیں، حقیقت یہ ہے کہ دینی علم اور دینی تفقہ الگ الگ ہیں۔ علم کا ایک عام مفہوم ہے یہ ہر ان معلومات کو شامل ہے جو دین کے بارے میں حاصل ہوتی ہوں۔ اور اگر دین ان معلومات کی بنیاد ہو تو انہیں دینی علم کہتے ہیں۔ مثلاً دینی تاریخ، معاشرہ، دین شناسی، دینی فقہ، کلام دینی وغیرہ۔ لیکن فقہ کا مفہوم اس سے وسیع ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص دینی علم کا حامل ہو لیکن حقیقت میں اس نے تفقہ نہ کیا ہو۔ کیونکہ تفقہ، عمیق فہم، ہمہ جہت اور خالص دین ہے۔

قرآن مجید، رسول اکرمؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے ماثور روایات میں، دین میں تفقہ کا مکرر امر ہوا ہے۔ ان روایات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مسلمان تمام امور میں گہرائی اور کمال بصیرت کے ساتھ اسلام کا ادراک کریں۔ البتہ دین میں تفقہ، جو کہ اسلام کا مطمح نظر ہے، تمام اسلامی امور کو شامل ہے۔ چاہے وہ اسلامی اعتقاداتِ کے اصول اور اسلامی کائنات سے مربوط ہوں یا اخلاقیات، اسلامی تربیت یا اسلامی سماجیات یا اسلامی عبادات یا اسلام کے شہری قوانین اور یا انفرادی واجتماعی زندگی میں خاص اسلامی آداب سے مربوط ہوں۔ (مطہری، ۱۵، ۵۷۱۳اش)۔

دین کا عمیق اور ہمہ جہت ادراک اور پھر اس کو معاشرہ میں پہونچانا (جو کہ حقیقت میں دینی علماء اور دین کے بلند مفاہیم کو بیان کرنے والے نمایاں لوگوں کی ذمہ داری ہے) اجتماعی نظام میں ایک اہم کام ہوگا یعنی دین کو اس کی تمام جہتوں کے ساتھ بیان کیا جائے اور سطح بینی کو چھوڑ دیا جائے اور اعتقادی حلقہ پر اکتفا نہ کی جائے تو اس فضا میں ایسی شخصیتیں پرورش پائیں گی جو درج ذیل اہم امور کو انجام دے سکیں گی:

۱۔ عقیدتی اور بامقصد جہاد سے موانع کو برطرف کرنا: حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: صدرِ اسلام کی جنگیں جو تمام اطراف وجوانب کو مد نظر رکھ کر لڑی جاتی تھیں، در حقیقت وہ عقیدتی و بامقصد اور آئیڈیالوجیکلی جنگ تھیں اور ان میں کامل فہم اور عمیق بصیرت سے کام لیا جاتا تھا وہی جنگ وجہاد کامیابی سے ہمکنار ہوتے تھے جو جاہلی مشترک عقائد کی جگہ اسلامی عقائد کو پیش کرتے تھے۔

وحی کی آیات کے نزول کے ذریعہ ان کی بصیرتیں درخشاں ہوتی تھیں اور قرآن کی خالص و صحیح تفسیر ان کے کان میں رس گھولتی تھی انہوں نے اپنی بصیرتوں کو تلوار پر حمل کیا۔ (صبحی صالح ۱۳۸۷ھ ص۲۰۹، خطبہ ۱۵۰)۔

۲۔اقتدار آفرین فہم: بقول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ایسا فہم وشعور اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس طرح کا شخص دوسو یا اس سے زیادہ کے برابر ہو۔(یعنی اکیلا دوسو کا مقابلہ کر سکے)۔

۳۔حق کی صفوں کا باطل سے جدا ہونا اور دین میں باطل کی شمولیت کا نہ ہو: ایسا فہم وشعور حق کی صفوں کے باطل سے جدا ہونے اور دین میں باطل کے شامل نہ ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

۴۔سر اٹھانے سے پہلے فتنوں کو پہچاننا: عمیق وہمہ جہت فہم وشعور کے ذریعہ دینی معاشرہ میں سر اٹھانے والے فتنوں کو ابتداء ہی میں پہچان لیا جاتا ہے اور انہیں اولین فرصت میں دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۵۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو عام کرنے میں شریک ہونا: اس طرح کا بصیرت آمیز فہم اس بات کا سبب بنتا ہے کہ متدین اور دیندار افراد اپنی دینی ہویت وشناخت سے دفاع کریں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے متروک فریضہ میں اجتماعی طور پر شرکت کریں۔

فتنہ کے دوران بصیرت کی علامتیں

فتنہ پردازی، قتل سے بڑا جرم ہے چونکہ یہ انسانوں کے انسانی اقدار اور حق کی نابودی کا اہم ترین سبب ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے فتنہ کو قتل سے بڑا جرم قرار دیا ہے۔ "اَلْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنْ الْقَتْلِ" (سورہ بقرہ ،آیت ۲۱۷) فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے۔ فتنہ وفساد کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی خلافت وحکومت کے دعویداروں کی صورت میں ہوتی ہے۔ کبھی حکومت الٰہیہ کی تباہی وبربادی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے کہ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اجتماعی میدان میں تفرقہ وتشتت، دشمنی وکینہ توزی اور کجروی پیدا ہوتی ہے۔ بصیرت فتنہ شناسی اور اسے دفع کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ البتہ صرف بصیرت کا نعرہ کافی نہیں ہے بلکہ میدان عمل میں بھی اس کے لئے قدم اٹھانا چاہئے۔ بصیرت یابی اور اس کا حصول خود کو علامتوں اور نشانیوں سے پہنچوا دیتا ہے۔اس کی علامت ونشانی درج ذیل ہیں:

ا۔حق کی پہچان اور باطل سے اس کا ٹکراؤ

حق وباطل کو پہچاننا اور حق کے محاذ میں شامل ہونا اور باطل سے جنگ کرنا، بصیرت اور اس سے متصف ہونے کی اہم ترین علامت ہے۔ بصیرت کے سبب انسان اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ حق وباطل کے محاذ میں فرق کا قائل ہو جاتا ہے۔

جب کوئی معاشرہ آرام واطمینان سے مالا مال ہو یعنی کسی بڑے امتحان وآزمائش سے نہ گزرا ہو تو انسان تمام لوگوں کو یکساں محسوس کرتا ہے، سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے، سب کو ایک دوسرے کی شبیہ سمجھتا ہے، سب کو ایک دوسرے کے مانند خیال کرتا ہے یہاں تک کہ معاشرہ کسی شدید حادثہ یا قرآن کی زبان میں کسی امتحان سے دوچار ہو جائے اور ایک وقت انسان اس معاشرہ کو دیکھتا ہے تو اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے لوگوں کو چھلنی سے چھانا گیا ہے، پتلے دبلے ایک طرف اور موٹے تازے ایک طرف ہو گئے ہیں۔ کچھ ادھر تو کچھ ادھر ہو گئے ہیں یا آج کی اصطلاح میں یوں کہا جائے کہ صفیں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتی ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ بہت افسوس کی بات ہے چونکہ ایک مرتبہ انسان یہ دیکھتا ہے کہ جن لوگوں سے کسی بات کی توقع نہیں تھی وہ حقیقت میں بھی ویسے ہی نہیں لیکن باریک بیں لوگوں کے نقطۂ نظر سے یہ کہنا چاہئے کہ اچھا ہوا کہ صفیں ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں۔ جب صفیں الگ ہو گئیں تو پاک الگ اور گندے جدا ہو گئے ظاہر ہے پاک لوگوں کا انجام نیک ہوگا اور نجس لوگ جہنم میں جائیں گے: "فَيَجْعَلَهٗ فِي جَهَنَّمَ" (سورہ انفال، آیت ۳۷؛ مطہری، ص ۵۲، ۱۳۸۱)

معاشرہ میں حق و باطل کے درمیان ہونے والی شدید رسہ کشی اور اختلاف کے جو فوائد ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ صفیں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتی ہیں۔ یہ بات اچھی ہے کہ صفیں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں چونکہ اس صورت میں اہل بصیرت اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ (مطہری، ص ۲۴۲، ۱۳۷۸)۔

صفوں کا جدا ہونا، بصیرت کا نتیجہ ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ حق باطل سے جدا ہو جاتا ہے اور فرد اپنے برحق موقف پر قائم واستوار رہتا ہے اور فتنوں کے مہلک حوادث میں نابود نہیں ہوتا ہے۔

تاریخ اسلام میں ایسے بھی غم انگیز حوادث رونما ہوئے ہیں کہ لوگوں نے اپنی بصیرت کو گنوا دیا اور حق و باطل کی شناخت سے محروم ہو گئے۔ مثلاً ربیع بن خثیمی کہ جس نے اپنی قبر خود کھودی تھی، روز جاتا تھا قبر میں اترتا تھا اور خود سے کہتا تھا: یاد رکھو کہ تمہارا آخری ٹھکانہ یہی ہے۔

یہی شخص امیر المومنینؑ کے عہدِ خلافت میں آپ کی فوج میں شامل تھا۔ ایک روز امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: " یا امیرالمومنین انا شککنا فی ھٰذا القتال" اے امیر المومنینؑ اس جنگ کے بارے میں ہمیں شک ہے۔ "اِنَّا" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنہا نہیں تھا۔ ایک جماعت کا نمائندہ تھا۔ ہم کو اس بارے میں شک ہے کہ یہ جنگ شرعی ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم اہل قبلہ سے جنگ کر رہے ہیں، ہم ان لوگوں سے لڑ رہے ہیں جو ہماری طرح کلمہ شہادتین پڑھتے ہیں، ہماری مانند نماز پڑھتے ہیں، ہماری طرح قبلہ رو کھڑے ہوتے ہیں۔ (مطہری، ص ۱۳۳، ۱۳۷۴) یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ

جنگ صفین میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ ہرگز حق کی معرفت نہیں رکھتے تھے۔ معاویہ وعمر وعاص کے مکر وحیلہ سے انہوں نے نیزے پر قرآن بلند کیا اور علیؑ کے مخالف محاذ میں شامل ہوگئے۔ یہی لوگ مسئلہ حکمیت اور فرقۂ خوارج کے وجود میں آنے کا سبب بنے ہیں۔

لیکن اسی جنگ میں ہم عمار یاسر کو دیکھتے ہیں جو ایک شک کرنے والے کے جواب میں کہتے ہیں: یہ جھنڈا جو میں تمہارے مقابلہ میں دیکھ رہا ہوں اس کو میں نے زمانۂ رسولؐ میں تین بار اسی شخص (عمرو بن عاص) کے ہاتھ میں رسولؐ کے مقابل دیکھا ہے۔ یہ چوتھی بار ہے۔ جان لو کہ یہ کفر کا محاذ ہے اور ہمارا محاذ ایمان کا محاذ ہے۔ (نصر بن مزاحم، ص ۲۰۴، ۱۳۶۵)

ایسا مقابلہ حق کی قطعی شناخت کا نتیجہ ہوتا ہے، یہ عمار کے ذریعہ انجام پایا ہے جو کہ اعلیٰ بصیرت کے حامل ہیں۔

۲۔ یقین کی بنیاد پر عمل

فتنہ کے دوران سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں، صفیں پراکندہ ہو جاتی ہیں، صف بندیاں صرف ایک دکھاوا ہوتی ہیں۔ حقیقت سب کے لئے قابل تشخیص نہیں ہے۔ بصیرت رکھنے والا انسان یقینی امور کو اپنی گردش کا محور ومعیار قرار دیتا ہے۔ اپنے نفس پر اعتماد کرتے ہوئے قدم اٹھاتا ہے۔ قرآن مجید اور روایات اسی کو سیدھا اور بہترین راستہ قرار دیتے ہیں کہ بصیرت رکھنے والا انسان بغیر کسی شک وشبہ کے یقین اور نفس پر اعتماد کے تحت عمل کرتا ہے۔

"یقیناً جان ومال کے ذریعہ تمام انسانوں کا امتحان ہوتا ہے اور تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئی ہیں اور بعض مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنوگے اور اگر آپ استقامت وثبات سے کام لیں اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں (تو یہ بہتر ہے) کیونکہ استقامت وتقویٰ اہم چیز ہے۔ (سورہ آل عمران، آیت ۱۸۶)

انہیں باتوں کو حضرت علیؑ نے بھی نہج البلاغہ میں بیان فرمایا ہے: یقینا جس شخص کے لئے وعظ ونصیحت روشن ہوگی (اس کا راستہ بھی معین ہوگا) تقویٰ اسے آئندہ کی عقوبتوں کے پیش نظر شبہات وشکوک سے بچاتا ہے۔ (وہ یقین کے مطابق عمل کرتا ہے اور حق تک پہونچ جاتا ہے۔ (صبحی صالح، ص ۵۷، ۱۳۸۷ھ)

اسی طرح حضرت علی علیہ السلام صاحبان بصیرت کو دل کی گہرائی سے یاد کرتے ہیں اور ان کی اچھی یاد پر قدر کرتے ہیں: کہاں ہیں میرے وہ بھائی جنہوں نے حق کی راہ میں قدم اٹھایا اور حق کے راستہ پر

چلے گئے۔ کہاں ہیں عمار؟ کہاں ہیں ابن تیہان کہاں ہیں ذوالشہادتین اور عمار جیسے لوگ کہاں ہیں؟ میرے وہ بھائی کہاں ہیں؟ جنہوں نے موت سے عہد و پیمان کیا اور ان کے سر (ہدیہ کے طور پر) ذلیل و فاجر اور ظالم کے سامنے پیش کئے گئے۔ (صبحی صالح، ۱۳۸۷، ص ۲۶۴، خطبہ ۱۸۲)

حضرت علیؑ سے ان کلمات کی روایت کرنے والے نوف بکالی کہتے ہیں: اس کے بعد حضرت علیؑ نے دست مبارک سے اپنی داڑھی کو پکڑا اور دیر تک روئے پھر فرمایا: ہائے میرے وہ بھائی جنہوں نے قرآن پڑھا اور اسے محکم بنایا۔ واجبات کے بارے میں غور کیا اور معرفت کے ساتھ انہیں بجالائے۔ انہوں نے سنتوں کو زندہ کیا اور بدعتوں کا گلا گھونٹ دیا۔ انہیں جہاد کے لئے پکارا تو انہوں نے لبیک کہا وہ اپنے قائد ورہبر پر ایمان رکھتے تھے اور اس کی اطاعت کرتے تھے۔

۳۔ منحرف لوگوں کے مقابلہ میں جرأت وہمت کا مظاہرہ

بصیرت کا بنیادی ستون دشمن شناسی اور منحرف لوگوں کی شناخت ہے، اور یہ ان اسباب میں سے ایک ہے کہ جن کا حامل انسان اپنے داخلی اور خارجی دشمنوں کے مقابلہ میں انقلاب اور جرأت مندانہ اقدام کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے ایسی ہی بصیرت کے نتیجہ میں فرمایا ہے:

میں نے فتنہ کی آنکھوں کو اس کے کاسۂ سر سے نکال لیا ہے۔ میرے علاوہ کسی دوسرے میں اس کام کی جرأت وہمت نہیں تھی۔ (صبحی صالح ۱۳۸۷ھ، ۱۳۷، خطبہ ۹۳)

نہروان کے خوارج کے فتنہ کے بارے میں حضرت علیؑ نے خوارج کے انحراف کی بنا پر ان کی بظاہر حق پر مشتمل باتوں کو فیصلہ کا معیار قرار نہیں دیا بلکہ ہمیشہ ان کی کج فہم باتوں کا جواب اس طرح دیا: بات حق ہے لیکن اس سے ان کی مراد باطل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قانون بنانا خدا کا کام ہے۔ لیکن خوارج یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی بھی حکومت نہیں کرسکتا اور اس کے علاوہ کوئی بھی امیر نہیں ہوسکتا۔ بہرحال لوگوں کو حاکم کی احتیاج ہے خواہ حاکم نیک ہو یا بد۔ (یعنی اگر نیک حاکم نہ ہو تو بد سہی لیکن اس کا ہونا ضروری ہے) ایسے حاکم کی حکومت میں مومن اپنا کام خدا کے لئے انجام دے گا اور کافر اپنی دنیوی زندگی سے بہرہ مند ہوں گے۔ راستے پرامن ہوجائیں گے یہاں تک کہ خدا اس کا قصہ ختم کردے گا۔ کمزور وناتواں کا حق ظالم و شہ زور سے لے لیا جائے گا یہاں تک کہ نیک لوگوں کو آرام نصیب ہوگا اور بدکاروں کے شر سے نجات پائیں گے۔ (صبحی صالح ۱۳۸۷ھ، ۸۲، خطبہ ۴۰)۔

بابصیرت اور حقیقت بیں اشخاص اپنے (نفس) سے جنگ کرتے ہیں شک وتردید نہیں کرتے یعنی انحرافی اور خطرناک افکار و نظریات سے جنگ کرنا ایک الٰہی تحریک ہے کیونکہ انحرافی افکار وخیالات شیطان اور دشمن کے حربے ہیں۔

۴۔افق دید کااونچااور بلند ہونا(دور اندیشی)

بابصیرت لوگ بلند نظر اور دوراندیش ہوتے ہیں۔حوادث کے ظاہر ہونے سے پہلے اس کا سراغ لگالیتے ہیں بلکہ ان کا مشاہدہ کرلیتے ہیں۔

دور اندیشی اس بات کاسبب ہوتی ہے کہ اس کاحامل انسان حوادث کی گہرائی کو دیکھ لے اور ظواہر پر اکتفانہ کرے۔اس مقولہ کے معنی یہ ہیں کہ بابصیرت انسان نے بلند نظری کو حاصل کرلیا ہے اور وہ فتنہ کی امواج کو ہر لباس وپیرایہ میں دیکھ لیتا ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

اے لوگو! کشتی نجات کے ذریعہ فتنہ کی موجوں کو کچل دو اور اختلاف وانتشار سے پرہیز کرو، فخر فروشی کے تاج کو اتار دو، وہ کامیاب ہوا جو مددگاروں کے ساتھ کھڑا ہو یا کنارہ گیری کرکے لوگوں کو آرام بخشے۔ایسی حکومت وحکمرانی کی مثال گندے پانی اور گلے میں پھنسنے والے لقمہ کی ہے۔اور جو شخص کچا پھل توڑتا ہے وہ اس کاشتکار کی مانند ہے جو دوسرے کی زمین میں کھیتی کرتا ہے۔ میں ایسے حالات سے دوچار ہوں کہ اگر میں کچھ کہتا ہوں تولوگ کہتے ہیں کہ حکومت کے حریص ہیں اور اگر خاموش رہتا ہوں تو کہتے ہیں: کہ موت سے ڈرتے ہیں۔ہر گز میں کہاں! اور خوف کہاں؟ان شدید جنگوں اور ناگوار حوادث کے باوجود خدا کی قسم ابوطالب کا فرزند راہ خدا میں موت سے اس سے کہیں زیادہ مانوس ہے جتنا بچہ ماں کے پستان وآغوش سے مانوس ہوتا ہے۔ میں نے جو خاموشی اختیار کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خفیہ علوم وحوادث سے آگاہ ہوں۔اگر میں انہیں بیان کردوں تو تم اس طرح تھر تھراؤگے جس طرح گہرے کنوؤں میں رسّی تھر تھراتی ہے۔ (صبحی صالح ۱۳۸۷ھ، ص ۵۲، خطبہ ۵)۔

اسلامی معاشرہ کے امام و قائد کا مخلصانہ اتباع

اسلامی معاشرہ کے امام و قائد کے اتباع کی ضرورت ہے، اعتقادی وفکری اور سماجی وسیاسی دونوں پہلو اہم ترین مسائل میں سے ہیں۔ جو اسلام کے سیاسی ومعرفتی نظریہ میں بیان ہوئے ہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

جو شخص خدا پر عقیدہ رکھتا ہے اور خود کو عبادت کے ذریعہ اس سے قریب کرنا چاہتا ہے اور قربت کے حصول کے لئے مشقت و سختی برداشت کرتا ہے تو وہ جان لے کہ عادل امام ور ہبر کے بغیر اس کی یہ کوشش مستحسن نہیں ہے۔ (خدا اس کی سعی وعبادت کو قبول نہیں کرے گا) حقیقت میں، وہ گمراہ وسرگرداں ہے اور خدا اس کے اعمال پر اسے ملامت کرتا ہے، اس کی مثال اس بھیڑ کی ہے جو اپنے چرانے والے اور گلہ سے بچھڑ گئی ہے۔ (کلینی ۱۳۸۷ھ، ج۱، ص ۲۳۰)

انحرافات، فتنے، تحریفیں اور بدعتیں اس جگہ پیدا ہوتی ہیں جہاں اسلامی معاشرہ میں (غیبت کے زمانہ میں) امام برحق اور عادل رہبر کا اتباع نہیں کیاجاتا، افراد اور گروہوں کا اصل امام و قائد سے منحرف ہونا اور اسلامی معاشرہ کے رہبر کی سیرت وہدایتوں سے منہ موڑنا اس بات کا سبب ہوا کہ اسلام کا سطحی مفہوم ابھر کر سامنے آئے اور اسی کو حقیقت سمجھا جائے۔ چنانچہ یہی چیز تباہ کن بحرانوں اور فتنوں کا سبب ہوتی ہے۔ اس حادثہ کے بعد اسلامی عقائد ودین میں بدعتوں کے ریشے پھیل گئے اور سماجی سطح پر بحران پیدا ہوگئے۔ صحیح اور حق رہبر و قائد کا مخلصانہ اتباع معاشرہ کو فتنوں، بدعتوں، انحرافات اور تحریفوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

دینی بصیرت خود اسلامی قیادت کے اتباع میں ظاہر ہوتی ہے جو کہ معاشرہ کا مرکز ومحور ہے۔ آج ولی فقیہ کا اتباع خالص اسلامی امامت کا اتباع ہے جس کے بارے میں حضرت علیؑ نے فرمایا ہے:

اے لوگو! تم نے تاریکیوں میں ہمارے وسیلہ سے ہدایت پائی ہے اور افتخار کی بلندی پر پہونچے ہو اور ہماری وجہ سے تمہیں مشکلوں سے نجات ملی ہے۔ بہرے ہوجائیں وہ کان جو حق کی بلند آواز کو نہیں سنتے، وہ لوگ دھیمی آواز کو کیا سنیں گے جو بلند آواز بھی نہیں سنتے ہیں! وہ دل اور زیادہ استوار و مضبوط ہوجائے جو مسلسل خوف خدا میں دھڑکتا ہے، میں تو شروع سے ہی تمہارے عذر ومکر کا منتظر تھا اور تمہارے چہروں پر فریب خوردہ جیسے لوگوں کے آثار دیکھ رہا تھا، مجھے دین کی چادر نے تم سے پوشیدہ کردیا ہے لیکن میری نیت کی صداقت نے تمہارے چہرے سے نقاب اٹھادی ہے اور تمہارا حقیقی چہرہ دکھادیا ہے میں تمہاری ہدایت کے لئے حق کے راستہ پر کھڑا ہوگیا، جب بے راہ روی وضلالت ہر طرف سے بڑھ رہی تھی اور تم حیرانی وسرگردانی کی حالت میں ہر راستہ پر چل دیتے تھے اور تم پیاسے تھے، تم زمین کھودتے تھے لیکن پانی نہیں پاتے تھے۔ (صبحی صالح ۱۳۸۷ھ ص۵۱، خطبہ ۴)

آپ کے یہ جملے کوفیوں کے ذہن ودماغ پر ہتھوڑے کی مانند پڑے یہ وہی لوگ تھے جو امام حق کا اتباع نہ کرکے گمراہی وضلالت میں مبتلا ہوگئے تھے۔

رہبر کا اتباع کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ راہ اور بلند مقصد کو پانا پھر اس پر چلنا ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو یہی روشن بصیرت کی دلیل ہے یہی طریقۂ کار کمال، مشکلات سے نجات، سرفرازی اور اسلامی معاشرہ کی عزت کا سبب ہوتا ہے۔

نتیجہ

بصیرت وروشن خیالی فتنہ سے گزرنے کے لئے واضح معیار اورالٰہی وپیغمبرانہ خصوصیت ہے۔ بصیرت انسان کی باطنی آنکھ ہے۔ یہ دینی زندگی کی ضرورت، حفاظت کی ضامن اور سلامتی وبقا ہے۔ کیونکہ معاشرہ میں فتنہ کے اسباب پائے جاتے ہیں، دینی افکار سے ٹکرانے والی طاقتیں، اندر اور باہر سے اسلامی فکر کو نشانہ بناتی ہیں اور فتنہ کو وجود دیتی ہیں۔ ایسی صورت حال میں بصیرت پرآشوب فتنوں سے گزر جانے کا سبب ہوتی ہے، فتنہ کے دوران بصیرت چند اہم نتائج دیتی ہے:

۱۔ فتنوں اور سازشوں کی شناخت

۲۔ نجات اور منفعت بخش عبرت

۳۔ معیار واصول کی بنیاد پر رہائی دینے والا عمل

۴۔ حقیقت یابی (حق بات تک پہونچنا)

اسی طرح اس نوشتہ میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ فتنہ کے چند ناخوش آیند نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ شک وشبہ کی بیماری لگ جاتی ہے

۲۔ پوری اجتماعی روش ورفتار پر ضرب لگاتا ہے۔

۳۔ اجتماعی مزاج میں انتشار پیدا کرتا ہے۔

۴۔ فتنہ گروں کو کھالیتا ہے (رسواوذلیل کرکے نظروں سے گرادیتا ہے)

۵۔ حق وباطل کے معیاروں کو ختم کردیتا ہے۔

۶۔ فضا کو گندہ اور ناخوشگوار کرتا ہے۔

۷۔ خودپرستی اور خودخواہی کا مظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح اس مقالہ میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ کچھ عوامل ایسے ہیں جن سے فتنہ پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے: حقیقت سے دوری، جہالت آمیز جمود، شہرت طلبی اور طاقت نمائی، ان دونوں تباہ کن چیزوں سے لڑنے اور فتنہ سے نجات دلانے کے لئے بصیرت کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں علم وآگاہی اور

دینی معاشرہ میں اس کا رواج وفروغ لازمی ہے۔ بصیرت کی کچھ نشانیاں ہیں جیسے حق کی معرفت، یقین کی بنیاد پر عمل، جرأت اور قاطعیت، بلند نظری، معاشرہ کے رہبر کا مخلصانہ اتباع۔

منابع وماخذ

قرآن کریم

۱۔ امام علی علیہ السلام (۱۳۸۷) نہج البلاغہ، صبحی صالح، بیروت، دار العلم۔

۲۔ راغب اصفہانی، ابی القاسم حسین بن محمد (۱۳۸۹)، مفردات الفاظ القرآن الکریم، قم، نوید اسلام۔

۳۔ کلینی، محمد بن یعقوب (۱۳۷۸)، اصول کافی، قم، جامعہ مدرسین۔

۴۔ مطہری، مرتضی (۱۳۷۵)، آشنائی باعلوم اسلامی، قم، انتشارات صدرا۔

۵۔ مطہری، مرتضی (۱۳۸۱)، دہ گفتار، قم، انتشارات صدرا۔

۶۔ مطہری، مرتضی (۱۳۷۴)، طہارت روح، ستاد اقامہ نماز، چاپ مہر۔

۷۔ مطہری مرتضیٰ، (۱۳۷۸) مجموعہ آثار، ج ۳، قم، انتشارات صدرا۔

۸۔ مطہری مرتضی (بی تا) ، مجموعہ آثار، ج۱۶، قم، انتشارات صدرا۔

۹۔ معین، محمد (۱۳۷۶) فرہنگ فارسی، ج۱، قم، نشر جامعہ مدرسین۔

۱۰۔ نصر بن مزاحم، ہارون عبد السلام (۱۳۶۵)، وقعہ صفین، تحقیق عبد السلام، محمد ہارون، دار احیاء الکتب العربی۔

دنیا سے متعلق حضرت علیؓ کی قرآنی بصیرت
(نہج البلاغہ کے تناظر میں)

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ دینیات (سنّی) مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

خاندان بنی ہاشم کے چشم وچراغ، اسلام کے بطل جلیل، مدرسۂ نبوت محمدیؐ کے موقر اور مستند ترین فیض یافتہ، شیر خدا، اسی عالم آب وگل میں جنت کی بشارت پانے والے اور چوتھے خلیفہ راشد ابوطالب ہاشمی اور فاطمہ بنت اسد کے نور نظر اور لخت جگر تھے۔آپ کو سرور کونین اور رحمتِ عالم ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد ہونے کاشرف حاصل تھا۔واقعہ عام الفیل سے تقریباً انتیس سالوں بعد اور بعثت نبوی سے تقریباً دس سال قبل ۵۵۹ء میں ماہ رجب کی تیرہ تاریخ کو بروز جمعہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ والدہ ماجدہ اور والد محترم دونوں کی طرف سے آپ کو ہاشمی النسب ہونے کاشرف حاصل تھا۔[۱]

یہ بات قابل ذکر ہے کہ والدۂ ماجدہ نے آپ کا نام اسد رکھا تھا جو بعد میں ضرورت شعری کی بناء پر حیدر یا حیدراً (حیدرہ) مشہور ہوگیا۔[۲] آپ کی ولادت کے وقت آپ کے والد محترم کو سخت معاشی دشواریوں کا سامنا تھا، چنانچہ رسالت مآب ﷺ نے اپنے انتہائی شفیق چچا کی پریشانیوں کے پیش نظر ننھے علی کی کفالت کابار اُٹھاتے ہوئے اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور سفارش کرکے دوسرے بیٹے ابو جعفر کواپنے عمّ محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کی سرپرستی میں دے دیا۔[۳]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان چارصحابہ کرامؓ میں سے ایک تھے جن کے خلفائے راشدین ہونے پر امت کا اجماع ہے اور جنھوں نے عملی طور پر اسلامی حکومت کے قیام کے ذریعہ دنیائے انسانیت کو زریں سبق دیا ہے۔بلاشبہ آپ نے اپنی سیرت و کردار اور سیادت وقیادت کی عظیم الشان مثالوں کی شکل میں بندگان خدا کے لیے بیش بہا اور نایاب خزینے چھوڑے ہیں۔ حضور

اکرم ﷺ کی دعوت اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہنے والی چار معزز ترین ہستیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ہاں علمائے اہل سنت اور علمائے اہل تشیع کے مابین یہ معاملہ مختلف فیہ ہے کہ آیا آپ نبی اکرم ﷺ کے اولین اور جاں نثار شریکۂ حیات حضرت خدیجہؓ کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں یا یارغار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد تیسرے نمبر پر ہیں۔[۴] اسلام کے ان چار اہم ترین ستونوں کے مابین اولیت کا معاملہ تو محل نزاع یا مختلف فیہ ہوسکتا ہے لیکن یہ بات اہل تسنن کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، بچوں میں حضرت علیؓ، مردوں میں حضرت ابوبکرؓ اور غلاموں میں زید بن حارثہؓ نے سبقت ایمانی کا شرف حاصل کیا۔[۵]

چونکہ آپ خاتم الانبیاء ﷺ کے زیر سرپرستی تھے چنانچہ ۲۲،۲۳ سال کی عمر تک نبوت کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے رہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کسب معاش کے لیے آپ نے کوئی خاص پیشہ اختیار نہیں کیا تھا، چنانچہ ہمہ آن اور ہمہ وقت رسول اللہؐ کی حاشیہ نشینی کو اپنا طرۂ امتیاز سمجھا اور اپنی زندگی اس صحبت صالحی سے فیض یاب ہونے کے لیے وقف کردی۔ یہی وجہ ہے کہ خلوت وجلوت کی مجلسوں میں بھی اوردعوت وتبلیغ کی سرگرمیوں میں بھی آپ نبی اکرم ﷺ کے دست راست بنے رہے اور کاتب وحی کا فریضہ بھی بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ بارگاہ رسالتؐ میں حضرت علیؓ کی حاشیہ نشینی اور شب وروز کے بیشتر اوقات میں آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے خوشہ چینی اور فیضیابی کا عمل بجا طور پر آپ کو علم وتربیت کے لحاظ سے عظمت ورفعت کے اس مقام سے ہمکنار کرادیتا ہے، جہاں کسی دوسرے صحابیٔ رسول ﷺ کی رسائی نہیں تھی۔[۶]

چھوٹی عمر میں سب سے پہلے اسلام پر لبیک کہنے والے، بے مثال خطیب، عظیم سپہ سالار، فقید المثال صاحب فکروبصیرت اور دوسرے بے شمار اوصاف وخصائص سے مزین وآراستہ[۷] حضرت علی کرم اللہ وجہہ حیات طیبہ کے تمام غزوات میں نمایاں کردار کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اکثر وبیشتر علم آپ کے ہاتھوں میں ہوتا۔ ۶ھ میں فدک اور ۱۰ھ میں یمن کی مہم پر آپ کمانڈر کی حیثیت سے متعین ہوئے۔ جرأت وبہادری کے ایسے مظاہرے کیے کہ آپ کی جرأت و بہادری نے مثالی اور یادگاری حیثیت اختیار کرلی۔ بدر میں بہت سے قریشی اعدائے اسلام کے سر قلم کیے، خیبر میں زبردست اور قابل رشک معرکہ آرائی کی، قلعہ فتح کیا اور مسلمانوں نے انہی کے وجودمسعود کی بنا پر یہاں فتح وظفر کے پرچم لہرائے۔ ۸ھ میں حنین کے معرکے میں بھی فداکارانہ تاریخی کردارکاثبوت دیا۔ گویا ہمیشہ ان چند نفوس قدسیہ میں رہےجنھوں نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے مشن کی عظمت کے لیے جاں فروشی کو اپنا شیوہ وشعار بنالیا تھا۔[۸] ایک

طرف حضرت علیؑ کی نبی کریم ﷺ سے شیفتگی کی حد تک محبت، آپ کے مشن سے عشق، دین کی پرخار راہوں میں پیش قدمی اور صحیح و غلط نیز حق و باطل کی معرکہ آرائی میں صبر واستقلال اور جرأت وعزیمت اور دوسری طرف فصاحت وبلاغت اور زبان و بیان پر قدرت کاملہ کا اندازہ نہج البلاغہ میں مذکور ایک خطبہ کی ان عبارتوں سے ہوتا ہے:

فَقُمْتُ بالامر حِیْنَ فَشِلُوْا وَتَطَلّعتُ حِیْنَ تَقَبَّعُوا وَنَطَقْتُ حِیْنَ تَعْتَعُوا وَمَضَیْتُ بِنُوْرِ اللّٰہِ حِیْنَ وَقَفُوْا وَکُنْتُ أَخْفَضَہُمْ صَوتاً وَاَعْلَاھُمْ فَوْتاً فَطِرْتُ بِعِنَانِہَا وَاسْتَبْدَرتُ بِرِھَانِہَا کَالْجَبلِ لَاتُحَرِّکُہُ القَوَاصِفُ وَلاَ تُزِیْلُہُ العَوَاصِفُ لَمْ یَکُنْ لأَحَدٍ فِیَّ مَہْمزٌ وَلالِقَائِلٍ فِیَّ مَغْمَزٌ الذَّلِیْلُ عِنْدِی عَزِیْزٌ حَتّٰی اٰخُذَ الْحَقَّ لَہُ وَالْقَوِیُّ عِنْدِی ضَعِیْفٌ حَتّٰی آخُذَ الْحَقَّ مِنْہ رَضِیْنَا عَنِ اللّٰہِ قَضَاَءہُ وَسَلَّمْنَا لِلّٰہِ اَمْرَہُ اَتَرَانِیْ اَکْذِبُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ ﷺ واللّٰہ لانَا اَوَّلُ مَنْ صَدَقَہُ فَلا اَکُوْنُ اَوّلَ مَنْ کَذَبَ عَلَیْہِ فَنَظَرْتُ فِیْ اَمْرِی فَاِذَا طَاعَتِی قَدْ سَبَقَتْ بِیْعَتِیْ وَاِذَا المِیْثَاقُ فِیْ عُنُقِی بِغَیْرِی ۔ ۹

(میں نے اس وقت اپنے فرائض انجام دیئے جب لوگ کمزور وبزدل ہوگئے تھے اور اس وقت متمنی ہوا جب کہ دوسرے گوشہ گیر ہوگئے تھے۔ میری زبان اس وقت کھلی جب کہ دوسرے گونگے نظر آتے تھے اور میں اس وقت نور خدا کی مدد (توفیق الٰہی) سے آگے بڑھا جب کہ دوسرے کھڑے تھے۔ حالانکہ میری آواز ان سب میں دھیمی تھی تاہم پیش قدمی میں ان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ پس میرا اس تحریک کی باگ تھامنا تھا کہ وہ پرواز کرگئی اور میں اس میدان میں سبقت لے گیا۔ اور اس پہاڑ کی طرح (ثابت قدم رہا) جسے نہ تند ہوائیں جنبش دے سکتی ہیں اور نہ تیز جھکڑ اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔ کسی کے لیے بھی مجھ میں عیب گوئی کا موقع اور حرف گیری کی گنجائش نہ تھی۔ پست وکمزور میرے نزدیک بلند و قوی ہے جب تک کہ میں اس کا حق دلوا نہ دوں اور طاقتور میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے دوسرے کا حق دلوانہ دوں۔ ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں اور سارے امور اسی کے حوالے کردیئے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کذب بیانی سے کام لیتا ہوں؟ بخدا میں وہ ہوں جس نے سب سے پہلے آپؐ کی تصدیق کی، چنانچہ آپ ﷺ پر دروغ گوئی میں پہل نہ کروں گا۔ میں نے اپنے معاملہ پر نظر کی تو دیکھا کہ میرے لیے ہر قسم کی بیعت سے اطاعت رسول مقدم تھی اور ان سے کیے ہوئے عہد وپیمان کا جوا میری گردن میں تھا)۔

بلاشبہ دنیامیں بے شمار اللہ رب العزت کی برگزیدہ اور بلند قامت ہستیاں منصہ شہود میں آئیں جن کا فیض اپنے اعزہ واقرباء، اپنے خاندان و معاشرہ بلکہ محض اپنے ملک ووطن تک محدود

نہیں رہا بلکہ تمام تر جغرافیائی حدود وقیود سے پرے اور رنگ ونسل کے امتیازات سے مافوق پوری انسانی برادری کے لیے جاری رہا۔ ایسے بہت سے جلیل القدر بندگان خدا اس دنیا میں تشریف لائے جن کے روشن کارناموں نے دنیا کو روشنی دی اور جن کے اخلاص ووفاشعاری، حق گوئی و بے باکی اور بسالت وبہادری کے انمٹ نقوش آج بھی اذہان وقلوب پر ثبت ہیں۔ ان میں بے شمار ایسے فرزندان توحید بھی ہیں جنھوں نے کتاب اللہ کو عملی طور پر ہر ناحیۂ حیات میں ضابطہ زندگی تسلیم کیا اور چشمۂ نبوت سے کماحقہ سیراب ہوکر اپنی زندگی کو اعلائے کلمتہ اللہ کے لیے وقف کردیا اور اسی راہ حق میں جان جیسی متاع عزیز کانذرانہ بھی جان آفریں کو پیش کردیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان چند پاک باز اورمقدس ہستیوں میں ہیں جنھوں نے ایسے نامساعد احوال وکوائف میں دعوت حق پر لبیک کہا جب کہ دین حق اور ہدایت کے معاملے میں سرزمین مکہ زمین شور ثابت ہوچکی تھی۔ دعوت حق کے برملاقبول کرنے اور رسول اکرم ﷺ کا جیتے جی ساتھ دینے کی یقین دہانی سے ایک طرف رسول اللہ ﷺ کو تقویت ملی تو دوسری طرف باطل کے کیمپ میں لرزہ طاری ہوگیا۔ دعوت حق کی قبولیت کا یہ اعلان محض جذباتی نہیں تھا بلکہ آپ نے معرکۂ بدر سے لے کر معرکۂ تبوک تک بلکہ زندگی کی آخری سانس تک جس جوش ایمانی اور جس بے مثل عزیمت وبہادری کا مظاہرہ کیا، تاریخ وسیرت کے صفحات اس پر ناطق اور درخشاں ثبوت ہیں۔

خاتم الانبیاء ﷺ کے عم زادہ اوردامادی کا شرف حاصل کرنے والے، دس سال کی عمر سے ہی رسول اللہ ﷺ کی صحبت صالحہ کاشرف حاصل کرنے والے، مدرسۂ فیضان نبوت سے سب سے زیادہ فیض پانے والے، سفروحضر میں تمام صحابہؓ سے زیادہ سرور عالم ﷺ کی حیات طیبہ کی خوشہ چینی کرنے والے، باب مدینۃ العلم سے ملقب کیے جانے والے اور اسلام کے دور عسرت میں سب سے بڑھ کر حمایت کرنے والے، تمام غزوات و سرایا میں بسالت وبہادری کا بے مثل جوہر دکھلانے والے اور معاندین ومخالفین کے کیمپ میں لرزہ طاری کردینے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ملت اسلامیہ وہ مرتبہ ومقام نہ دے سکی جس کے وہ اہل تھے۔ یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ ان کی عظمت مسلمانان عالم کے ایک گروہ میں محصور ہوگئی اور صداقت تویوں نظر آتی ہے کہ ملت اسلامیہ کے اس مخصوص طبقہ میں بھی خلیفۂ رسول حضرت علیؓ کی وہ قدر نہ ہوسکی جس کے وہ اہل تھے۔ اس موقف کی تائید میں بیسویں صدی کے محقق سیدابوالحسن علی ندوی کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

"انہی مظلوم شخصیات میں جن کے حقوق نہ صرف یہ کہ ادانہ ہوئے، بلکہ ان کے حق میں شدید بے انصافی روا رکھی گئی، حضرت سیدنا علیؓ بن ابی طالب کی بلند ومحبوب شخصیت بھی ہے۔ مخصوص حالات ، خاص قسم کے عقائد اور چند نفسیاتی اسباب کی بناء پر ان کی سیرت پر بہت گہرے اور دبیز پردے پڑگئے ہیں۔ارباب بحث و تحقیق تو الگ رہے خود وہ لوگ جو ان کی عظمت کے گن گاتے ہیں اور ان کے نام پر اپنے عقائد کی عمارت تعمیر کیے ہوئے ہیں ، انھوں نے بھی اکثر اوقات ان کی سیرت کا مطالعہ معروضی اور تحقیقی انداز میں نہیں کیا ہے اور پورے ماحول اور ان کے عہد کے تقاضوں اور دشواریوں کو سامنے رکھ کر امانت وغیر جانبداری کے ساتھ پیش نہیں کیا"۔[۱۰]

نہج البلاغہ در اصل حضرت علی کی بلندیٔ فکر، وسعت نظر، تبحر علمی ، فقہی بصیرت، زندگی کے جملہ امور ومسائل سے متعلق فکر انگیز اور نتیجہ خیز بحث، دنیا اور سامانِ دنیا سے متعلق قرآنی فکر کی تعبیر وتشریح ،آخرت سے متعلق ہدایات ربانی کی صحیح تفہیم وتوضیح ، حقوق اللہ کے علاوہ حقوق العباد کے مختلف پہلوؤں کی دلنشیں پیرایہ بیان میں تعلیم وتلقین، زبان وادب سے متعلق فنی ندرتیں،اوراساتذہ علم وادب کے لیے زریں اسباق، گویا یہ خزینۂ تعلیم وتربیت اور فکروادب کابحر بیکراں ہے جس سے بے اعتنائی برتنا یا شان استغناء کا مظاہرہ کرنا لعل وگہر کھونے بلکہ شقاوت وبدبختی کو دعوت دینے کے مترادف ہے، نہج البلاغہ کے اُردو مترجم مفتی جعفر حسین صاحب یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

"نہج البلاغہ علوم ومعارف کا وہ گراں بہا سرمایہ ہے جس کی اہمیت وعظمت ہر دور میں مسلم رہی ہے اور ہر عہد کے علماء وادباء نے اس کی بلند پائیگی کا اعتراف کیا ہے۔ یہ صرف ادبی شاہکار ہی نہیں ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کا الہامی صحیفہ، حکمت واخلاق کا سرچشمہ، معارف ایمان اور حقائق تاریخ کا ایک انمول خزانہ ہے جس کے گوہر آبدار علم وادب کے دامن کو زرنگار بنائے ہوئے ہیں اور اپنی چمک ودمک سے جوہر شناسوں کو محوحیرت کیے ہوئے ہیں۔افصح العرب کے آغوش میں پلنے والے اور آب وحی میں دھلی ہوئی زبان چوس کر پروان چڑھنے والے نے بلاغت کلام کے وہ جوہر دکھائے کہ ہر سمت سے فوق کلام المخلوق وتحت کلام الخالق کی صدائیں بلند ہونے لگیں"۔[۱۱]

امیرالمؤمنین اور خلیفۂ راشد سیدناعلی کرم اللہ وجہہ کے مواعظ ونصائح اور فن وادب کی ندرتوں پر مشتمل یہ مجموعہ دراصل اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔ موجز ومختصر جملوں اور ضرب

الامثال کی شکل میں ایمان وایقان، اخلاص وللّٰہیت، جرأت وبے باکی، حق گوئی وصداقت ، انسانی عظمت ورفعت اور عدل ومساوات کا دراصل خزینۂ بے بہا کا نام نہج البلاغہ ہے۔ خطبات کی معنویت وعظمت، شہرت ومقبولیت اور علم وادب کے ستونوں کی جانب سے سند قبولیت کی بناء پر جناب سید شریف رضی، برادر شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں بڑی کدوکاوش اور اہتمام انصرام کے ساتھ جمع و تالیف کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ حضرت علیؑ کے تقریباً ۲۳۸ خطبات، ۷۹ مکتوبات اور ۴۸۰ حکم ومواعظ پر مشتمل شریف رضی کی یہ نابغہ روزگار تالیف ہر دوراور ہر قرن میں تربیت واخلاق کے جوہر بکھیرتی رہی ہے اور عوام ، علماء، ادباء، فقہاء، متکلمین گویا کہ نوع بشری کے تمام طبقات کے لیے مشعل ہدایت بنتی رہی ہے۔

فی الحقیقت سید رضی نے خصائص الائمہ کے نام سے اثنا عشرہ کے احوال وکوائف کے لکھنے کا آغاز کیاتھا اور اپنے شیخ صاحب الارشاد کے نقش پا کی پیروی کرتے ہوئے خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے احوال زندگی رقم کرنے کے بعد اقوال زرّیں اور مواعظ حسنہ کی طرف رجوع کیا اور ان میں سے انتخاب کرناشروع کیا، یہاں تک کہ کتاب کی شکل بن گئی اور اسے اس قدر شہرت حاصل ہوگئی کہ خصائص الائمہ کی تالیف رُک گئی۔[۱۲]

فکروادب دونوں پہلوؤں سے نہج البلاغہ کو علماء ،حکماء، فلاسفہ اور ادباء قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھتے رہے ہیں اور ہر دور کے مزاج کے لحاظ سے اس ذخیرہ ادب سے خوشہ چینی کو شرف واعزاز سمجھتے رہے ہیں۔ عربی، فارسی ، اردو، انگریزی اوردیگر زبانوں میں سیکڑوں شرحیں لکھیں جاچکی ہیں۔اس کے خطبے الگ الگ شرح وبسط کے ساتھ اشاعت کے مرحلے سے گزر چکے ہیں نیز اس کے مندرجات ومشتملات پر بھی سیر حاصل بحثیں ہوتی رہی ہیں۔ شروح میں ابوحامدعزالدین عبدالحمیدکی شرح،شرح ابن ابی الحدید،علی ابن الناصر کی شرح اعلام نہج البلاغہ، شیخ کمال الدین میثم ابن علی ابن میثم بحرانی کی شرح ابن میثم، میرزا ابراہیم خوئی شہید کی شرح درہ نجفیہ اور سید حبیب اللہ خوئی کی شرح مہناج البراعہ ان شروح میں ہیں جنھوں نے بڑی مقبولیت وپذیرائی حاصل کی ہے۔ عصر جدید میں مفتی محمد عبدہ مصری نے بھی ایک بسیط اور دلکش مقدمہ کے ساتھ مختصر شرح لکھی۔[۱۳]

بہر حال یہ بات قابل ذکر ہے کہ نہج البلاغہ کی شکل میں علامہ شریف رضی کی مسلسل اور مبارک جہدوکاوش کاثمرہ دنیائے علم وعرفان کے لیے نایاب تحفہ ہے اورعلم وادب کی دنیا پر بڑا احسان ہے،جس کے فکرانگیز اورمعنی آفریں معارف وحکم نے اہل دنیا کی توجہات کو اپنی جانب

مبذول کرایا ہے اور علم وادب کے شہ سواروں نے اس بحر ناپیداکنار میں غوطہ زنی کرکے ہر دور میں لعل وگہر نکالے ہیں۔اردودائرہ معارف کے مقالہ نگار کے مطابق :

"نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کی شخصیت ، عظمت، آپ کے اوصاف واعمال اور سیاست و اصول زندگی کا پورا مرقع نظر آتاہے۔یہ کتاب بلاغت اورحکمت اسلام کی تصویر ہے۔اس کا مطالعہ افکارحضرت علیؑ،تاریخ اسلام ومطالعہ ادب وحکمت کے لیے ضروری سمجھا گیاہے۔نہج البلاغہ میں تاریخ،نبوت، سیرت آنحضرت ﷺ ، روح ایمان، انسانی اقدار اورحق وصداقت کے اظہار وابلاغ کے معجز نما خطبے اور خطوط موجود ہیں"۔۱۴

انسانیت نوازی وبشر دوستی ،ہمدردی وغمگساری، عدل وانصاف، ایمان وایقان کی حلاوت وسحر انگیزی، انسانی قدروں کی افزائش اور ظلم وجور کے خلاف اعلان بغاوت ، حق وصداقت کا اعلان واظہار، فکرآخرت کی تلقین اور دنیا اور اسباب دنیاکے سلسلے میں معنی خیز اور حیات آفریں پیغام یہ سب بلاشبہ نہج البلاغہ کے فکری اور نظریاتی پہلو ہیں جن کا قرآن وسنت کے علاوہ کوئی ثانی نہیں ہوسکتا۔اس کا دوسرا اہم پہلویہ ہے کہ یہ کتاب ادبی شہ پارہ ہے۔یہ اس دور کی تخلیق ہے جب کہ عربوں کی طلاقت لسانی اور جوش گفتاری کا دائرہ نظم تک ہی محصور تھا۔ بلاشبہ صحرانشین عربوں کے پاس منظوم شکل میں قابل ذکر سرمایہ موجود تھا، لیکن منثور ادب کا کوئی ایسا نوشتہ قرآن کے علاوہ نہیں تھا، جسے وہ بہراعزازو تفاخر دنیائے علم وادب کے سامنے پیش کرسکتے تھے۔ حضرت علیؑ کے خطبات ، مکتوبات اور حکم ونصائح پر مشتمل یہ مجموعہ نثری ادب میں ان عربوں کے لیے بھی سرمایہ افتخار بن گیاتھا جس کی فیض رسانی کا سلسلہ علم وادب کے نشوونما میں تاحال جاری ہے۔زبان وادب کے لحاظ سے اس مجموعہ خطبات ومواعظ کی اہمیت پر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار گویا ہے:

"The sayings and sermoms of Ali and those utterances attributed to him, are collected in a book called the Nahj al-Balaghah which has long served as a model for the use of Arabic much as the speeches of Cicero once did for Latin. It was Ali who first laid down the rules of formal Arabic Grammer, notably describing language as made up norms, verbs, and particles۱۵-".

(حضرت علیؑ کے اقوال، خطبے اور ان کی طرف منسوب پندونصائح کی باتیں ایک کتاب میں جمع کردی گئی ہیں ،جونہج البلاغہ سے موسوم ہے، جس نے عربی زبان کے استعمال کے لیے ایک

لمبی مدت تک اسی قدرخدمت کی ہے جس طرح سیسیرو نے لاطینی زبان کے لیے کسی وقت کی تھی۔ حضرت علیؑ کی ہی وہ شخصیت ہے جس نے پہلی بار معروف اور مروج عربی گرامر کے اصول وضوابط بنائے بالخصوص زبان کو اسماء، افعال اور متعلقات فعل کی حیثیت سے متعارف کرایا۔)

دنیا امتحان گاہ ہے ،موت کے بعد کی زندگی کو نتیجہ گاہ یادارالجزاء کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ دنیا اور اسباب دنیا شجر ممنوعہ کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ دنیا کو اللہ کی مرضی کے مطابق اور رسولؐ کے طریقے کے مطابق برت کر ہی لافانی زندگی کی زوال ناآشنا مسرتوں کے حصول کے لیے توشہ راہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔ آخرت کے مقابلے میں اس دنیا کی حقیقت اس بھوسہ کے برابر ہے جو دانے کوحاصل کرنے کے لیے الگ کردیا جاتا ہے اور ہوائیں اسے جدھر چاہتی ہیں اڑالے جاتی ہیں۔ آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی، سراپا خیر اور قائم و دائم ہے۔ خواہشات نفس کی اسیری انسان کو اس کی عظمت ووقار سے دور کرکے جانور بلکہ جانور سے بدتر بنادیتی ہے اور انہی خواہشات کو معبود بناکر انسان احسن تقویم سے گرکر اسفل سافلین کے قعر عمیق میں جاگرتاہے۔ دنیا اور اسباب دنیا سے متعلق قرآن وسنت کی تعلیمات جو انسان کو دونوں جہاں کی سعادتوں کا مستحق بنادیتی ہیں، اس مجموعۂ فکروفن میں جابجا دعوت فکرونظر دیتی ہیں۔

دنیا اور آخرت سے متعلق قرآنی ہدایات اور سنن نبویہ ﷺ سے جوحقیقت مترشح ہوکر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اوراس زندگی کے بعد جو دنیاآئے گی وہ لافانی ہے۔ فانی زندگی کے بجائے اس لافانی اور سرمدی زندگی کی مسرتوں کے حصول کو ہی مرکز توجہ بنانا چاہئے۔ نہج البلاغہ کے مندرجات کے استقصاء کے بعد ماحصل کے طور پر یہ سامنے آتا ہے کہ حضرت علیؑ کا زہد،ورع اور دنیا سے بے التفاتی وبے رغبتی کاپہلو غالب رجحان کے طورپر دعوت فکروعمل دیتاہے۔ بیسویں صدی کے مایہ ناز عالم دین اور علم وادب کی دنیا میں معروف ومقبول شخصیت کی رائے ممکن ہے کہ حضرت علیؑ کی عمومی سیرت کے تمام روزنامچوں سے متعلق ہو، لیکن راقم کے نزدیک نہج البلاغہ کے مشتملات کی روشنی میں بھی یہ رائے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے:

"حضرت علیؑ کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت اوروہ بات جو ان کی علامت اور پہچان بن گئی تھی،وہ ان کی دنیا سے ایسی حالت میں بے رغبتی و بے نیازی تھی جب کہ عیش وآرام کے تمام اسباب ان کے قدموں پر تھے اور حکومت کے پورے اختیارات اور فراغت ودولت کے سارے وسائل واسباب آپ کوحاصل تھے۔ لوگوں کی طرف سے تعظیم وتکریم میں کوئی کمی نہ تھی، کوئی ان پر نقد نہیں کرسکتا تھا اور نہ محاسبہ کرسکتا تھا"۔[۱۶]

بلاشبہ دنیااور آخرت دونوں حقائق بالکل اسی طرح ہیں جس طرح امتحان ہال اور نتیجہ گاہ کی حیثیت ہوتی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ دنیا عمل کی جگہ ہے، ایک شخص جیسا عمل کرے گا اس کے مطابق اپنا اجر اس زندگی کے بعد یقینی طور پر پائے گا۔ اس سلسلے میں بے شمار قرآنی ہدایات اپنی جانب توجہ مرکوز کراتی ہیں۔ بطور مثال یہ قرآنی تعلیمات ذہن نشین کرائی جاتی ہیں، ایک جگہ فرمایا جاتاہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ ۱۷؎

(تم میں سے جو کوئی بھی اچھا عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، ہم یقیناً اس سے اچھی زندگی گزروائیں گے اور بالیقین ہم ان کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دیں گے۔)

اس چند روزہ زندگی میں جسے امتحان گاہ کی حیثیت حاصل ہے، ایمان اور اعمال در اصل آدمی کو انسان بلکہ تمام مخلوقات میں افضل واشرف بنادیتے ہیں اوریہی ایمان واعمال آدمی کو جانور بلکہ بدترین مخلوق بنادیتے ہیں۔ گویا اعمال صالحہ، آدمؑ وحواؑ کی اولاد کو تمام مخلوقات میں فضل وبرتری کاحامل بنادیتے ہیں، اس کے بالمقابل کفر اور اعمال سیئہ اولادِ آدم کو تمام مخلوقات میں پرلے درجے کا ذلیل بنادیتے ہیں، اس سلسلے میں اللہ رب العزت کاارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُوْلٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ۔ جَزَآءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا۔ ۱۸؎

(بلاشبہ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ اور مشرکین، جہنم میں ہوں گے۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وہ بدترین مخلوق ہیں۔ بلاشبہ جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے وہ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے نزدیک باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے)

ایک جگہ دارالعمل کی حیثیت بتاتے ہوئے قرآنی اصول کو یوں واضح کیا گیا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ۔ ۱۹؎

(پس جو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ برابر بھی برائی کرے گا، اسے دیکھ لے گا۔)

دارالجزاء میں جو فیصلہ ہوگا، وہ اس زندگی کے اعمال وافعال کی بنیاد پر ہوگا۔ ایک طرف ایک شخص اپنی پسند کی زندگی کے مزے لے گا اور دوسری طرف ایک دوسرا شخص وہ ہوگا جس کی جائے قیام جہنم ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُہٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُہٗ فَأُمُّہٗ هَاوِيَةٌ۔ ۲۰

(پس جس کے (اعمال کے) پلڑے بھاری ہوں گے، وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے (اعمال کے) پلڑے ہلکے ہوں گے، اس کا ٹھکانہ گہری کھائی (جہنم) ہوگا)۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ حقائق منکشف ہوتے ہیں کہ گویا دنیا توشہ آخرت جمع کرنے کی جگہ، اور مسافر کا راستہ ہے نہ کہ منزل، جہاں آرام وچین ہی متوقع ہو اور سکون وراحت کی خواہش ہو۔ یہ دل لگانے کی جگہ نہیں ہے بلکہ اس سے بے اعتنائی وبے نیازی کا مظاہرہ کیا جانا چاہیے اور ہر لمحہ وساعت کو امتحان گاہ کے لمحات وساعات کی طرح قابل قدر سمجھنا چاہیے۔ یہ تمام تعلیمات وتلقینات اچھوتے انداز اور دلنشیں پیرایہ بیان کے ساتھ مندرجہ ذیل خطبہ میں جلوہ گر ہیں:

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا الدُّنْيَا دَارُ مَجَازٍ وَالآخِرَةُ دَارُ قَرَارٍ فَخُذُوْا مِنْ مَمَرِّكُمْ لِمَقَرِّكُمْ وَلَا تَهْتِكُوْا اَسْتَارَكُمْ عِنْدَ مَنْ يَعْلَمُ اَسْرَارَكُمْ وَاَخْرِجُوْا مِنَ الدُّنْيَا قُلُوْبَكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَخْرُجَ مِنْهَا اَبْدَانُكُمْ۔ فَفِيْهَا اُخْتُبِرْتُمْ وَلِغَيْرِهَا خُلِقْتُمْ اِنَّ الْمَرْءَ اِذَا هَلَكَ قَالَ النَّاسُ مَا تَرَكَ وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مَا قَدَّمَ۔ لِلّٰهِ آبَاؤُكُمْ فَقَدِّمُوْا بَعْضاً يَكُنْ لَكُمْ قَرْضاً وَلَا تُخَلِّفُوْا كُلًّا فَيَكُوْنُ عَلَيْكُمْ كَلاً۔ ۲۱

(اے لوگو! یہ دنیا گزرگاہ اور آخرت جائے قرار ہے۔ اس راہ گزر سے اپنی منزل کے لیے توشہ اٹھالو، اور جس کے سامنے تمہارا کوئی بھید چھپا نہیں رہ سکتا، اس کے سامنے اپنے پردے چاک نہ کرو۔ قبل اس کے کہ تمہارے جسم دنیا سے الگ کردئے جائیں اپنے دل اس سے ہٹالو۔ اس دنیا میں تمہیں جانچا جارہا ہے لیکن تمہیں پیدا دوسری دنیا کے لیے کیا گیا ہے۔ جب کوئی انسان مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا چھوڑ گیا ہے اور فرشتے چرچا کرتے ہیں کہ اس نے آگے کے لیے کیا سروسامان کیا ہے۔ خدا تمہارا بھلا کرے، کچھ آگے کے لیے بھی بھیجو کہ وہ تمہارے لیے ایک طرح سے (اللہ کے ذمہ) قرض ہوگا۔ سب کا سب پیچھے نہ چھوڑ جاؤ کہ وہ تمہارے لیے بوجھ ہوگا۔)

گزر گاہ سے زاد راہ لینے کی تلقین، دنیا سے شانِ بے نیازی کی تعلیم، انسان کی اصل منزل آخرت کی دلنشیں پرایہ بیان میں تذکیر، موت کے وقت وارثین کو اس کے چھوڑے ہوئے مال کی فکر اور فرشتوں کو اس کے اعمال کی بابت تشویش، مال ودولت پر کنڈلی مار کر بیٹھ رہنے کی ہلاکت وبربادی سے تعبیر اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ کرنے کو اپنی خیر وفلاح سے تشبیہ ، مندرجہ بالا

خطبے میں ان ساری تعلیمات کو چند الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے، گویا سمندر کو کوزے میں بند کرلیا گیاہے۔

اس دنیا کو اللہ رب العزت نے امتحان گاہ بنا کر تمام لوازم وضروریات اور مختلف النوع اشیاء واسباب سے آراستہ کردیا ہے، لیکن یہ محض اس لیے ہے کہ اس کائنات کی شاہکار مخلوق اوراس دنیا کے اصل امتحان دہندہ کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے کہ اس کو اس آزمائش گاہ میں بے سروسامان رکھا گیا ہے۔۲۲ لیکن اس دنیا کو اس حیثیت سے استعمال کیا جائے کہ یہ دنیا اصل اور لافانی زندگی کے لیے توشہ کی فراہمی کا ذریعہ بن جائے، یہی بڑی سعادت وخوش بختی کی بات ہے۔ بصورتِ دیگر اگر اس دنیا کی رنگینیوں پر فریفتہ ہوجائے، یہاں کے آرام وآسائش کے حصول کے لیے سرپٹ دوڑا جائے اور دنیا ومافیہا کے حصول کوہر حال میں مطمح نظر بنالیا جائے تو پھر یہ متاع غرور ثابت ہوتی ہے، جس سے جگہ جگہ قرآن مجید میں متنبہ فرمایا گیا ہے۔۲۳ دنیا کی ناپائداری، بے بضاعتی اور اس کے فریب وسراب ہونے سے متعلق حضرت علیؓ کے ایک اہم خطبہ کے یہ الفاظ کماحقہ قرآنی فکر کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں:

فَاِنِّیْ اُحَذِّرُکُمُ الدُّنْیَا فَاِنَّھَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ حُفَّتْ بِالشَّھْوَاتِ وَتَحَبَّبَتْ بِالْعَاجِلَۃِ وَرَاقَتْ بِالْقَلِیْلِ وَتَحَلَّتْ بِالآمَالِ وَتَزَیَّنَتْ بِالْغُرُوْرِ۔ لَاتَدُوْمُ حَبْرَتُھَا وَلَاتُؤْمَنُ فَجْعَتُھَا۔ غَرَّارَۃٌ ضَرَّارَۃٌ حَائِلَۃٌ زَائِلَۃٌ نَافِدَۃٌ بَآئِدَۃٌ اَکَّالَۃٌ غَوَّالَۃٌ۔ ۲۴

(میں تمہیں دنیا سے متنبہ کرتاہوں، اس لیے کہ یہ بظاہر شیریں وشاداب ہے، نفسانی خواہشات سے گھری ہوئی ہے اور وہ جلد میسر آنے والی نعمتوں کی وجہ سے محبوب ہوتی ہے اور حقیر سی چیزوں سے مشتاق بنالیتی ہے۔ وہ امیدوں سے سجی ہوئی اورفریب سے آراستہ ہے۔ نہ اس کی مسرتیں دیرپا ہیں اور نہ اس کی ناگہانی مصیبتوں سے محفوظ رہاجاسکتاہے۔ وہ دھوکے باز، نقصان رساں، تغیر پذیر اور فنا ہونے والی ہے، ختم ہونے والی ،مٹ جانے والی ہے،بڑی کھاجانے والی اور ہلاک کردینے والی ہے۔)

دنیا کی آرائشوں اور دلفریبیوں پر ریجھنا، بڑی بدبختی و ناکامی ہے، اس لیے کہ یہ زوال پذیر ہیں اورانسان کو اصل منزل سے روک دینے والی ہیں۔ آخرت کی لازوال مسرتوں کو نظر انداز کردینے اوررضائے الٰہی سے بے پرواہ ہونے کی صورت میں یہ حقیقی سعادت وکامرانی کے لیے زبردست مانع ومزاحم بن جاتی ہیں۔ ایک دوسرے خطبے میں بھی دنیا کی ذلت و حقارت اوراس کی ناپائیداری وبے بضاعتی کویوں بیان فرمایا جاتاہے:

فلاتنافسوا فی عزّ الدّنیا وفخرھا ولاتعجبوا بزینتھا ونعیمھا ولاتجزعوا من ضرّائھا وبؤسھا، فانّ عزّھا وفخرھا الی انقطاع - وانّ زینتھا ونعیمھا الی زوال، وضرّاءھا وبؤسھا الی نفاد - وکلّ مدّۃ فیھا الی انتھاء وکلّ حیّ فیھا الی فناء - ۲۵

(دنیا کی عزت اوراس پر فخر کرنے میں مقابلہ نہ کرو اور نہ اس کی آرائشوں اور نعمتوں پر خوش ہو اور نہ اس کی سختیوں اور تنگیوں پر بے صبری سے چیخنے اور چلانے لگو۔اس لیے کہ اس کی عزت وفخر دونوں مٹ جانے والے ہیں اور اس کی آرائشیں اور نعمتیں زائل ہوجانے والی ہیں اوراس کی سختیاں اور تنگیاں ختم ہوجانے والی ہیں۔اس کی ہر مدت کاانجام اختتام اورہر زندہ کاانجام فنا ہے۔)

انسان حیوان سے اونچامقام رکھتا ہے، یہ بات تو ہر خاص وعام کومعلوم ہے ،اس لیے کہ جانور کو شعور نہیں دیاگیا ہے اور نہ ہی اسے قوت تمیز عطا کی گئی ہے کہ وہ جائز وناجائز،حلال وحرام اور صحیح وغلط کے فرق وامتیاز کے ساتھ کوئی کام کرنے کا مکلّف ہو۔اسی طرح فرشتوں کواگر شعور کی نعمت ودیعت کی گئی ہے تو انہیں اختیار نہیں دیاگیا ہے کہ وہ صحیح وغلط، جائز و ناجائز، صدق وکذب اور مستحسن وقبیح میں کسی بھی پہلو کو اختیار کرسکتے ہیں۔ بلکہ فرشتے مجبور محض ہوتے ہیں، وہ وہی کرنے کے مکلّف ہیں جس کا اللہ انھیں حکم دیتاہے۔۲۶ ہاں ان دونوں کے مقابلے میں انسان مقام ومرتبہ کے لحاظ سے بلندی پر فائز ہے، بلکہ احسن تقویم پر اس کی خلقت ہوئی ہے۔۲۷ تمام موجودات ارضی وسماوی میں اسے مکرم بنایا گیا اور بحروبر پراسے قدرت دے دی گئی،۲۸ بلکہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس وجود مسعود کے لیے مسخر کردی گئیں۔۲۹ انسان جو اس کائنات کا اصل موضوع بلکہ اس کائنات کا مخدوم ہے، اسے ایک طرف عقل وشعور کی نعمت سے نوازا گیا تو دوسری طرف صحیح وغلط ،جائز نا جائز اورحلال وحرام کاموں کے لیے اختیار دے کر اسے دنیا کی اس امتحان گاہ میں چھوڑ دیاگیا۔اگر وہ عقل وشعور کاسہارا لے کر اپنے نفس پر قابو پاتے ہوئے اوراللہ کی مرضی کو متحضر رکھتے ہوئے اپنے شب وروز کے معمولات ومصروفیات کارخ متعین کرتا ہے تو گویا وہ دونوں جہاں کی سعادت سے ہمکنار ہوتاہے۔اس کے برعکس اگر اس نے نفس کو قابو میں نہیں کیا اورخواہشات کی غلامی کاطوق اپنی گردن میں ڈال لیا تو فرشتوں سے اونچا ہونے کی بات تو بعید از قیاس، وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوجاتاہے۔

قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ اس سلسلے میں ناطق ہے:

اَرَأَیتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰہَہٗ ہَوَاہُ اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْہِ وَکِیْلًا۔ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَھُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْیَعْقِلُوْنَ اِنْ ھُمْ اِلاَّ کَالاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۔ ۳۰؎

(کیاتم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو خدا بنالیا ہے؟ کیا تم اس کے ذمہ دار ہو؟ کیاتم سمجھتے ہو کہ ان میں سے بیشتر سنتے اور سمجھتے ہیں؟ وہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ جانوروں سے زیادہ گم گشتۂ راہ ہیں۔)

گویا عقلمند اوردانا وبینا وہ شخص ہے جو خواہشات کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے کوشاں وسرگرم عمل ہو،اس کے برعکس نادان اوراحمق وہ ہے جو بہر حال اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کاخوگر رہتا ہو۔یہی چیز اسے حق سے روک دیتی ہے اور عزت وعظمت کے مقام سے گرا کرجانوروں سے زیادہ ذلیل وخوار بنادیتی ہے۔ بالآخر یہ آخرت کی کامیابی میں بھی زبردست مزاحم بن کر سامنے آتی ہے۔ خلیفہ راشد اپنے ایک خطبہ میں متنبہ فرماتے ہیں:

"اَیُّہَا النَّاسُ اِنَّ اَخْوَفَ مَااَخَافُ عَلَیْکُمُ اثْنَانِ: اِتِّبَاعُ الْہَویٰ، وَطُوْلُ الاَمَلِ، فَاَمَّا اِتِّبَاعُ الْہَویٰ فَیَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ واَمَّا طُوْلُ الاَمَلِ فَیُنْسِی الآخِرَۃَ"۔ ۳۱؎

(اے لوگو مجھے تم لوگوں کے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کاڈر ہے، ایک خواہشوں کی پیروی دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ۔ خواہشات کی پیروی وہ چیز ہے جوحق سے روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلادیتا ہے۔)

لافانی زندگی کی لافانی مسرتوں کے حصول کی کوشش کرنے والا شخص واقعی داناوبینا ہے، اسی لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ،۳۲؎ اسی زندگی کے لیے فکرمندی اور دوڑ بھاگ کرنے کی تعلیم دی گئی۔رسول اکرم ﷺ نے بھی ایسے شخص کو اہل بینش میں شمارکیا ہے جوخواہشات کو قابومیں رکھے اورموت کے بعد کی منزل کا توشہ فراہم کرنے کی کوشش کرے۔۳۳؎ اس سلسلے کی قرآنی ہدایات اور فرمودات نبوی ﷺ کی تعبیر وتشریح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انتہائی موثر پیرایہ بیان میں اس طرح کی ہے:

فَاَخَذَ امْرُءٌ مِنْ نَفْسِہٖ لِنَفْسِہٖ وَأَخَذَ مِنْ حَیٍّ لِمَیِّتٍ وَمِنْ فَانٍ لِبَاقٍ وَمِنْ ذَاھِبٍ لِدَائِمٍ۔ اَمْرُءًا خَافَ اللّٰہَ وَھُوَ مُعَمَّرٌ اِلیٰ اَجَلِہٖ وَمَنْظُوْرٌ اِلیٰ عَمَلِہٖ اَمْرُءٌ لَجَّمَ نَفْسَہٗ بِلِجَامِہَا وَزَمَّہَا بِزِمَامِہَا فَاَمْسَکَہَا بِلِجَامِہَا عَنْ مَعَاصِی اللّٰہِ وَقَادَھَا بِزِمَامِہَا اِلیٰ طَاعَۃِ اللّٰہِ۔ ۳۴؎

(پس چاہیے کہ انسان خود اپنے سے اپنے لیے اور زندہ سے مردہ کے لیے اور فانی سے لافانی کے لیے اورختم ہونے والی (زندگی) سے ہمیشہ ہمیش (والی زندگی) کے لیے فلاح وبہبود

حاصل کرے۔ وہ انسان جسے ایک مدت تک عمر دی گئی اور عمل کے لیے مہلت بھی دی گئی، وہ اللہ سے خوف کھائے۔ مرد وہ ہے جو اپنے نفس کو لگام دے کر اوراس کی باگیں چڑھا کر اپنے قابو میں رکھے اور نفس کو لگام دے کر اللہ کی نافرمانیوں سے روکے اور اس کی باگیں تھام کر اللہ کی اطاعت کی طرف اسے لے جائے)۔

مثالی فرد اور مثالی معاشرہ کے اوصاف وخصائص میں اعتدال پسندی ایک نمایاں وصف ہے، جسے قرآن وسنت میں اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دنیا کے سلسلے میں بھی قرآن مجید کا نظریہ اعتدال پر مبنی ہے۔ اسلام میں رہبانیت پسندیدہ عمل نہیں ہے بلکہ اس کی مذمت کی گئی ہے۔ اس لیے کہ قرآن کی فکر یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑ کراور گوشہ گیر ہو کر ایک شخص نہ ہی کماحقہ اللہ کے حقوق کی ادائیگی کر سکتا ہے اور نہ ہی اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائگی کا فریضہ انجام دے سکتا ہے، کیونکہ وہ اس صورت میں والدین، زوجین، اعزہ واقرباء، ہمسایہ معاشرے کے خستہ حال افراد، یتیموں، فقراء اور غرباء سے دور رہ کر اور ان کے حقوق کی ادائگی سے کنارہ کش ہو کر گویا وہ ظلم عظیم کاارتکاب کرتا ہے جس کے نتیجے میں قیامت کے روز اسے بڑے دیوالیہ پن سے سابقہ پڑے گا۔ اسی لیے وہ دنیاکو چھوڑنے اور اس سے کنارہ کش ہونے کی نہیں بلکہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔[۳۵] ہاں آخرت کی زندگی اصل زندگی ہے، یہ زندگی ہر انسان کی منزل ہے اوراس زندگی کو فنا نہیں ہے، یہاں کی لذتیں ابدی ہیں اور یہاں کا عذاب بھی دائمی ہے، اس لیے اس دنیا کو اس طرح برتا جائے کہ اصل زندگی میں ناکامی ونامرادی کاسامنا نہ کرنا پڑے۔ گویا یہ دنیا 'حسنہ' کی شکل میں بندۂ مومن کی مطلوب[۳۶] اس وقت ہوجاتی ہے، جب یہ جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہو اور آخرت کے لیے توشۂ راہ فراہم کرنے میں ممدومعاون بن رہی ہو، بصورت دیگر یہ واقعی 'فتنہ' ہے۔[۳۷]

نہج البلاغہ میں دنیا سے بے اعتنائی وبے التفاتی کی جابجا تعلیمات وتلقینات سے ظاہر بیں نگاہیں یہ تاثر لیتی ہیں کہ یہ دنیوی خیر وفلاح اورترقی وکامرانی میں سد راہ ثابت ہوتی ہیں، حالانکہ، یہ امر واقع کے خلاف ہے۔ قرآن وسنت کی درخشاں تعلیمات کے مطابق روحانیت کو پامال کرکے مادیت کا حصول اوراصل زندگی کو خطرے میں ڈال کر اس فانی زندگی میں لذتوں کا حصول، محمود ومسعود نہیں بلکہ انتہائی معیوب و مذموم ہے جو انسان کوانسانیت کے مقام سے گرادیتا ہے اور ابدی سعادت وکامرانی کی منزل سے کوسوں دور کردیتا ہے۔ حضرت علیؑ نہج البلاغہ میں جگہ جگہ اسی موقف کی تعبیر وتشریح کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضرت

علیؑ اس ترقی وکامرانی کے خواہاں نہ تھے جو اسلام کی سادگی کو قیصر وکسریٰ کے رنگ میں رنگ دے۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں جہاں جہاں ترک دنیا کی تعلیم و تلقین ہے۔ اس سے رہبانیت قطعاً مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ دنیوی سروسامان پر وہ تکیہ نہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی میں وہ خسارہ ومحرومی سے دوچار نہ ہوجائے۔ گویا فکر آخرت کو محور بناکر اعتدال کے ساتھ دنیا اوراسباب دنیا کو استعمال کیا جائے تودانشمندی ہے۔اس سلسلے میں حضرت علیؓ کا یہ خطبہ دنیا کو حداعتدال برتنے سے متعلق نقوش راہ فراہم کرتا ہے:

مَااَصِفُ مِنْ دَارٍ اَوَّلُهَا عَنَاءٌ وَآخِرُهَا فَنَاءٌ فِي حَلاَلِهَا حِسَابٌ وَفِي حَرَامِهَا عِقَابٌ مِنْ اسْتَغْنٰى فِيْهَا فُتِنَ وَمَنِ افْتَقَرَ فِيْهَا حَزِنَ وَمَنْ سَاعَاهَا فَاتَتْهُ وَمَنْ قَعَدَ عَنْهَا وَاتَتْهُ وَمَنْ اَبْصَرَ اِلَيْهَا اَعْمَتْهُ۔ ۳۸

(میں اس دار دنیا کی حالت کیا بیان کروں کہ جس کی ابتداء رنج اورانتہا فنا ہو، جس کے حلال میں حساب اور حرام میں سزا وعقاب ہو۔یہاں کوئی غنی ہو توفتنوں سے واسطہ اور فقیر ہو تو حزن وملال سے سابقہ پڑے۔ جودنیا کے لیے سعی وکوشش میں لگا رہتا ہے اس کی دنیوی آرزوئیں بڑھتی ہی جاتی ہیں اور جوکوششوں سے ہاتھ اٹھالیتا ہے دنیا خود ہی اس سے سازگار ہوجاتی ہے۔ جوشخص دنیا کو عبرتوں کا آئینہ سمجھ کر دیکھتا ہے تووہ اس کی آنکھوں کو روشن وبینا کردیتی ہے اور جوصرف دنیا پر ہی نظررکھتا ہے تووہ اسے کورونابینا بنادیتی ہے)

والدہ ماجدہ اور پدر بزرگوار دونوں طرف سے ہاشمی النسب، سرورکونین ﷺ کے عم زادہ اورداماد، حلقۂ اسلام میں شمولیت اختیار کرنے والے چارمایہ ناز السابقون الاوّلون کا مقام پانے والےفرزندان توحید میں ایک اور چھوٹی عمرکے لوگوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہونے ہونے والے، تمام غزوات میں نمایاں کردار کے مالک، عہدطفولیت سے ہی چشمۂ نبوت سے سب سے زیادہ فیض اٹھانے والے، جرأت وبہادری اورحق گوئی و بے باکی کی علامت ، فاتح خیبر باب مدینۃ الرسول اور شیر خدا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بے مثل خداداد اوصاف وکمالات کے حامل تھے۔ بلاشبہ رب العالمین اوراحکم الحاکمین نے انھیں گوناگوں لاثانی صلاحیتوں سے نوازاتھا۔ نہج البلاغہ امیرالمؤمنین خلیفہ راشد کے خطبات، مکتوبات اورحکم ونصائح کا وہ عظیم الشان مجموعہ ہے جوچوتھی صدی میں السید شریف رضی کی شبانہ روز تلاش، اخلاص وللّٰہیت اور جہدمسلسل کا شاہکار ہے۔ایک طرف یہ بیش بہا گنجینۂ خطبات ومواعظ فکری لحاظ سے بلندیوں پر کمندیں ڈالے ہوا ہے اور ایمان وایقان ، اخلاص وللّٰہیت،حق گوئی وبے باکی، عدل وانصاف، ایثار وقربانی، صبروشکر، زہدو ورع، انسانی ہمدردی وبشردوستی، دنیا کی بے ثباتی اورآخرت کی پایہ دار اور سرمدی

کامیابی، گویا تمام تر انسانی اور اخلاقی قدروں پر جامع گفتگو کے ذریعہ مثالی معاشرے کی راہ ہموار کی گئی ہے، اور اس پہلو سے اسے مرجع خلائق ہونے کا شرف حاصل ہے، تو دوسری طرف فن اور ادب کے لحاظ سے ایسا شہ پارہ ہے جو بلاشک وریب علم وفن کے شیدائیوں اور زبان وادب کے ائمہ واساتذہ کے لیے ہر دور میں مشعل راہ ثابت ہوا ہے۔

دنیا سے متعلق اعتدال پسندانہ نقطۂ نظر در اصل قرآنی فکر کا ماحصل ہے۔ قرآن ایک طرف اس بات کو پرزور انداز میں کہتا ہے کہ رہبانیت کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اورکامیابی وکامرانی کا حصول بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ والدین، بیوی بچے اعزہ واقرباء اور معاشرۂ انسانی کے دوسرے مستحق ومحتاج افراد کے حقوق ادا کیے جائیں۔ لیکن حقوق العباد سے متعلق یہ عظیم الشان فریضہ ترک دنیا اور عزلت نشینی سے انجام نہیں دیا جاسکتا۔ جائز حدود میں دنیا بھی حاصل کی جائے گی، خواہشات وضروریات بھی پوری کی جائیں گی اور انسانی حقوق کی ادائیگی کے لیے سرگرمیٔ عمل بھی دکھائی جائے گی۔ لیکن آخرت کی کامیابی اصل کامیابی ہے، انسان اس دنیامیں مسافر ہے، دنیا اس کے لیے پیدا کی گئی ہے اور وہ دنیا کے لیے نہیں پیدا کیا گیاہے، خواہشات نفس شریعت کے منافی نہیں ہیں یا انسانیت کی عظمت اس سے مجروح نہیں ہوتی بلکہ خواہشات کو بے لگام چھوڑ دینا انسان کو کردار کے لحاظ سے قعرمذلت میں گرادیتا ہے، بلکہ بایں طور انسان جانور سے زیادہ گم گشتۂ راہ ہوجاتاہے۔ اگر یہ دنیا جائز طریقے سے ہے اور آخرت کی ابدی زندگی کا حصول دنیا اور سامان دنیا کے اکتساب واستعمال سے مخدوش ومجروح نہیں ہوتا تو گویا یہ وہ 'حسنة' ہے جو بندگان خدا کی شب وروز کی دعاؤں کا مرکز توجہ بنتی ہے۔ لیکن یہ دنیا آخرت کی ابدی اور قطعی کامیابی وکامرانی کوفراموش کرکے اور خواہشات نفس کا اسیر بن کے حاصل کی جارہی ہے اوراس کا استعمال اگرحدود وقیود کو بالائے طاق رکھ کر کیا جارہا ہے تو گویا یہ 'فتنہ' اور وبال ہے جو اس فانی دنیا میں بھی اس کی شناخت کو مجروح کردیتا ہے اورآخرت کی ابدی سعادت سے بھی محرومی کا سبب بنتا ہے۔ دنیا اور اسباب دنیا سے متعلق یہ درخشاں قرآنی افکار وہدایات توضیح وتشریح کی شکل میں نہج البلاغہ کے صفحات کی زینت ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر ایک شخص یا معاشرہ لازوال زندگی کی مسرتوں کو مطمح نظر بناتاہے اور اخوت ومحبت، عدل وانصاف اورانسانیت نوازی و ہمدرد خلائق کی خوشگوار فضا قائم کرکے اس تغیرپذیراور زوال آشنا عالم آب وگل کو بھی جنت نشاں بنادیتاہے۔

حواشی

۱۔ بشیر ساجد: عشرہ مبشرہ ، ص ۶۴۱، طبع اول، ۱۹۹۳ء، مدینہ پبلشنگ سینٹر، دہلی

۲۔ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور: لسان العرب، الجزء الخامس، مادہ "ح،د،ر" ص ۲۴۶، الدار المصریۃ للتالیف والترجمہ

۳۔ ابو محمد عبدالملک بن ہشام: سیرۃ النبی ، الجزء الاول، ص ۲۶۴،۲۶۵،۱۳۶۵ھ، دارالفکر

۴۔ H.A.R. Gibb, J.H. Kramers and others: The Encyclopaedia of Islam, vol.1 p.381, New Edition 1960, E.J. Brill, Leiden

۵۔ شمس الدین الذہبی: سیرُ اعلام النبلاء، الجزء الاول، ص ۹۹، دارالمعارف ، مصر

۶۔ بشیر ساجد: عشرہ مبشرہ، ص ۶۴۴۔۶۴۵

۷۔ ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، الجزء الثالث، ص ۱۹۔۲۳، ۱۳۷۷ھ، دار بیروت، للطباعہ والنشر

۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۱۴/۲، ص ۲۷۔۳۰، طبع اول، ۱۹۸۲ء، دانش گاہ پنجاب ، لاہور تفصیلات ملاحظہ فرمائیں مرتضٰی حسین فاضل کا مقالہ "علی بن ابی طالب"

۹۔ مفتی جعفر حسین (مترجم) نہج البلاغہ، ص ۱۸۱، خطبہ نمبر ۳۷، اضافہ شدہ ایڈیشن، عباس بک ایجنسی، لکھنؤ

۱۰۔ سید ابوالحسن علی ندوی، المرتضی، ص ۱۳ (مقدمہ)، ۱۹۸۹ء، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۱۔ ملاحظہ فرمائیں نہج البلاغہ کے اردو ترجمہ میں حضرت سید العلماء کا 'حرف اول' ، ص ۱۸، اضافہ شدہ ایڈیشن، عباس بک ایجنسی، لکھنؤ

۱۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۴/ ۲، ص ۶۹،

۱۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۴/۲، ص ۶۹

۱۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۴/۲، ص ۶۹۔۷۰

۱۵۔ Cyril Glasse: The Concise Encyclopaedia of Islam.p35, 1989, Stacy International, London

۱۶۔ سید ابوالحسن علی ندوی: المرتضی، ص ۳۲

۱۷۔ سورہ النحل، آیت ۹۷

۱۸۔ سورہ البیّنۃ، آیت ۶۔۷

۱۹۔ سورہ الزلزال، آیت ۷۔۸
۲۰۔ سورہ القارعہ، آیت ۶۔۹
۲۱۔ نہج البلاغہ، ج۲، خطبہ ۲۰۱، ص۵۶۸
۲۲۔ سورہ الکہف، آیت ۷
۲۳۔ ملاحظہ ہو: سورہ آل عمران، آیت ۱۸۵، سورہ لقمان، آیت ۳۳، سورہ فاطر، آیت ۵، سورہ الحدید، آیت ۲۰
۲۴۔ نہج البلاغہ، ج۲، خطبہ نمبر۱۰۹، ص ۳۱۶۔۳۱۷
۲۵۔ نہج البلاغہ، ج۲، خطبہ نمبر۹۷، ص ۲۹۱
۲۶۔ سورہ التحریم، آیت ۶
۲۷۔ سورہ التین، آیت ۹
۲۸۔ سورہ الاسرا، آیت ۷۰
۲۹۔ سورہ الجاثیہ، آیت ۱۳
۳۰۔ سورہ الفرقان، آیت ۴۳۔۴۴
۳۱۔ نہج البلاغہ، ج۲، ص ۱۸۵
۳۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۳۳، سورہ الحدید، آیت ۲۱، سورہ الحشر، آیت ۱۸
۳۳۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج۴، ص۱۲۴
۳۴۔ نہج البلاغہ، ج،۲، ص۶۳۱
۳۵۔ سورہ القصص، آیت ۷۷، سورہ انفال، آیت ۲۸،
۳۶۔ سورہ البقرہ، آیت ۲۰۱
۳۷۔ سورہ انفال، آیت ۲۸، سورہ التغابن، آیت ۵
۳۸۔ نہج البلاغہ، ج۱، ص ۲۲۶، خطبہ نمبر۸۰

حضرت زینبؑ کی سیرت اور کلام میں بصیرت آفرینی

تالیف: علی رضا زنگوئی
ترجمہ: منہال حسین

پوری تاریخ میں رونما ہونے والی اسلامی بیداریاں جناب زینب علیہا السلام کے خطبوں اور حقائق کو اجاگر کرنے کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں، آپؑ نے اپنے خطبوں کے ذریعہ فتنوں کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کردیا تھااور اس طرح اموی حکومت کی نابودی کا مقدمہ فراہم کیا، یہ وہ خطبے ہیں جن میں نفسانی خواہشات کی پیروی کے نقصانات، دین میں بدعتوں کے رواج کو آشکار اور بدعت گزاروں کو رسوا کیا گیا ہے۔

اس مقالہ کے مقدمہ کو حضرت زینب علیہا السلام کی بصیرت آفرینی کے سلسلہ میں رہبر انقلاب اسلامی ایران حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ کے نورانی بیان سے مزین کرتے ہیں:

کلام رہبری میں زینبی بصیرت کی توصیف

"جناب زینبؑ" کی شخصیت کی طاقت اور قوت برداشت کو ملاحظہ کریں؛ یہ شخصیت کس قدر طاقتور وشجاع ہے، دو دن پہلے چٹیل میدان میں ان کے بھائی کو، ان کے امام کو، ان کے رہبر کو تمام عزیزوں، جوانوں اور بیٹوں کے ساتھ شہید کردیا گیا، بچوں اور بی بیوں کی ایک تعداد کو اسیر بناکر اونٹوں پر سوار کیا گیا، لوگ تماشا دیکھنے کے لئے اکٹھا ہیں، شور وغل مچا رہے ہیں، بعض نالہ وشیون کررہے ہیں؛ ایسے نازک حالات میں ناگہاں خورشید زینبی طلوع ہوتا ہے اور وہ اسی لب ولہجہ میں مخاطب ہوتی ہیں جس لہجہ میں ان کے بابا امیر المومنین علی علیہ السلام خطبہ دیا کرتے تھے؛ وہی کلمات، وہی فصاحت و بلاغت، وہی معانی کی گیرائی وگہرائی ہے:

" یا اهل الکوفه: یا اهل الغدر والختل"اے کوفیو! اے دھوکہ دینے والو اور ریاکاری کرنے والو! شاید تم لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ اسلام کے پیروکار اور اہلبیت عصمت و طہارت کے مطیع ہو لیکن اس امتحان میں کس قدر پیچھے رہ گئے ہو!

" هل فیکم الا الصلف والعجب والشنف والکذب و ملق الاماء و غمز الاعداء" (بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۶۲) تمہارے کردار اور تمہاری زبانیں دل کے ہمراہ نہیں تھیں۔ غرور میں مبتلا ہوگئے اور یہ سوچ لیا کہ مومن ہو، ابھی بھی انقلابی ہو اور اس وہم میں مبتلا ہوگئے ہو کہ ابھی بھی

امیر المومنینؑ کی پیروی کر رہے ہو؛ جبکہ حقیقت بالکل اس کے خلاف ہے، تم نے ڈٹ کر فتنہ کا مقابلہ نہیں کیا اور خود کو ہلاکت سے دور نہ رکھ سکے۔

" مثلکم کمثل التی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا" تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو سوت کاتتی ہے اور اسے کاتنے کے بعد دوبارہ ادھیڑ دیتی ہے، تم نے ماحول کو بنا سمجھے، بصیرت سے عاری، حق و باطل میں تمیز کئے بغیر اپنے کارناموں اور اعمال کو تباہ و برباد کر دیا، تمہارے بڑے بڑے دعوے تھے لیکن ان کا باطن کھوکھلا، سست اور آندھیوں کے مقابلے میں کمزور۔

ایسا محکم کلام، ضمیر کو جھنجھوڑنے والے کلمات، وہ بھی ایسے دشوار حالات میں، جناب زینبؑ نے اس طرح خطاب کیا۔ ایسا نہیں تھا کہ جناب زینب علیہا السلام کے سامنے کچھ لوگ سننے والے بیٹھے ہوں اور آپؑ بھی ایک خطیب کی مانند ان کے سامنے اپنی خطابت کے جوہر دکھا رہی ہوں، نہیں ایسا ہر گز نہیں تھا بلکہ وہ دشمن تھے جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور آپؑ کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھے اور کچھ وہ لوگ بھی تھے جو مجہول الحال تھے، یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے جناب مسلمؑ کو ابن زیاد کے حوالے کر دیا تھا، امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھے اور پھر اپنے وعدوں سے پھر گئے، جس دن ابن زیاد کا مقابلہ کرنا چاہئے تھا اس دن انہوں نے اپنے گھروں کی پناہ لی تھی، یہ لوگ کوفہ کے بازار میں اکٹھا تھے، کچھ ایسے بھی وہاں آئے تھے جنہوں نے اپنے نفس کی کمزوری کا ثبوت دیا تھا، اب تماشائی بنے دیکھ رہے ہیں، امیر المومنینؑ کی بیٹی کو دیکھ رہے ہیں، نالہ و شیون کر رہے ہیں، جناب زینبؑ کا سامنا ایسے بے اعتماد اور دھوکے باز لوگوں سے تھا لیکن خوب غور سے ملاحظہ کریں کہ جناب زینبؑ کے تخاطب اور کلام کا انداز کیسا زبردست ہے، یہ تاریخ کی بے مثال خاتون ہیں، یہ کوئی کمزور عورت نہیں بلکہ عورت کو کمزور نہیں سمجھا جا سکتا، یہ ایک مومنہ عورت کا جوہر ہے جو ایسے دشوار اور نازک حالات میں اپنے جوہر کو پیش کر رہی ہے، یہ ایک خاتون ہے جو حقیقت میں ایک نمونۂ عمل ہے، دنیا کے تمام عظیم مردوں اور عورتوں کے لئے اسوہ ہے، اس خاتون نے انقلاب نبوی اور انقلاب علوی کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کو نقصان پہنچانے والے علل واسباب کی نشاندہی کی ہے، فرماتی ہیں: " تم فتنہ کے مقام پر حق کو باطل سے تمیز نہ دے سکے، اپنے وظیفے پر عمل نہ کر سکے، تمہاری اس لاپرواہی اور سستی کی وجہ سے پیغمبر اکرم ﷺ کے لخت جگر کا سر نیزہ پر سجا دیا گیا۔ " یہ وہ لحظات ہیں جن کے ذریعہ جناب زینبؑ کی عظمت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

(ایران کے ہسپتالوں کی مثالی اور بہترین نرسوں اور کارکنوں سے مقام معظم رہبری کا خطاب، ۱۳۸۹/۲/۱ھ ش)

بیداری اسلامی کی موجودہ لہر میں جناب زینبؑ کے تاریخی اور بصیرت افروز کردار کو واضح کرنے کے لئے آپؑ کی سیرت کے تین پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی:

الف: دوستوں کے دلوں کو تسلی دینا

امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور اسیری کے دوران جناب زینبؑ غمزدہ اور اسیروں کی ملجاو مأویٰ تھیں، قتل گاہ کے نشیب سے شہر کوفہ کی تاریک اور تنگ گلیوں تک، ابن زیاد کے دربار سے یزید کے ستم کدہ تک زینبؑ ہر جگہ اسیروں کے لئے فرشتہ نجات بنی رہیں اور اور مسلسل انہیں دلاسے اور دلداری دیتی رہیں، حضرت زینبؑ کی بے مثال بصیرت نے ہر گز اس بات کی اجازت نہیں دی کہ اسیروں کی اسارت ان کے قدم متزلزل کردے، اسیروں اور مظلوموں کو تسلی اور تشفی دے کر یزید اور یزیدیوں کے چہروں پر ایسا وار کیا جس سے وہ پوری طرح بے نقاب ہوگئے۔

عظیم المرتبت جناب زینبؑ حضرت امام سجاد علیہ السلام کی ڈھارس اور محکم مددگار تھیں جیسا کہ آپ فرماتی ہیں: " لا یجزعنک ما تری فواللہ ان ذلک لعهدٌ من رسول اللہ الی جدک وابیک و عمک " (بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۷۹)۔اے بھتیجے! اس وقت جو کچھ آپ مشاہدہ کر رہے ہیں وہ آپ کو عاجزی پر مجبور نہ کردے، خدا کی قسم! یہ سب کچھ حقیقت میں وہ عہد ہے جسے رسول خدا ﷺ نے آپؑ کے دادا، بابا اور چچا سے لیا تھا۔

عقیلہ بنی ہاشم حمایت اور اطمینان قلبی کا مظاہرہ ابن زیاد کے دربار میں اس وقت پیش کرتی ہیں، جب اس ملعون نے جناب زینبؑ کو توہین آمیز کلمات اور جذبات کو مجروح کردینے والے الفاظ سے اذیت پہنچانا چاہااور ان کی دل آزاری کے لئے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے کہنے لگا: دیکھا! خدا نے تمہارے بھائی اور گھروالوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ وہ ملعون حقیقت میں کہنا چاہتا تھا: دیکھا! خدا نے تمہیں اور تمہارے گھروالوں کو کیسی سزادی؟ جناب زینبؑ جواب دینے میں بالکل ہچکچائی نہیں بلکہ ایسا جواب دیا جو دل کی دنیا میں سکون کی حکمرانی اور تسلیم و رضا کی خبر دے رہا تھا: "مارأیت الا جمیلا" (اللهوف فی قتلی الطفوف، سید ابن طاووس، انتشارات داوری، ص۶۸؛ و زینب کبریٰ من المهد الی اللحد، سید محمد کاظم قزوینی، انتشارات جلال الدین چاپ اول، ۱۴۲۶ھ ق، ص۳۴۸) میں نے اچھائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیکھا۔

یہ نورانی جواب حقیقت میں ابن زیاد کے سر پر ایک ہتھوڑے کا کام کرگیا اور وہ یہ جملہ سن کر بو کھلا کر رہ گیا، پھر جناب زینبؑ سے ہمکلام نہ ہو سکا ادھر دوسری طرف اسیروں اور چاہنے والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ب: دشمنوں کی سرزنش اور تحقیر

فتنے اور ظلم و ستم کے پنجے سے رہائی کے لئے جناب زینبؑ کا دوسرا طریقہ دشمنوں کی سرزنش اور تحقیر تھی:

۱۔ پسر مرجانہ: حضرت زینبؑ نے ابن زیاد کے دربار میں جاکر اسے "پسر مرجانہ" کہا۔ (بحار الانوار، ج۴۵، ص۱۳۵؛ وسیرہ پیشوایان، مہدی پیشوائی، مؤسسہ تحقیقاتی امام صادقؑ، قم، چاپ پنجم، ص۱۹۵) یہ لقب عبید اللہ ابن زیاد کے لئے رسواترین اور ذلت بارترین خطاب تھا جس کی وجہ سے اس کے نامشروع اور ناجائز ہونے اور اس کی ماں کی بدکرداری کا راز کھل کر سامنے آگیا اور ابن زیاد کے لرزاں بدن پر ایسا وار کیا جس کو سہہ نہ سکا اور جناب زینبؑ کے قتل کا فرمان دے دیا۔

۲۔ فرزند طلقاء: حضرت زینبؑ نے یزید کو "فرزند طلقاء" کہا، ایک دوسری عبارت میں "خبیث آزاد ہونے والے" (سابق حوالہ، ص۱۳۸)۔ کہا جاسکتا ہے، یہ لقب فتح کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ جب پیغمبر اکرم ﷺ نے مکہ فتح کرلیا تو بزرگان مکہ جس میں یزید کا دادا ابوسفیان بھی تھا، اسے بھی آزاد کرتے ہوئے فرمایا: "إذهبوا فأنتم الطلقاء" (فروغ ابدیت، آیت اللہ جعفر سبحانی، دفتر تبلیغات اسلامی، چاپ بیست وہشتم، ص۳۳۸)

۳۔ خدا کا دشمن اور دشمن خدا کا بیٹا: حضرت زینبؑ نے یزید کے دربار میں اسے "خدا کا دشمن اور خدا کے دشمن کا بیٹا" ! کہہ کر خطاب کیا اور فرمایا خدا کی قسم ! تو میری نظر میں اتنا حقیر ہے کہ تیری سرزنش کرنا ضروری نہیں سمجھتی لیکن کیا کروں کہ آنکھوں کا آنسوؤں نے احاطہ کررکھا ہے اور سینہ میں درد و رنج بھرا ہوا ہے، امام حسینؑ کی شہادت کے بعد شیطانی لشکر ہمیں کوفہ سے گزارتے ہوئے بیوقوفوں کے دربار تک کشاں کشاں پھراتا ہوا لایا ہے تاکہ پیغمبر اکرم ﷺ کے خاندان کی بے حرمتی کی جزا مسلمانوں کے بیت المال سے حاصل کرسکے، جب ان ستمگروں کے ہاتھ ہمارے خون سے رنگین ہوگئے اور ان کے دہن ہمارے گوشت سے بھر گئے اور پاکیزہ و مطہر اجساد کے گرد بھیڑئے منڈلانے لگے تو پھر تجھ جیسے کی سرزنش اور مذمت سے کیا فائدہ؟ (سیرہ پیشوایان، مہدی پیشوایی، ص۲۰۴)

۴۔ فاسق و فاجر: زینبؑ خاندان بنی ہاشم کی ایک دلیر خاتون ہیں؛ اسی لئے کم ظرفوں کے سامنے دہاڑتی ہیں، سرزنش کرتی ہیں، تحقیر کرتی ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتیں، انہیں شمشیر بکف دشمنوں سے کوئی خوف لاحق نہیں، جب ہر طرف جنازے ہی جنازے تھے اور موت کا سایہ تھا، ایسے ہنگام میں جناب زینبؑ فریاد کرتی ہیں کہ کیا تمہارے درمیان کوئی مسلمان نہیں ہے؟ ابن زیاد کے دربار میں اس کی شان و

شوکت کو مد نظر قرار دیئے بغیر ایک طرف کھڑی ہو جاتی ہیں اور اس کو خاطر میں لائے بغیر اس کے سوالوں کا جواب دیتی ہیں، اسے فاسق و فاجر کہہ کر خطاب کرتی ہیں اور فرماتی ہیں:

"الحمد لله الذی اکرمنا بنبیه محمد و طهرنا من الرجس تطهیرا انما یفتضح الفاسق و یکذب الفاجر وهو غیرنا" (الارشاد، شیخ مفید، انتشارات بصیرت، قم، ص ۲۴۴؛ و زینب کبری من المهد الی اللحد، سید محمد کاظم قزوینی، ص ۳۴۸)؛ اس خدا کا شکر جس نے حضرت محمد مصطفیٰ کو مبعوث کرکے ہمیں مکرم بنایا اور ناپاکیوں سے دور رکھا، بے شک فاسق رسوا ہوا اور جھوٹ بدکار بولتا ہے اور اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۵۔ بے وقعت اور ناچیز: یزید لعین کے مقابلے میں اس کی بدزبانی اور کرتوتوں کے مقابلے میں حیدری شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جناب زینبؑ فرماتی ہیں:

" لئن جرّت علیّ الدواهی مخاطبتک انی لاستصغر قدرک و استعظم تقریعک و استکبر توبیخک" (بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج ۴۵، ص ۱۳۴)

اگر زمانے کی ستم ظریفیوں نے مجھے تجھ سے ہم کلام ہونے پر مجبور کردیا ہے تو جان لے کہ میری نگاہوں میں تو نہایت حقیر اور پست ہے لیکن تیری سرزنش کرنا میرے لئے بہت اہم ہے"۔

۶۔ بھیڑیا صفت: عجیب ہے کہ آج انبیاء اور اوصیاء کی پاکیزہ اولاد آزاد ہونے والے پست، پلید، فاسق اور تباہ کاروں کے ہاتھوں قتل ہو رہی ہیں، ان کے ہاتھوں سے ہمارے خون ٹپک رہے ہیں اور انہوں نے اپنے دانتوں کو ہمارے گوشتوں میں دھنسار کھا ہے، جبکہ ان کے ہاتھوں شہید ہونے والے حقیقت میں آج بیابان کے درندوں کا شکار بن گئے ہیں اور ان کے جسم اطہر خاک وخون میں غلطاں ہو کر غبار آلود ہو چکے ہیں، اگر تو نے یہ گمان کرلیا ہے کہ ہم تیری غنیمت ہیں تو عنقریب دیکھ لے گا کہ ہم کس طرح تیرے خسارے اور تباہی کا باعث ہوں گے؛ اس دن جب اعمال کے علاوہ کوئی بھی چیز ہاتھ نہ لگے گی اور خدا اپنے بندوں پر کوئی ستم نہیں کرتا"۔ (سابق حوالہ)

۷۔ شیطان کا گھر: " یہ جو میں تیری وقعت کو ناچیز اور تیری مذمت کو عظیم سمجھتی ہوں اس لئے نہیں ہے کہ اس وقت یہ خطاب تیرے لئے مفید واقع ہوگا بلکہ تو نے مسلمانوں نے کی آنکھوں کو نمناک کیا ہے اور ان کے دلوں کو مجروح کیا ہے، تیری وجہ سے لوگوں کے قلوب سخت ہوگئے ہیں اور روح و جان طغیان پر اتر آئے ہیں اور بدن خدا و پیامبرؐ کی لعنتوں سے لبریز ہو چکے ہیں اور ان کے دلوں میں شیطان نے گھر کرلیا ہے اور ان میں انڈے بچے دے رکھے ہیں"۔ (مذکورہ حوالہ)

ج: لوگوں کے جذبات کو ابھارنا

فتنے سے باہر آنے کے لئے جناب زینب علیہا السلام کی سیرت اور رفتار و گفتار کی رو سے تیسرا قائدانہ اقدام ملاحظہ ہو:

ا۔ گریہ وزاری اور مجلس عزا کو قائم کرنا

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جناب زینب علیہا السلام نے تیزی سے اپنے آپ کو برادر کے جنازۂ اطہر پر پہنچایا اور گریہ و فغاں کرتے ہوئے فرمایا:

" وا أخاه، وا سیداه وا أهل بیتاه، لیت السماء اطبقت علی الارض، ولیت الجبال تدکدکت علی السهل "؛ (بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۵۳) اے کاش ! آسمان زمین پر گر پڑتا، اے کاش ! پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے اور بیابانوں میں بکھر جاتے "۔

اور جب شمر ملعون کے کہنے پر اسیروں کے قافلہ کو شہیدوں کے جنازوں کے پاس سے گزارا گیا ہے جناب زینبؑ کی نگاہیں جیسے ہی امام حسین علیہ السلام کے بے سر تن اور شہداء کے پارہ پارہ بدن پر پڑی ہے تو کجاوہ سے خود کو گرادیا، بھائی کے جنازے کے پاس پہنچیں، بدن اطہر کو آغوش میں لیا امام حسینؑ کے بے سر گلے کا بوسہ لیا اور فرمایا:

" یا اخی لو خیرت بین الرحیل والمقام عندک لأخترت المقام عندک ولو أن السباع تاکل من لحمی "(معالی السبطین فی احوال الحسنؑ والحسینؑ، محمد مہدی حائری، قم، سن اشاعت ۱۳۸۳، شمسی ج ۲، ص ۵۵) میرے بھائی! اگر مجھے آپؑ کی قبر پر اقامت اور مدینہ جانے کے درمیان مخیّر کردیا جاتا تو میں یقینا آپؑ کے پاس سکونت اختیار کرلیتی، گرچہ میرے بدن کو بیابان کے درندے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتے "۔

بعض مقاتل میں وارد ہوا ہے کہ اس کے بعد مدینہ کی طرف رخ کرکے فرمایا:

"وامحمداه، صلی علیك ملائكة السماء هذا حسین بالعراء، مرمل بالدماء، مقطع الاعضاء، واثكلاه و بناتك سبایا ، الی الله المشتكی والی محمد المصطفیٰ والی علی المرتضیٰ والی فاطمة الزهراء والی حمزة سید الشهداء وا محمداه، و هذا حسین بالعراء، تسفی علیه ریح الصباء، قتیل اولاد البغایا، واحزناه واكرباه علیك یا ابا عبد الله ، الیوم مات جدی رسول الله یا اصحاب محمد، هٰؤلاء ذریة المصطفیٰ یساقُون سَوقَ السبایا"۔ (کامل ابن اثیر، علی ابن محمد ابن اثیر، انتشارات اساطیر، ۱۳۸۵ش، ج ۴، ص ۸۴)

"ہائے نانا! آپ پر آسمان کے ملائکہ کا دائمی درود و سلام ہو، یہ حسینؑ ہے جو عریاں اور خون میں غلطاں ہے اور جسم اطہر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے، ہائے مصیبت ! آپؑ کی بیٹیاں اسیر بنالی گئی ہیں، میں

خدا، محمد مصطفیٰ، علی مرتضیٰ، فاطمہ زہرا، سید الشہدا جناب حمزہ علیہم السلام کی خدمت میں شکایت پیش کرتی ہوں، ہائے نانا! یہ حسینؑ ہے جو بیابان میں پڑا ہوا ہے اور اس سے باد صبا گذر رہی ہے، اسے زنازادوں نے شہید کر دیا ہے، کیا مصیبت کی گھڑی ہے! آج میرے نانا رسول اللہ وفات پا گئے، اصحاب رسول اللہؐ کہاں ہو؟ اس وقت محمد مصطفیٰ کی ذریت کو اسیر بنا کر لے جایا جارہا ہے"۔

راوی کہتا ہے: جناب زینب علیہا السلام نے اس طرح گریہ کیا کہ "فابکت کل عدو و صدیق" (سابق حوالہ، ص ۸۴) خدا کی قسم! اس طرح گریہ کیا کہ دوست و دشمن سبھی روپڑے۔

جناب زینب علیہا السلام کے حکیمانہ اور مدبرانہ کاموں میں سے ایک کام مجالس کے برپا کرنے کا اقدام تھا، آپؑ نے ملک شام اور مدینہ میں عزاداری کی ملک شام سے نکلتے وقت محملوں کو سیاہ کرنے کا حکم دیا: "محملوں کو سیاہ پوش کر دو تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ہم فرزندان زہراؑ سے شہید ہونے والوں کے سوگوار وماتم دار ہیں"۔ (ریاحین الشریعہ، ذبیح اللہ محلاتی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ج ۳، ص ۱۹۷) گرچہ دشمنوں کی نگاہوں میں یہ تمام کام اہمیت نہیں رکھتے تھے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہی امور اسلامی بیداری کا مقدمہ بنے اوران کاموں نے یزیدیوں کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا، جب تک جناب زینبؑ مقام شام میں اقامت پذیر رہیں، محلّہ "دار الحجارۃ" میں عزاداری کرتی رہیں اور اس طرح گریہ وزاری اور آہ و فغاں کیا کہ اس عزاداری میں شرکت کرنے والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یزید کے محل پر حملہ کرکے اسے قتل کر دیں"۔ (خصائص زینبیہ، سید نور الدین جزائری، انتشارات مسجد جمکران، قم، چاپ اول، ص ۶۹۲)

اسی طرح جب جناب زینبؑ کی بصیرت اور حکمت عملی کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ جناب زینبؑ ہزاروں رنج و الم اٹھانے کے بعد جب مدینہ واپس لوٹی ہیں تو بیت الشرف میں اپنے بھائی اور بقیہ اعزاء و اقارب کے لئے فرش عزا بچھائی۔ تاریخ لکھتی ہے کہ مدینہ کی عورتیں ٹکڑیاں بنا کر ہر روز بی بی کی خدمت میں پہنچتیں اور پُرسہ دے کر حسینؑ مظلوم پر گریہ وزاری کرتیں، یہاں تک کہ مختلف قبائل اور عشائر کی عورتوں نے کربلا کے شہیدوں کا انتقام لینے کے لئے قیام بھی کیا۔ (حضرت زینبؑ کبریٰ، حسین عماد زادہ، انتشارات محمدؐ، تہران، ص ۱۵۰)۔

۲۔ تقریر وخطابت

جب اسیروں کا قافلہ کوفہ پہنچا، کوفے کے زن و مرد اور بچے سڑکوں پر نکل آئے تاکہ اسیروں کے قافلہ کے تماشائی بن سکیں، جناب زینبؑ نے اپنے بابا علی مرتضیٰؑ کے انداز میں نہایت فصاحت و بلاغت اور شجاعت حیدری کا مظاہرہ کرتے ہوئے منبر خطابت سے خطبہ دینا شروع کیا:

"ساری تعریفیں خدا سے مخصوص ہیں ، میرے بابا محمد اور پاک و پاکیزہ اہلبیتؑ اور اس کی منتخب ہستیوں پر درود و سلام ہو، اے کوفہ والو! اے دھوکہ دینے والو! تمہاری آنکھیں ہر گز آنسوؤں سے خالی نہ رہیں، تمہارے آہ و نالہ ہر گز سینوں سے منقطع نہ ہونے پائیں، تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو سوت کاتنے کے بعد اسے دوبارہ ادھیڑ دیتی ہے، نہ تمہارے عہد و پیمان پر بھروسہ ہے اور نہ تمہاری قسموں کا کوئی اعتبار ہے، تمہارے پاس اپنی تعریف و تمجید، کنیزوں کی طرح چاپلوسی اور پشت پردہ دشمنوں سے گٹھ جوڑ اور ساز باز کے علاوہ اور کیا ہے؟ تمہاری مثال اس سبزہ کی ہے جو گندگی پر اگا ہو اور اس خزانہ کی مثال رکھتے ہو جسے کسی مردے کے ساتھ دفن کر دیا گیا ہو، تم نے آخرت کے لئے کتنا ہی برا توشہ مہیا کیا ہے، خدا کے غضب اور عذاب دوزخ کے خوف سے رو رہے ہو؟!! ہاں! خوب روؤ کہ یقیناً رونا تمہارا مقدر ہے! زیادہ روؤ اور کم ہنسو! تم نے جو رسوائی اور ذلت اپنے نام کی ہے، اس پر کیوں نہ روؤ؟ یہ وہ ذلت ہے جسے کوئی بھی چیز مٹا نہیں سکتی، اس سے بڑی ذلت اور رسوائی کیا ہو سکتی ہے کہ تم نے اپنے پیغمبرؐ کے بیٹے اور جنت کے جوانوں کے سردار کو شہید کرڈالا؟! جبکہ وہ تمہارے راستوں کا چراغ اور تمہارے برے ایام کے یاور و مددگار تھے، مرجاؤ! شرم سے سروں کو جھکا لو! تم نے تو ایک لمحہ میں اپنا سب کچھ تباہ و برباد کر دیا اور اس کے عوض تمہیں کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا، اب اس کے بعد ذلت و رسوائی کے عالم میں زندگی کے ایام کاٹو، اس لئے کہ تم نے خدا کے غضب کو خرید لیا ہے، تم نے ایسا کام کیا ہے جس سے نزدیک ہے کہ تم پر آسمان پھٹ پڑے اور زمین دونیم ہو جائے، تمہیں کچھ معلوم ہے کہ تم نے کس کا خون بہایا ہے؟ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ کن عورتوں اور بچوں کو اسیر بنا کر اپنے شہر اور کوچہ و بازار میں لائے ہو؟ تم نے رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر کو شہید کیا؟! کتنا ہی برا اور احمقانہ کام کیا ہے؟! یہ ایسی برائی ہے جو پوری دنیا میں پھیل چکی ہے، کیا تمہیں تعجب ہو رہا ہے کہ آسمان سے خون کے قطرے برس رہے ہیں؟! لیکن تمہیں یاد رہے کہ آخرت کا عذاب بہت خطرناک ہوگا، اگر اس وقت خدا تمہیں تمہارے کرتوتوں کی سزا نہیں دے رہا ہے تو آسودہ خیال نہ ہو جانا، خدا تمہارے کئے کی سزا اتنی جلدی نہیں دے گا لیکن مظلوموں کے خون کو بھی رائگاں و برباد جانے نہیں دے گا، خدا کے یہاں ہر چیز کا حساب و کتاب ہے"۔(سیرہ پیشوایان، مہدی پیشوایی، ص۱۹۰)۔

جناب زینبؑ نے اپنے ولولہ انگیز خطبے سے لوگوں کے احساسات وجذبات کو مغلوب کر دیا اور پورے ماحول کو بدل دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ والے زار و قطار اور دہاڑیں مار کر رونے لگے، عورتوں نے اپنے بال بکھیر دیئے، لوگ افسوس اور حسرت سے اپنی انگلیوں کو چبانے لگے اور سر و صورت پر خاک ملنے لگے۔

بصیرت کی قدر و قیمت اور اثرات

تالیف: زہرا فولادی
ترجمہ: مولانا شیخ ممتاز علی

قرآن کریم میں بصیرت حاصل کرنے کا حکم اور بے بصیرتی کی مذمت موجود ہے کتاب خدا نے ناواقف کو نابینا اور بے بصیرت کو چوپایوں سے بدتر سمجھا ہے۔ فکر صحیح اور ژرف نگاہی سے بصیرت کے چشمے پھوٹتے ہیں نتیجہ میں فہم وفراست، عمیق ادراک، بینش اور جامع تدبیر کی معرفت سے بھرپور علم کا تحفہ حاصل ہوتا ہے۔

جس معاشرہ میں لازمی بصیرت موجود ہے وہ حق نگاہ ہوتا ہے قائد حق کی اطاعت کرتا ہے باطل کے مختلف چہروں سے نقاب ہٹاتا ہے۔ اجتماعی اور سیاسی موارد اور حق و باطل میں تشخیص کی دشواری کے مواقع پر بصیرت کی بڑی اہمیت ہے جیسا کہ آج صحیح راستہ کے انتخاب کے لئے سماج کے حالات کی شناخت اور کفایت کی حد تک بینش کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ تحصیل بصیرت کی ترغیب

بصیرت، سعادت تک پہونچنے کا ذریعہ ہے۔ خدا نے انسان کی خلقت کا مقصد حصول سعادت قرار دیا ہے انسان کی زندگی میں دل کے اندھے پن کے مقابل بصیرت کی برتری کا اعلان قرآن مجید کی آیتوں میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔[۱]

انسان کو جتنی زیادہ بصیرت حاصل ہوگی اس کے لئے خدا کی معرفت اتنی ہی آسان ہو جائے گی، اس کی عبادت ایمان سے لبریز ہوگی کمال کی منزل کو وہ اتنی ہی جلد طے کرے گا۔امام موسی کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں " فاذا كان العبد عاقلا كان عالما واذاكان عالما بربه ابصر دينه"[۲] اگر انسان عاقل اور خردمند ہوگا تو اپنے پروردگار کو پہچانے گا اور جب اپنے پروردگار کو پہچانے گا تو اپنے دین میں بصیرت حاصل

۱۔ رک: سورہ رعد، آیت ۱۶ "هل يستوى الاعمیٰ والبصير"؛ سورہ ھود، آیت ۲۴ "مثل الفريقين كالاعمیٰ والاصمّ والبصير والسميع هل يستويان مثلاً افلاتذكرون" سورہ فاطر، آیت ۱۹ "ومايستوى الاعمیٰ والبصير"
۲۔ حکیمی، محمد رضا، محمد حکیمی و علی حکیمی "الحیاۃ" ترجمہ احمد آرام، دفتر انتشارات اسلامی قم، ۱۳۶۰ ج ۱ ص ۴۶

کرے گا۔ اگر کوئی انسان آیات الٰہی کے مشاہدوں کے توسط سے بینائی حاصل کرتا ہے اور واضح دلیلوں سے بصیر بنتا ہے تو اپنے فائدہ کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "قدجائکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ[1]۔۔۔" تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں آچکی ہیں لہٰذا بصیرت کی نگاہ ڈالے گا تو اس میں خود اسی کا فائدہ ہے۔

زندگی کے تمام امور میں کسب بصیرت ضروری ہے دشمن سے جنگ کے موقع پر اس کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے چنانچہ محمد بن ابی بکر کو معزول کرنے کے بعد امیر المومنین حضرت علیؑ نے جو خط لکھا اس میں تحریر تھا" فاصحر لعدوک وامض علی بصیرتک۔۔۔[2]" دشمن سے مقابلہ کی خاطر سپاہیوں کو باہر لاؤ اور دشمن کی طرف بصیرت کے ساتھ آگے بڑھو۔ ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں" فانفذوا علی بصائرکم ولتصدق نیاتکم فی جہاد عدوکم" [3] تم نگاہ بینا کے ساتھ قدم رکھو اور دشمن سے جہاد کے موقع پر اپنی نیت درست رکھو۔

نعمت بصیرت پر پیغمبر اعظم ﷺ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے رمضان المبارک کی بارہویں رات کی دعا میں ارشاد فرماتے ہیں "الحمد لله الذی اکرمنا بشہر نا ھذا وانزل علینا فیہ القرآن وعرفنا حقہ الحمد للہ علی البصیرۃ" [4] ساری تعریفیں اسی خدا کی ہیں جس نے ماہ رمضان کے ذریعہ ہمیں عزت بخشی اس مہینہ میں ہم پر قرآن نازل ہوا اور اس نے ہمیں اپنے حق کی معرفت عطا کی اور بصیرت وآگہی پر خدا کی حمد ہے۔

۲۔ خدا سے بصیرت کی التجا

رسول مقبول اپنے کلام میں خدا سے بصیرت کی التجا کا سلیقہ ہمیں سکھاتے ہیں۔" ۔۔۔ اللّٰھم انی اسئلک بکل اسم ھولک سمیت بہ نفسک۔۔۔ ان تصلی علی محمد و آل محمد وأن تجعل القرآن ربیع قلبی ونور بصری" [5] پالنے والے میں تجھ سے ہر اس اسم سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے اپنا نام قرار دیا ہے محمد وآل محمد پر درود بھیج اور قرآن کو ہمارے دل کی بہار اور آنکھوں کا نور قرار دے۔

۱۔ سورہ انعام، آیت ۴

۲۔ نہج البلاغہ، نامہ ۳۴

۳ ۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۴

۴۔ مجلسی، بحار، ج ۹۱، ص ۹۸، باب ۳۲؛ ادعیہ المناجاۃ، ابن طاؤس، سید بن علی بن موسیٰ

۵۔ رضائی سید عبدالحسین" ارشاد القلوب" مطبوعہ بار سوم، اسلامیہ، تہران، ۱۳۷۷ج، اص ۲۰۰

مناجات شعبانیہ میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں " الهی هب لی کمال الانقطاع الیک وأنر ابصار قلوبنا بضیاء نظرها الیک حتی تخرق ابصار القلوب حجب النور[۱]" پالنے والے دوسروں سے منقطع ہو کر اپنی طرف متوجہ ہونے کی توفیق عنایت فرما، تیری طرف پڑنے والی نظر کے ذریعہ ہمارے دیدہ دل کو منور فرما۔ یہاں تک کہ دیدہائے دل، پردہ نور کو چاک کردیں۔

۳۔ بے بصیرت انسان کی مذمت

خدا نے جہاں دلوں کے اندھے پن کا تقابل بینائی سے کیا ہے وہاں بڑی تاکید سے یہ بتایا ہے کہ بصیرت، بینائی ہے یہ انسان کو زندہ کردیتی ہے جو اس بینائی سے بہرہ مند نہیں ہے وہ زندہ در گور ہے اس میں تحریک، رشد اور کمال کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں ہوتا۔[۲]

قرآن مجید میں جہاں بھی اندھے پن کا ذکر آیا ہے وہاں اس سے زیادہ تر مراد دل کا اندھا پن اور نور ہدایت سے کنارہ کشی ہے۔[۳] کافر ایسے افراد کے زمرہ میں آتے ہیں جو آنکھیں ہونے کے باوجود اس سے نہیں دیکھتے " ولھم اعینٌ لایبصرون بھا۔ "[۴] منافق کو گونگا، بہرہ اور اندھا کہا گیا ہے " صمٌّ بکمٌ عمیٌ فھم لایرجعون "[۵]

زمانہ کا عمیق نگاہی سے تجزیہ اور واضح ادراک بصیرت ہے جس کی بنیاد تفکر اور غور وخوض ہے۔ زمانہ کے سیاسی موقف اختیار کرنے میں اس خصوصیت کی ضرورت پڑتی ہے۔

اجتماعی مسائل میں عدم بصیرت اور صحیح نکتہ نگاہ نہ ہونے کی بناپر تاریخ کے بہت سے اہم موڑ پر بہت سے سرکردہ افراد ولایت کی ڈگر سے منحرف ہوگئے اس بناپر عدم بصیرت وہ مقام ہے جہاں صرف عوام نہیں بلکہ دانش مند بھی لڑکھڑا جاتے ہیں یہ وہی افراد ہوتے ہیں جو تقاضائے زمانہ کے ادراک اور حق و باطل کی شناخت میں سادگی فکر کو درست سمجھتے ہیں۔

عدم آگہی وہ جانا پہچانا درد ہے جو تمام امور کی تباہی منجملہ انسان کی حیات ابدی کی تباہی کا سبب ہے کیونکہ بہت ساری لغزشیں اور عداوتیں، آفت خیز درخت بے بصیرتی کی دین ہیں۔ بے بصیرت انسان

۱۔ مجلسی، ج ۹۱، ص ۹۸، باب ۳۲؛ ادعیہ مناجات ابن طاؤس، ص ۶۸۷۔

۲۔ سورہ فاطر، آیت ۱۹۔ ۲۲

۳۔ سورہ حج، آیت ۴۶

۴۔ سورہ اعراف، آیت ۱۷۹

۵۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۸

معتدل اور متوازن نہیں ہوتا وہ افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے لہٰذا وہ صحیح رجحان سنجیدہ اور ثمر بخش اقدام سے محروم ہوتا ہے۔[۱]

اسی خصوصیت کے فقدان کی بناپر مولائے متقیان نے اپنے زمانہ کے معاشرہ پر تنقید کی ہے کہ ان کی عقلیں کمزور اور ان کی فکریں حماقت آمیز ہیں، کسی تیر انداز کا نشانہ نہیں ہیں۔ ایسے افراد معرض خطر میں ہیں وہ ایسے مجبور شکار کی طرح ہیں جو صیاد کی زد پر ہیں۔[۲] حضرت نے اپنے آپ کو ان کوفیوں کے نرغہ میں پایا۔ جن میں تین خصلتیں موجود اور دو خصلتیں مقصود تھیں۔ آنکھ کان اور زبان ہونے کے باوجود وہ اندھے، بہرے اور گونگے تھے۔ وہ حضرت کے لئے ملاقات کے موقع پر نہ تو مردان صادق تھے نہ سختی کے موقع پر قابل اعتماد۔[۳]

بے بصیر کی بنیاد وہ حق کو باطل سے جدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے سیاست بازوں کے آلۂ کار بن گئے معاویہ اور عمرو وعاص کے دھوکہ میں آگئے حضرت علی نے ان کی عدم بصیرت کی تصویر کشی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ بدترین افراد ہیں، شیطان کے ہاتھوں کا تیر ہیں جس سے شیطان اپنے فائدہ کے لئے نشانہ لگاتا ہے اور لوگوں کو جرت، تردد اور گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔[۴]

بے بصیرت انسان کے پاس نہ تو دیدۂ عبرت نگاہ ہے اور نہ آفاقی نشانیوں پر اس کی نظر اور نہ تو اس کے پاس ایسا دل ہے کہ وہ آیات انفس پر غور کرسکے نہ اسے حقیقت کی بصیرت حاصل ہے کہ وہ نورانیت سے اسرار غیبی کا مکاشفہ کرسکے۔

عدم بصیرت کے نقصانات

کسی بات کا پتہ لگانے کے لئے اس کے فقدان کے نتائج کی تحقیق ضروری ہے۔ اسی حصہ میں مطالب کو خوبصورتی سے بیان کرنے کے لئے ہم عدم بصیرت کے نقصانات شمار کریں گے۔

۱۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے اپنے کلام میں بیان فرمایا ہے "لاتری الجاهل الا مفرطاأو مفرّطا" نہج البلاغہ حکمت ۷۰۔ الجهل داء وعياء"، "الجهل داؤعياء "الجهل ادوأ الداء"، "الجهل فساد كل امرء" تمیمی آمدی، ص ۴۳۔ "الجهل يفسد المعاد" سابق، ص ۷۵۔ "الجهل يزل القدم" سابق حوالہ

۲۔ امام علیؑ: "خفت عقولكم وسفهت حلومكم فانتم غرض لنابل واكلة لاكل وفريسة لصائل، نہج البلاغہ، خطبہ ۱۴

۳۔ امام علیؑ: "يااهل الكوفه منيت منكم بثلاث واثنتين صم ذو واسماع وبكم ذو وكلام وعمى ذو وابصار لا احرار صدق عند اللقاء، ولا اخوان ثقة عند البلاء"، نہج البلاغہ، خطبہ ۹۷

۴۔ امام علیؑ: "ثم انتم شرار الناس ومن رمى به الشيطان مراميه وضرب به تيهه، وسيهلك فيّ صنفان: محب مفرط يذهب به الحب الى غير الحق"۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۷

۱۔ شک

بصیرت یقین وآگہی کے معنی میں ہے صاحب بصیرت حق کی پیروی کرتا ہے وہ اپنے سامنے کی چیزوں کو دیکھتا ہے اس میں اسے ذرہ برابر بھی شک وتردد نہیں ہوتا۔[۱] لیکن بے بصیرت انسان حقائق کو دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کرلیتا ہے اور شک وشبہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سورہ فصلت کے آخر میں توحیدی مغفرت کے تین راستوں کو بیان کرنے کے بعد امن معرفت سے ان افراد کو محروم گردانا گیا ہے جو شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔[۲] "الا انھم فی مریۃ من لقاء ربھم" [۳]

حضرت علیؑ فرماتے ہیں" من عمی عما بین یدیہ، غرس الشک بین جنبیہ"[۴] جو سامنے کی چیز نہ دیکھ سکے وہ اپنے سینہ میں شک کا پودا اگاتا ہے۔

۲۔ گمراہی

قرآن کی نظر میں بعض بے بصیرت افراد چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں ان میں تو انسانی صلاحتیں نہیں ہوتیں لیکن یہ دل کے اندھے خداداد صلاحیتوں کے باوجود بے راہ روی اختیار کرتے ہیں۔ "لھم قلوب لایفقھون بھا ولھم اعین لایبصرون بھا ولھم، أذان لایسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون"[۵] ان کے پاس دل ہے مگر وہ سوچتے سمجھتے نہیں آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں، کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، وہ غافل ہیں۔

اگر معرفت کے وسائل سے کسی نے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا، تو رفتہ رفتہ یہ بے کار ہو جاتے ہیں اور حقائق کی الٹی تصویر پیش کرنے لگتے ہیں اگر کوئی شخص آفاق والنفس کی نشانیوں پر غور نہیں کرتا تو اس کے ارد گرد ایسی دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں کہ پھر وہ آیات کو دیکھنے سے محروم رہ جاتا ہے۔

۱۔ "اللھم وأوصل الی التابعین لھم باحسان، الذین یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان خیر جزائک، الذین قصدوا سمتھم وتحروا وجھتھم ومضوا علی شاکلتھم، لم یثنھم ریب فی بصیرتھم، ولم یختلجھم شک فی قفو آثار ھم۔۔۔" امام زین العابدین علیہ السلام اہل بصیرت کے لئے دعا فرماتے ہیں کہ پالنے والے اصحاب محمدؐ میں جن لوگوں نے نیکی کے ساتھ پیروی کی انہیں بہترین جزا عنایت فرماوہ ایسے افراد تھے جن کی بصیرت کی کوئی تردید نہیں ہے۔

۲۔ جوادی آملی، عبداللہ "توحید در قرآن" تنظیم حیدر علی ایوبی، اسرا، قم، ۱۳۸۳، ص ۱۶۹

۳۔ سورہ فصلت، آیت ۵۴

۴۔ آمدی، ص ۷۲، الفصل الخامس عشر فی الشک الظن والشبھہ آثار متفرقہ للشک

۵۔ سورہ اعراف، آیت ۱۷۹

خدا نے منافقین کی چشم بصیرت کو اندھا کر دیا ہے وہ اپنے نور ہدایت کو چھین لیتا ہے نور تو انہیں ملا تھا اور انہوں نے اس سے اپنے بارے میں استفادہ بھی کیا تھا لیکن وہ نور ان سے چھن گیا اور قدرت نے انہیں مطلق تاریکی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔[1] کافروں کا دیدہ بصیرت بھی کبھی نور الٰہی سے روشن نہیں ہوتا۔[2] "ومن لم یجعل الله له نوراً فماله من نور"[3] کیونکہ گناہوں کی زیادتی نے ان کے قلوب پر قدرت نے مہر لگادی ہے۔ ختم الله علی قلوبهم وعلی سمعهم وعلی ابصارهم غشاوة۔۔۔"[4]

بصیرت کے آثار

بصیرت کے بہت سارے آثار ونتائج ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ توفیق الٰہی[5]، صاحب بصیرت کے شامل حال ہوتی ہے۔اس حصہ میں پہلے بصیرت کے انفرادی آثار پھر اجتماعی آثار کی گفتگو ہوگی:

بصیرت کے انفرادی آثار

قرآنی آیات میں آثار بصیرت اور اہل بصیرت کی علامتیں بیان کی گئی ہیں لہٰذا ذیل میں اس کی تحقیق کی جائے گی۔

۱۔ دانائی

بصیرت کے معنی بینش اور آگاہی کے ہیں۔ اہل بصیرت تقویٰ، زہد اور اخلاص سے غور وفکر کرتے ہیں، حوادثات اور واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے تعقل وتفکر سے کام لیکر دانائی کی منزل تک پہونچتے ہیں چنانچہ حجت خدا کی توصیف میں ملتا ہے کہ بصیرت کی حقیقت کے ساتھ علم ودانش ان تک

۱۔ صابونی، محمد بن عبد الله "صفوة التفاسیر للقرآن الکریم" دار الصابون" بیروت ج ۱ ص ۳۷

۲۔ صادق تہران، ج ۱، ص ۱۸۶

۳۔ سورہ نور، آیت ۴۰ جیسے خدا نے تو انہیں دیا ہے وہ نور سے محروم ہے۔

۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۷ (خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردہ ہے)۔

۵۔ راہ کمال کا آسان ہو جانا، انسان کو خدا کی چاہت کی معرفت کا حاصل ہونا توفیق الٰہی ہے انسان کے اعمال سے اسکا بڑا گہرا ربط ہے۔ اگر خدا کی چاہت نہ ہوگی تو انسان کی کوشش بے ثمر رہ جائے گی جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں" لاینفع اجتہاد بغیر توفیق" اگر کوشش کے ساتھ توفیق الٰہی نہ ہو تو کوشش کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آمدی، ص ۶۱

پہونچا ہے اور وہ روح یقین کو لمس کرتے ہیں۔[۱] توفیق الٰہی کے ساتھ بصیرت کے سایہ میں انہیں دینی فہم ہوتا ہے۔[۲]

صاحب بصیرت سے دانائی کی امید ہوتی ہے۔ قرآن نے ظالموں کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "افتاتون السحر وانتم تبصرون [۳]"۔ تم تو صاحب بصیرت اور دانا ہو تم ان کے جادو کو کیوں معجزہ سمجھ بیٹھے (اور ان کی بات ماننے لگے) اگر خدا نہ چاہے تو حق و باطل میں امتیاز (بصیرت) کی طاقت ہم سے سلب ہو جائے گی اور ہم گمراہ ہو جائیں گے۔

۲۔ایمان

روشن بینی اور نور بصیرت کے اضافہ کے ساتھ ایمان کا براہ راست رابطہ ہے یعنی حقائق کے سامنے انسان جتنا سر تسلیم خم کرتا جائے گا اس کی اندرونی بینائی میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔

قرآن کریم۔ مومنین کو صاحب بصیرت جانتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "ومایستوی الاعمیٰ والبصیر والّذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وَلا المُسیٔ قلیلاً مّاتذکرون "[۴]، بینا نابینا، ایمان لانے والے صاحبان عمل صالح اور گنہ گار، برابر نہیں ہیں لیکن صاحبان تذکر بہت کم ہیں۔

اس آیت میں کافر کی نابینا اور مومن کی بینا سے تشبیہ پیش کی گئی ہے۔ ایمان ایک نور ہے جو روشنی عطا کرتا ہے۔ کائنات بینی کا اعتقاد زندگی میں علم وآگہی بخشتا ہے لیکن کفر ظلمت ہے اس میں کل عالم ہستی کے بارے میں نہ تو صحیح نظریہ ہے اور نہ تو اس کے دامن میں عمل صالح کی گنجائش ہے۔[۵]

ارشاد پروردگار ہے۔ " افمن یّعلم انّما انزل الیک من ربّک الحق کمن ھو اعمیٰ انّما یتذکر اولوا الالباب"[۶] آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل ہوا ہے وہ حقیقت ہے۔ اسے جو شخص جانتا ہے کیا وہ اس شخص جیسا ہے جو دل کا اندھا ہے؟ عبرت حاصل کرنے والے صرف صاحبان عقل ہیں۔

۱۔امیر المومنینؑ فرماتے ہیں۔ " ھجم بھم العلم علی حقیقۃ البصیرۃ وباشروا روح الیقین واستلانو ما استوعرہ المترفون" بصیرت کی حقیقت کے ساتھ ان تک علم ودانش پہونچا ہے انہوں نے روح یقین کو لمس کیا ہے اور دنیا پرست جسے مشکل سمجھتے ہیں ان کے لئے وہ آسان ہے۔ نہج البلاغہ کلمات قصار ۱۴۷

۲۔حضرت علی فرماتے ہیں۔" من ابصر فھم" جو صاحب بصیرت ہوگا وہ سمجھتا ہوگا نہج البلاغہ، حکمت ۲۰۸ "العلم بالفھم" علم فہم کے ذریعہ ہے۔"الفھم بالفطنہ، الفطنۃ بالبصیرۃ " آمدی، ص ۴۴۸، ح ۱۰۲۸۶، ۱۰۲۸۷

۳۔سورہ انبیاء، آیت ۳

۴۔سورہ غافر، آیت ۵۸

۵۔مکارم شیرازی" تفسیر نمونہ " جلد ۱۸، ص ۲۲۹

۶۔سورہ رعد، آیت ۱۹

مومن اپنے دل اور روح کو ہمیشہ آلائشوں سے پاک رکھتا ہے وہ اپنے آئینہ دل کو گناہوں کے غبار سے مکدر نہیں ہونے دیتا کہ جس کی وجہ سے نور خدا یعنی عقل پر کوئی پردہ پڑ جائے وہ اس خدائی نور سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرکے حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے۔[1]

۳۔ بردباری اور مدارا کرنا

خدا کی راہ میں ثابت قدمی اور سخت راستہ میں ملنے والی مصیبتوں پر صبر و تحمل کرنا جہاں ایک بلند و باعظمت الٰہی اہداف تک پہنچنے کا سبب ہوتا ہے وہیں عمیق و دائمی بنیاد کے قیام کا وسیلہ بھی بنتا ہے۔ اور اسی کی برکت سے انسان میں صبر و بردباری کا درخت سیراب اور شاداب ہوتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے ارشاد کے مطابق : علم ایک ایسا نور ہے جسے خداوند عالم جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے جس کے نتیجہ میں دل کے دریچے کھل جاتے ہیں، غیبی چیزوں کو دیکھنے لگتا ہے۔ اس کا سینہ اور چوڑا ہو جاتا ہے پھر ہر الٰہی امتحان کے لئے اور بلا و مصیبت کے مقابل سینہ سپر ہو جاتا ہے۔[2]

قرآنی آیات سے استفادہ اور ان سے درس عبرت حاصل کرنا قرآن کی نظر میں صرف صابرین وشاکرین کا کام ہے کیونکہ حوادث کے دقائق اور ان کی بنیادوں کی تحقیق میں صبر و شکر کی ضرورت ہے۔ "انّ فی ذٰلک لایات لکل صبار شکور"[3] کی آیت قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے۔

قرطبی کے نظریہ کے مطابق " آیات " یعنی علامات ان افراد کا مخصوص حصہ ہیں جو بلاؤں کے مقابل صابر ہوتے ہیں اور نعمتوں کے ملنے پر شاکر نظر آتے ہیں۔[4] آیات انفس وآفاق میں تفکر کے موقع پر جو تعب برداشت کرتا ہے وہ "صابر" ہے۔[5]

اسی بناپر اسرار خلق اور انسان کی اجتماعی زندگی کے اسرار کے مطالعہ کے وقت جس میں جتنا صبر پایا جائے گا اسے اتنی زیادہ معرفت اور بصیرت حاصل ہوگی۔ بصیرت کے اعتبار سے جو جتنا قوی ہوگا وہ اتنا ہی بڑا صابر بھی ہوگا۔

۱۔ مطہری، مرتضیٰ "حکمت ھا واندرزھا" مطبوعہ ۲۸، صدرا، تہران ۱۳۸۹ج ۱، ص ۱۵۰

۲۔ پیغمبر اکرمؐ سے روایت ہے: "لیس العلم بکثرۃ التعلم، وانما العلم نور یقذفہ اللہ فی قلب من یحب، فینفتح لہ، ویشاھد الغیب، ینشرح صدرہ فیحتمل البلاء" قیل یا رسول اللہ وھل لذلک من علامۃ ؟ قال التجافی عن دار الغرور، والانابۃ الی دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزولہ" بروجردی، سید حسین، تفسیر الصراط المستقیم، مطبوعہ اول، مؤسسہ انصاریان، قم، ۱۴۱۶ق، ج ۱، ص ۴۲

۳۔ سورہ ابراہیم، آیت ۵، سورہ لقمان، آیت ۳۱، سورہ سبا، آیت ۱۹، سورہ شوریٰ، آیت ۳

۴۔ قرطبی، محمد بن احمد۔ "الجامع لاحکام القرآن" ناصر خسرو، تہران مطبوعہ بار اول، ۱۳۶۲ج ۴، ص ۷۹

۵۔ حقی بروسوی، اسماعیل " روح البیان " دار الفکر، بیروت، بی تا، ج ۷، ص ۹۸

قرآن کہتا ہے "وکیف تصبر علی مالم تحط بہ خبراً" تم اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کی تمہیں خبر نہیں ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات کے سلسلہ میں آگاہی و بصیرت کا سختی پر صبر سے براہ راست رابطہ ہے۔

پرچم ہدایت اٹھانے کے لئے، بصر اور صبر دو ارکان ہیں ایک بصیرت دیتا ہے اور دوسرا رکن استقامت ایمان عطا کرتا ہے۔ اہل بصیرت ہوش مندی، بینائی، قدرت فہم، تجزیہ اور پھر اس کے بعد صبر و استقامت کو اس کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔

اہل بصیرت اگر دیانت، تدبیر، جامع نظر کی بنا پر رہتی زندگی کا انتخاب کرتے ہیں، حق و حقیقت کے محور پر گردش کرتے ہیں، عمل کے نتیجہ پر خدا کے لطف و کرم کے منتظر رہتے ہیں تو وہ مشکلات کے موقع پر صابرین بھی رہتے ہیں۔ لہٰذا اہل حق کے لئے حق و مبارزہ کے تمام میدانوں میں ثبات قدم عطا کرنے کے لئے اندرونی بصیرت سے بڑھ کر دوسرا کوئی عامل نہیں ہے اس سے انسان کے اندر آخری دم تک کوشش کرنے کا حوصلہ باقی رہتا ہے۔ حق وہدایت کی اہم خصوصیت آگاہی یقین پھر اس کے بعد راہ خدا میں صبر واستقامت ہے جیسا کہ آیہ شریفہ میں ارشاد ہوتا ہے " وجعلنا منھم ائمۃ یھدونَ بامرنا لما صبروا وکانوبآیاتنایوقنون"[1] ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو امام قرار دیا ہے جو ہمارے امر کی ہدایت کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے صبر اختیار کیا ہے اور ہماری نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں۔

۴۔ عبرت

مسائل پر توجہ دینے کے لئے بابصیرت انسان، اصل موضوع، اس کی جڑوں عوامل، مختلف پہلوؤں کے اتفاقات اور اردو گرد کے حالات کے لئے غور و فکر کرتا ہے ان سے عبرت حاصل کرتا ہے رسول اکرمؐ فرماتے ہیں۔" ولایصح الاعتبار الا لاھل الصفا والبصیرۃ "[2] صرف اہل صفا وبصیرت ہی عبرت حاصل کرتے ہیں۔

۵۔ فکر آخرت

جو شخص انجام کار کو چشم دل دے دیکھتا ہے اور غور و فکر کرتا ہے وہ ذکر آخرت سے ایک لحظہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتا۔ قرآن صاحب بصیرت کا چہرہ کچھ اس طرح پیش کرتا ہے"۔۔۔انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار" [3] اخلاص کے ساتھ آخرت کو یاد کرنے کی صفت کے ساتھ ہم نے انہیں تخلیق کیا ہے۔

۱۔ سورہ سجدہ، آیت ۲۴

۲۔" موسسۃ الاعلمی للمطبوعات مصباح الشریفہ " ، ۱۴۰۰ق، ص ۲۰۴

۳۔ سورہ ص، آیت ۴۶

صاحبان بصیرت دل کی آنکھوں کے ذریعہ پاکیزہ زندگی (حیات طیبہ) کو پالیتے ہیں دنیوی زندگی کے پر فریب جلوے انہیں دھوکہ نہیں دے سکتے۔ مولا علی کی تعبیر کے مطابق دوستان خدا وہ ہیں جو باطن کی نگاہ سے دنیا کو دیکھتے ہیں جب دوسرے افراد آج کی فکر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو اس وقت یہ اولیائے خدا آئندہ کی فکر کرتے ہیں " ان اولیاء اللہ ھم الذین نظروا الی باطن الدنیا اذا نظر الناس الی ظاھرھا واشتغلوا باجلھا اذا اشتغل الناس بعاجلھا "[۱]

۶۔ ملکوت کا دیدار

انسان جب چشم دل سے دیکھتا ہے تو اسے ہر طرف خدا کی نشانی نظر آتی ہے " فاینما تولّوا فثمّ وجہ اللہ "[۲] جو چیز دوسروں کے واسطے محجوب ہوتی ہے اس کے لئے عیاں ہو جاتی ہے۔

پیغمبرؐ فرماتے ہیں "لولا تمریج فی قلوبکم او تزید کم فی الحدیث لسمعتم ما أسمع "[۳] اگر تمہارے دل چراگاہ نہ ہوتے اور تمہاری باتوں میں زیادتی نہ ہوتی میں جو سنتا ہوں وہ تم بھی سنتے۔

قلبی شہود یا مکاشفہ ، عالم ماورائے حسن تک پہونچنا، دوسرے عالم کے حقائق کا مشاہدہ اندرونی آنکھوں کا کام ہے۔ گوش جان سے زمزمے سنے جاسکتے ہیں لیکن عقلی ادراکات وفکرانگیزی اور وحی والہام میں بڑا فرق ہے۔

جبرئیل کے سلسلہ میں پیغمبر کا شہود یا شہود ذات پاک خداوند کا اشارہ جو قرآن مجید میں ہے وہ چشم باطن کی چیز ہے۔ ماکذب الفوأد ما رأی "[۴] میں ہم اگر یہ پڑھتے ہیں کہ پیغمبر کی آنکھ نے جو دیکھا وہ جھوٹ نہیں کہا یا " لقاء اللہ "[۵] کا روشن مصداق جیسی چیزیں جن آیتوں میں ہیں وکشف وشہود باطن کی شاہد ہیں۔ جو انسان کی معرفت کا منبع ہیں۔

انسان ایک طرف شہودی ادراک رکھتا ہے جو اس ظاہری تخیل و تفکر سے ماوراء قوائے باطن سے متعلق ہے یہ آگاہی نفس میں حضور وظہور ہے آیت میں لفظ فواد سے جس کی تعبیر آئی ہے۔[۶]

۱۔ مجلسی، ج ۶۶ ، ص ۳۱۹، باب ۳۷، صفات خیار العباد واولیاء اللہ، نہج البلاغہ، حکمت ۴۳۲
۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۱۵
۳۔ ابن حنبل، احمد بن محمد" مسند احمد بن حنبل" محقق: الصید ابو المعالی النوری، عالم الکتاب، بیروت، ۱۴۱۹ق، ج ۵ ، ص ۲۶۶
۴۔ سورہ نجم، آیت ۱۱
۵۔ مکارم شیرازی، ج ۱ ص ۲۶۱
۶۔ طباطبائی، ج ۱۹ ، ص ۲۹

قرآن چشم دل یعنی ایمان ویقین سے مشاہدہ کی خبر دیتا ہے ایک بیان میں مومنین یا تمام انسانوں کو مخاطب کرکے کہتا ہے "کلّا لو تعلمون علم الیقین لترونّ الجحیم"[۱] ایسا نہیں ہے کہ اگر تمہیں علم یقین ہوتا تو تم جہنم کا مشاہدہ کرتے۔

بصیرت کے اجتماعی آثار

انفرادی آثار کے علاوہ بصیرت کے اجتماعی آثار بھی ہیں۔ اجتماعی آثار کسی معاشرہ کے انفرادی آثار کی دین ہوتے ہیں اجتماعی بصیرت کے فوائد، انفرادی فوائد سے زیادہ ہوتے ہیں۔

ا۔ حق محوری اور قبولیت ولایت

اہل بصیرت کا محور، حق ہوتا ہے اور جہان ہستی میں حق صرف خدا ہے۔ "۔۔۔ذالک بان اللہ ھو الحق۔۔۔[۲]" اور ہر حق اسی کی طرف سے ہے "۔۔۔الحقُ مِن رّبکَ[۳] ۔۔۔"

بصیرت، فرد کو گمراہ ہونے اور بھٹکنے سے بچاتی ہے کیونکہ بصیرت حق کو باطل سے جدا کرتی ہے باطل طاقتوں نے ہمیشہ باطل کو خوبصورت بناکر، سجاکر اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی کہ وہ حق نظر آئے اور لوگ دھوکا کھاجائیں، حیرت میں پڑجائیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اسی طرح کی چالیں چل کر لوگوں کو دھوکے میں رکھکر ان سے حق اور باطل کے درمیان تمیز اور تشخیص کو سلب کرنے کی بھرپور کوششیں کی ہیں۔

حضرت علیؑ نے اپنے ایک خط میں معاویہ کے لیے فرمایا: " وقد اردیت جیلا من الناس کثیراً خدعتھم بغیک والقیتھم فی موج بحرک تغشاھم الظلمات وتتلاطم بھم الشبھات فجاروا عن وجَھتِھم ونکصوا علیٰ اعقابھم وتولّوا علی ادبارھم وعولوا علی احسابھم الا من فاء من اھل البصائر فانھم فارقوک بعد معرفتک وھربوا إلیَ اللہ مِن موَازرتک"[۴]۔

اے معاویہ! تم نے بہت سے افراد کو ہلاکت کی طرف کھینچ لیا اپنی گمراہی سے انہیں فریب میں مبتلا کردیا اور جہالت کے دریا کی سرکش موجوں میں تم نے ہلاک کردیا۔ انہیں تاریکیوں نے گھیر لیا۔ شہادت

۱۔ سورہ تکاثر، آیت ۵۔۶

۲۔ سورۂ حج، آیت ۶ ۔ سورۂ لقمان، آیت ۳۰

۳۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۷

۴۔ نہج البلاغہ، خط ۳۲

کے بھنور میں وہ پھنس کر راہ حق سے جدا ہوگئے اور ماضی کی جاہلیت کی طرف چلے گئے۔ اپنی خاندانی جاہلی خصوصیات پر ناز کرنے لگے۔ کچھ تھوڑے سے اہل بصیرت نے اپنا راستہ بدلا اور تجھے پہچان لینے کے بعد تجھ سے جدا ہوگئے اور تیری دوستی سے بھاگ کر اللہ (حق) کی طرف آ گئے۔

۲۔ دشمن کی پہچان

عاقل اور بابصیرت انسان اپنی ذات سے شیطان کو دور بھگاتا رہتا ہے۔ کیونکہ ہر طرح کی دشمنی، حملہ اور کینہ توزی اور سے دور رہنا انسان کا اصلی کردار ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا "أَلا وان الشیطان قد جمع حِزبه واستجلب خیله ورجله وانَّ معی لبصیرتی"[۱] آگاہ ہو جاؤ کہ شیطان نے اپنا گروہ جمع کر لیا ہے اس نے اپنے سوار اور پیدل سپاہیوں کو بلالیا ہے لیکن میرے ساتھ میری آگاہی اور لازمی بصیرت موجود ہے۔

۳۔ سنجیدہ روش

صاحب بصارت مومن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ موقف، ضرورت اور مناسبت کے مواقع کی معرفت رکھتا ہے اور وقت کو پہچانتا ہے۔ امام حسینؑ کے اصحاب اور توابین کے گروہ میں یہی فرق ہے کہ توابین نے وقت نہیں پہچانا جو کام انہوں نے عاشور کے بعد انجام دیا تھا حضرت مسلم بن عقیل کے کوفہ پہونچنے پر اگر وہی کام کر دیتے تو تاریخ کسی دوسرے انداز سے لکھی جاتی۔

حضرت علیؑ کے ارشاد کے مطابق جو شخص دل سے دیکھتا اور بصیرت سے عمل کرتا ہے وہ عمل سے پہلے سوچتا ہے کہ اس میں فائدہ ہے یا نقصان؟ اگر فائدہ ہوتا ہے تو عمل کرتا ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو پھر اسے انجام نہیں دیتا: " فالناظر بالقلب العامل بالبصر یکون مبتدأ عمله ان یعلم أَعمله علیه أم له فان کان له مضی فیه وان کان علیه وقف عنه"[۲] صاحب بصیرت وہ ہے جو سنتا ہے غور وفکر کرتا ہے عبرت کی چیزوں کو سامنے رکھتا ہے پھر روشن اور ہموار راستہ طے کرتا ہے، کھائی میں گرنے اور گمراہی میں پڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔ حقائق معلوم کرنے اور واقعیت تک پہونچنے کے لیے بابصیرت انسان خوب تجزیہ وتحقیق کر لیتا ہے، سنجیدگی سے عمل پیرا ہوتا ہے نیز ایسا راستہ اختیار کرتا ہے جس کی درستگی میں کوئی تردید نہ ہو۔

۱۔ مجلسی، ج ۳۲، ص ۵۲

۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۴

۴۔ جرأت عمل

بصیرت کے نتیجہ میں انسان کے اندر شجاعت اور دینی جرأت پیدا ہوتی ہے کیونکہ وہ حق کو دیکھتا ہے اور اسے سیدھے اور قرب الٰہی کے راستہ کا یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلام کی تمام جنگیں خصوصاً امام المتقین حضرت علی علیہ السلام کی جنگوں میں بصیرت کارفرما تھی کیونکہ آپ کا مقابلہ ان افراد سے تھا جنہوں نے تقدس کا چولہ پہن رکھا تھا۔ الٰہی بصیرت کے ساتھ امیر المؤمنین کا ان سے بے جھجک مقابلہ کرنا فخر کی بات ہے۔

۵۔ قدرت وطاقت

اپنے صالح بندوں (ابراہیم، اسحاق، یعقوب) کو قدرت، حکومت اور بصیرت عطا کرنے والا خدا "اولی الایدی وَالابصار "[۱] جیسے الفاظ کی تعبیر پیش کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے" واذکر عبادنا ابراھیم واسحق ویعقوب اولی الایدی والابصار انا اخلصناھم بخالصةٍ ذکری الدّار "[۲] ہمارے خاص بندوں ابراہیم اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو قوت وبصیرت والے تھے ہم نے ان لوگوں کو آخرت کی ایک خاص صفت کی یاد سے ممتاز کیا ہے، (ہم نے انہیں عالم آخرت کی یاد دہانی کی پر خلوص صفت کے ساتھ مخصوص کیا)

۶۔ عزت

خدا، حق و باطل اور اعلیٰ مقصد تک پہونچنے کے لیے راستوں کی رکاوٹوں کی معرفت انسان کی عزت کا موجب ہے کیونکہ خدا کی معرفت اس کی عبادت اور حصول علم وآگہی کی جانب دعوت انبیاء مقصد خلقت ہے۔ اس کا مطلب چند اصطلاحوں کا تحفظ یا اشیاء کے درمیان مادی روابط کا انکشاف نہیں ہے بلکہ خدا شناسی خود شناسی اور لغت شناسی مقصود ہے، اور یہی آگاہی انسان کو منشأ عزت سے متصل کر دیتی ہے۔[۳]

قرآن میں ارشاد ہے: " وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین "[۴] اور " من کان یرید العزۃ فللّٰہ العزۃ جمعیاً "[۵] عزت کے اصل معنی صلابت اور مضبوطی کے ہیں۔[۶] جسے عزت چاہئے وہ خدا سے عزت کا

۱۔ سورہ ص، آیت ۴۵

۲۔ سورہ ص، آیت ۴۵۔۴۶

۳۔ "مبانی عزت در قرآن نگرشی نوین بہ تفسیر سورۂ زمر" رضائی علی، موسسۂ فرہنگی ثقلین، قم، ۱۳۸۲ش، ص۷۸۔۸۰

۴۔ سورہ منافقوں، آیت ۸

۵۔ سورہ فاطر، آیت ۱۰ "اگر کوئی عزت چاہتا ہے تو خدا سے حاصل کرے جو تمام عزتوں کا مالک ہے۔ خدا پیغمبر اور مومنین کی عزت دائمی اور باقی ہے"۔

۶۔ راغب اصفہانی، جلد ۲، ص ۵۹۰۔۵۹۱ انسان کے اندر شکست ناپذیر حالت کا نام عزت ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے " ارض عزاز " یعنی سخت زمین، وہ شخص عزیز ہے جو طاقت کی بناء پر غالب ہے اور اور مغلوب نہیں ہوتا۔

تقاضا کرے کیونکہ تمام عزتیں خدا کی ملکیت ہیں اور وہ جسے چاہتا ہے اس میں سے کچھ حصہ عطا کرتا ہے جیسا کہ اس نے مومنین کو عزت دی ہے۔[۱]

اہل بصیرت جب ایمان، تقویٰ، عقل مندی، عبرت آموزی اور دور اندیشی کی بنیاد پر عمل انجام دیتے ہیں تو انہیں عزت ملتی ہے صاحبان بصیرت مومنین سب سے بلند ہیں " وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین"۔[۲]

اس بناپر دانائی، ایمان، قبولیت موعظہ، آخرت پر توجہ، حقائق بینی جیسے تحفے، بصیرت عطا کرتی ہے، صاحبان بصیرت، قدرت، حق محوری، جرأت عمل اور دشمن شناسی کے ذریعہ سنجیدہ عمل انجام دیتے ہیں، اپنے آپ نیز معاشرہ کو ترقی، سعادت اور عزت کی دولت سے مالا مال کر دیتے ہیں۔

۱۔ طباطبائی، المیزان، ج ۱۷، ص ۳۲۔
۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۳۹۔

بصیرت کے اسباب و موانع

تالیف : محترمہ زہرا قمی
ترجمہ : مولانا شیخ ممتاز علی

بصیرت ایک فطری قوت ہے جو انسان میں استعداد کی صورت میں موجود ہوتی ہے۔ دوسری قوتوں کی طرح پھلتی پھولتی اور منشأ شہود پر ظاہر ہوتی ہے اور اس کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ قلبی معرفت اور اندرونی شناخت کا نام بصیرت ہے جو ہموار زمین اور اسباب کی فراہمی اور موانع کے برطرف کردینے کے بعد بار آور ہوتی ہے۔ اس مقالہ میں پہلے اس کے عوامل پھر موانع کا ذکر کیا جائے گا۔

پہلی فصل: بصیرت کے علمی عوامل

علمی اور عملی طریقوں سے باطل سے حق کی تشخیص اور بصیرت کے ظاہر ہونے کے لیے قرآن کریم کی آیتیں رہنما ہیں۔ بصیرت کی علمی زمین مندرجہ ذیل چیزوں سے ہموار ہوتی ہے:

۱۔ وحی

آسمانی کتابوں میں وحی کو بہت ہی مستغنی منبع اور معرفت وآگاہی کے عامل کے عنوان سے بہت زیادہ اہم شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا سرچشمہ خدا کا لامتناہی علم ہے۔ انسانوں کی ہدایت، سعادت اور ارتقاء کے لئے جو چیزیں لازمی ہیں انہیں اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ وحی کی شکل میں اس دنیا کے حوالہ کیا ہے۔

علم خداوند کے ساتھ رابطہ کی ایک صورت قرآن کی نظر میں " وحی " ہے نور وحی کے بغیر عقل کمال تک نہیں پہونچ سکتی لہٰذا وحی کو قرآن نے نور سے تعبیر کیا ہے۔[۱]

قرآن کریم میں وحی کے چار معنی بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ خفیہ اشارہ۔ ۲۔ ہدایت غریزی۔ ۳۔ الہام (غیبی اشارہ) ۴۔ وحی رسالت۔[۲]

۱۔ قرآن مجید ارشاد میں ارشاد ہوتا ہے" وانزلنا الیکم نوراً مبینا" سورہ مائدہ آیت ۱۵ "قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین" سورہ اعراف، آیت ۱۵۷۔ سورہ مائدہ، آیت ۴۴۔ سورہ انعام، آیت ۹۱۔ سورہ تغابن، آیت ۸

۲۔ معرفت، محمد ھادی، علوم قرآنی، مؤسسہ فرہنگی تمہید ۱۳۸۰۔ ص ۱۲۔ ۱۳

اس حصہ میں الہام اور وحی رسالت کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

الف: الہام[1]

کبھی کبھی انسان کے دل میں ایسی روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے یہ غیبی اشارہ عنایت پروردگار ہے اور اسے بصیرت وآگہی کا منبع اور سبب شمار کیا جاتا ہے۔

جناب موسیٰ کی والدہ گرامی کے بارے میں قرآن کہتا ہے " واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم و لا تخافی و لا تحزنی "[2]

ہم نے قلب مادر موسیٰ پر الہام کیا کہ تم اپنے نوزائیدہ بچے کو دودھ پلاؤ جب اس کے بارے میں دشمنوں کا خوف ہو تو اسے دریائے نیل میں ڈال دینا اور خوف وحزن نہ کرنا۔

ب: وحی رسالت

اس طرح کی وحی، نبوت کا خاصہ ہے قرآن مجید میں ستر سے زیادہ بار اس کا ذکر موجود ہے۔ وحی نبوت ورسالت کے بارے میں سب سے اہم مصداق وحی، قرآن سے تحقیق پیش کی جائے گی۔

قرآن چونکہ آسمانی کتابوں میں سب سے اہم ہے اس وجہ سے مفصل طور پر پہلے قرآن کے بصائر ہونے پھر توریت کے بعض حصوں سے بصیرت کے کچھ نمونے پیش کئے جائیں گے:

الف۔ قرآن کریم:

قرآن کریم معرفت کا سب سے بڑا اور مستغنی سرچشمہ ہے یہ مختلف پہلوؤں (منجملہ اخلاق، احکام انسان شناسی، عالم شناسی، تاریخ وعقائد) میں انسانوں کو صحیح بینش عطا کرتا ہے جیسا کہ آیت میں ارشاد ہو رہا ہے: "ھذا بصآئرُ للنّاس وھدًی ورّحمۃ لّقوم یّوقنون"[3] یہ قرآن لوگوں کے لئے بصیرت (بینش) کا وسیلہ ہے اور یقین کرنے والی قوم کے لئے ہدایت ورحمت کا وسیلہ ہے۔

حصول سعادت کی بہترین روش کی طرف قرآن میں رہنمائی موجود ہے یہ ہر رخ سے دلیل کو مکمل کرتا ہے۔[4] قرآن کو بصائر کے نام سے یاد کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ قرآن خود ہی

۱۔آج کی اصطلاح میں " وحی" عام طور پر نبوت پو ہونے والی وحی کو کہتے ہیں اور اس کے علاوہ کو الہام کہتے ہیں مکارم شیرازی، ناصر، ج ۲، ص ۲۴۴

۲۔ سورۂ قصص، آیت ۷

۳۔ سورۂ جاثیہ، آیت ۲۰

۴۔ خطیب عبدالکریم، التفسیر القرآنی للقرآن، ج ۱۷۔ ص ۱۱۹

بصیرت کا سرچشمہ ہے۔[1]

ذاتی طور پر قرآن بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان خالص اطمینان کا حامل اور شک واضطراب سے دور ہو جب دل میں یقین واطمینان پیدا ہوتا ہے تو انسان اس راستہ کی معرفت حاصل کرلیتا ہے۔ اس کی ہر آیت بصیرت اور بینائی ہے اور اس کا ہر مضمون بشریت کی ہدایت کا ضامن ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "قد جآء کم بصآئر من رّبّکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا ومآ انا علیکم بحفیظ"[2] بالتحقیق تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے روشن دلائل آچکے ہیں لہٰذا جو بصیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اسی کو فائدہ حاصل ہوتا ہے اور جو چشم پوشی کرتا ہے یہ بات خود اسی کے لئے نقصان دہ ہے اور میں تمہاری نگہبانی کرنے والا نہیں ہوں۔

بصائر سے مراد پورا قرآن ہے۔ صاحب مفاتیح الغیب راقم ہیں " فلما کانت ھذہ الایات اسبابا لحصول البصائر، سمیت ھذہ الایات انفسھا بالبصائر"

جہاں یہ آیتیں بصیرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں وہیں امام فخرالدین رازی کی نظر میں ان کا نام آیات بصیرت بھی ہے۔[3]

آیت " افلا یتدبرون القرآن "[4] کے مطابق قرآن میں غور وفکر کرنے سے حجابات اٹھ جاتے ہیں (حقائق واضح وروشن ہوجاتے ہیں) دل کے دریچے کھل جاتے ہیں، معرفت کا نور دل پر جاری ہونے لگتا ہے، افکار کام کرنے لگتے ہیں عقلیں جوش کھانے لگتی ہیں، باطن انسان خالص، روح زندہ، روشن اور نورانی ہوجاتی ہے۔

ب: توریت

ہر شریعت کی کتاب اس شریعت کے پیغمبر کے معنوی حصہ کی حکایت کرتی ہے اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق فرائض حدود اور احکام کی پہلی کتاب توریت ہے۔[5]

۱۔ ایضاً

۲۔ سورۂ انعام، آیت ۱۰۴

۳۔ امام رازی، فخرالدین، ابو عبداللہ محمد بن عمر " مفاتیح الغیب، دار احیاء التراث، بیروت، مطبوعہ سوم

۴۔ سورۂ محمد، آیت ۲۴

۵۔ قرطبیؔ، محمد، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۴ ص ۲۹۰

قرآن کہتا ہے:

"ولقد اٰتینا موسی الکتاب من بعدما اھلکنا القرون الاولیٰ بصائرَ للنّاس وھدًی ورحمۃً لّعلّھم یتذکّرون"[۱] گذشتہ امتوں کو ان کی کرتوت کی بناپر ہلاک کرنے کے بعد بصیرت، رحمت اور ہدایت خلق کے لیے موسیٰ کو کتاب عطا کی تاکہ لوگوں کی یاد دہانی ہو جائے۔

بصائر بصیرت کی جمع ہے۔ آسمانی کتابیں انسان مومن کو بہت ساری دلیلوں کے ذریعہ بصیرتیں عطا کرتی ہیں[۲] گویا بصائر سے مراد حجت اور روشن دلیلیں ہیں جن کے ذریعہ حق نظر آنے لگتا ہے اور حق و باطل کے درمیان تمیز ہو جاتی ہے۔[۳]

توریت اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب بصیرت ہے تاکہ لوگ اس سے استفادہ کریں ایک ایسا نور ہے جو اللہ کی طرف سے مومنین کے دیدۂ بصیرت کو وا کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس آیت اور دوسری آیتوں کو پڑھ کر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آسمانی کتابیں مصدر ہدایت، سرچشمۂ نور و بصیرت اور منبع تدبر ہیں۔

۲۔ تفکر

عالم ہستی میں غور وفکر کے ذریعہ صاحب بصیرت اپنے دل کو زندہ کرتا ہے اور اس طرح وہ راہ سعادت طے کرتا ہے۔ فکر وہ توانائی ہے جو انسان کو علم سے علوم کی طرف لے جاتی ہے۔ بعض افراد فکر کو "فرک" کا مقلوب لفظی سمجھتے ہیں" فرک الامور وبحثھا"[۴] امور کی حقیقت تک پہونچنے کے لیے تحقیق و جستجو کرنا۔

قصص، امثال اور تبیین احکام کے ذکر کو قرآن حکیم نے تفکر کی زمین ہموار کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ بہت ساری آیتوں میں انسان کو غور وفکر کی ترغیب دی گئی ہے۔[۵]

ارشاد ہوتا ہے" قل ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر افلا تتفکرون-"[۶]

۱۔ سورۂ قصص، آیت ۴۳
۲۔ ابن عاشور، ج ۲۰، ص ۶۴
۳۔ طباطبائی، ج ۱۶، ص ۲۷
۴۔ راغب اصفہانی، ج ۳، ص ۸۶۔ ۸۷
۵۔ سورہ اعراف، آیت ۱۷۶۔ سورہ یوسف، آیت ۱۱۱۔ سورہ زمر، آیت ۷۔ سورہ حشر، آیت ۲۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۹۔ سورہ قصص، آیت ۵۱
۶۔ سورہ انعام، آیت ۵۰

کیا بینا اور نابینا برابر ہیں آخر تم لوگ غور وفکر کیوں نہیں کرتے۔

خدا کی صنعت کے بارے میں غور وفکر قرآن کے مطابق بصیرت کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ جن آیتوں میں اللہ نے اپنی صنعتوں کا ذکر کیا ہے بصیرت کی طاقت میں اضافہ کے لئے اس نے ان میں غور وفکر کی دعوت دی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ " افلم ینظروا الی السّماء فوقهم کیف بنینا ها و زینا ها ومالها من فروج" "تبصرة وذکری لکل عبد منیب "[۱] کیا تم نے اپنے سرپر بنے ہوئے آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کیسے بنایا اور زینت بخشی ہے اس میں کہیں بھی شگاف نہیں ہے؟ تاکہ ہر توبہ کرنے والے بندہ کے لئے بصیرت افزا اور پند آموز ہو۔

۳۔ تعقل

انسان کے لیے عقل وخرد خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جو تمام موجودات پر اس کے شرف کا باعث اور اس کے وجود کا ستون ہے۔ ہوش مندی اور علم ودانش عقل کی دین ہے اور انسان اسی کے ذریعہ کمال تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

قرآن نے بہت سارے مقامات پر تعقل کی دعوت دی ہے: " افلاتعقلون "[۲] کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ کتاب خدا نے تبیین آیات کا مطلب تعقل بتایا ہے: "کذٰلک یبین الله لکم اٰیاته لعلکم تعقلون" [۳] اس طرح اللہ اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اور کبھی عقل سے کام نہ لینے پر سرزنش کرتا ہے " والدّارُ الآخرةُ خیر للّذین یتّقون افلاتعقلون "[۴] جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لوگے۔

اور کبھی بعض افراد کے جہنم واصل ہونے کا سبب عدم تعقل بیان کرتا ہے۔ " وقالوا لوکنا نسمع او نعقل ماکنّافی اصحاب السعیر" [۵] ان لوگوں نے کہا کہ اگر ہم سننے اور عقل سے کام لیتے تو جہنم میں نہ جاتے۔

عقل وہ گوہر گراں مایہ ہے جسے اللہ نے انسان کے وجود میں پوشیدہ رکھا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ مصالح، مفاسد، فائدہ، نقصان، سعادت وشقاوت کے عوامل واسباب یہاں تک کہ " کیا ہونا اور کیا نہیں

۱۔ سورہ ق، آیت ۶۔۸

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۷۶۔ سورہ آل عمران، آیت ۶۵۔ سورہ انعام، آیت ۳۲۔ سورہ اعراف، آیت ۱۶۹۔ سورہ یونس، آیت ۱۶

۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۴۲

۴۔ سورہ اعراف، آیت ۱۶۹

۵۔ سورہ ملک، آیت ۱۰

ہونا چاہیئے" کو پہچانے۔ قرآن میں عقل وخرد کی مختلف تعبیریں بیان کی گئی ہیں اور ہر تعبیر اس نفسانی گوہر کے کسی ایک پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ انسانی توانائی کو جب برائیوں سے روکتی ہے تو اس کا نام عقل اور نُہیٰ ہوتا ہے۔

عقل کے کاموں کے لئے قرآن مجید میں جو تعبیرات آئی ہیں، ان کے مراتب بیان ہوئے ہیں جو "شعور" یعنی ایک سادہ ادراک کے مرحلہ سے شروع ہوتا ہے پھر "فقہ" کے مرحلہ تک یہ ادراک پہونچتا ہے جس میں ادلہ کے ذریعہ موجودہ مطالب سے پوشیدہ مطالب تک پہونچنے کا عمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد "فکر" کا مرحلہ آتا ہے جس میں حقائق کے تجزیہ اور تجربہ پر نظر ہوتی ہے اس کے بعد "ذکر" کا مرحلہ یعنی حفظ اور یادآوری اور اس سے بالاتر مرحلہ "نہی" کا ہے اس میں حقائق کا گہرائی سے ادراک ہوتا ہے اور آخر میں بصیرت کا مرحلہ یعنی عمیق نظر کا مرحلہ ہے۔ جس چیز کے ذریعہ عقلی اور نقلی ناپسندی کو ترک کرنے اور بچنے کی طلب اور دعوت دی گئی ہے اسے نہیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً عقل، علم، عزم، بصیرت۔[۱]

۴۔ عبرت

تمام الٰہی ادیان اور تربیتی مکاتب اپنے ماننے والوں کو گزشتہ لوگوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دیتے ہیں، ایک کامل ومکمل دین الٰہی ہونے کی حیثیت سے اسلام نے مسلمانوں کو دوسروں کی سرگذشت میں تفکر اور غور وفکر کے ساتھ آفاق وانفس کے سیر کی دعوت دی۔ قرآن میں لفظ عبرت اور اعتبار سات بار آیا ہے اس طرح اہل بصیرت کی ترغیب وتشویق کا انتظام کیا گیا ہے "فاعتبروا یاأولی الابصار"۔[۲]

تربیت کا ایک مقصد یہ ہے کہ انسان درک اور بصیرت کے اس درجہ پر پہونچ جائے جہاں وہ زندگی کے مختلف مراحل میں تجزیہ، تحلیل اور امور کو حل فصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرلے، عبرت وہ راستہ ہے جو انسان کو تربیت کے اس مقصد تک لے جاتا ہے۔ گذشتہ اور تجربہ میں آئی ہوئی چیز کی معرفت کے ذریعہ آنیوالی چیزوں کے پہچاننے والی حالت کا نام عبرت ہے۔[۳]

دوسری فصل: بصیرت کے عملی عوامل

دینی تعلیمات کی بنیاد پر قوت بصیرت کو پھلنے پھولنے کے لیے علمی مجاہدت کے علاوہ عملی مجاہدت کی

۱۔ جوادی آملی" ادب فنای مقربان" جلد ۲، ص ۱۸

۲۔ سورۂ حشر، آیت ۲

۳۔ راغب اصفہانی، ج ۲، ص ۵۴۲

بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر انسان اپنی توانائیوں کو خدا کے بتائے ہوئے طریقہ پر استعمال کرے تو اس کے دل پر نور بصیرت کا نزول ہوتا اور کمال مطلق کی طرف بڑھنے کا اسے راستہ مل جاتا ہے۔ خدا نے وعدہ کیا ہے " والّذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا "[۱]۔

جن لوگوں نے ہمارے راستہ میں کوشش کی ہے ہم یقیناً انہیں اپنے راستہ کی ہدایت کریں گے۔

اس حصہ میں ہم بصیرت کو پروان چڑھانے والے عملی اسباب کی فہرست پیش کریں گے۔

۱۔ تقویٰ

یعنی انسان اپنی خواہشات اور میلانات پر قابو رکھے اور شرع کے حدود میں اس کی تکمیل کا سامان فراہم کرے۔ بلند رفتاری اور ارتقائے نفس کی طرف انسان کی رہنمائی کرنے والی قوت کو تقویٰ کہتے ہیں یہ انسان کی ترقی اور توازن کا بنیادی سبب ہے دنیا اور آخرت کے مصالح کی تشخیص کے لئے تقویٰ انسان کو صحیح بصیرت اور بلند نگاہی عطا کرتا ہے۔

قرآن کریم میں خدا نے تقوے کے ثمرات کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے " یا ایّھا الّذین اٰمنوا اتّقوا اللہ وامنوا برسولہ یؤتکم کفلین من رّحمتہ ویجعل لّکم نوراً تمشون بہ ویغفرلکم واللہ غفور رّحیم "[۲]۔ اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تاکہ خدا اپنی رحمت سے تمہارے لئے دوسرا حصہ عطا کرے اور تمہارے لئے ایسا نور قرار دے جس کی روشنی میں تم راستہ طے کرو اور تمہیں بخش دے وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

۲۔ یاد خدا

یاد خدا اور ذکر سے دل کو جلا ملتی ہے اس کے ذریعہ تجلیات الٰہی حاصل کرنے کی آمادگی پیدا ہوتی ہے۔ بندہ عاشق کے لئے یاد خدا سب سے زیادہ لذت بخش ہے۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: الٰھی ما الذّی خواطر الالھام بذکرک علی القلوب "[۳]۔ پالنے والے دلوں میں تیری یاد کا آنا کتنا لذت بخش ہے۔ آپ کسی دوسری لذت کو ذکر خدا سے زیادہ لذت بخش نہیں سمجھتے اور دوسری لذتوں پر طلب

۱۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۶۹

۲۔ سورۂ حدید، آیت ۲۸

۳۔ مجلسی، ج ۹۱، ص ۱۵۰

مغفرت کرتے ہیں" استغفرک من کل لذۃ بغیر ذکرک"۔[۱]

یاد خدا سے انسانی روح کو بلندی اور بصیرت ملتی ہے اور اس طرح انسان چھپے ہوئے شیطانی وسوسوں کو بڑی آسانی سے پہچان لیتا ہے۔"انّ الّذین اتقوا اذا مسّھم طائفٌ من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون"۔[۲]

اہل تقویٰ جب شیطان کے وسوسوں کا شکار ہوتے ہیں تو یاد خدا میں منہمک ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں بینائی مل جاتی ہے۔

جو چیز پہلے مجہول تھی یا آدمی جس چیز سے غافل تھا اس چیز کے بارے میں تفکر کو" تذکر" کہتے ہیں اس آیت کو پہلے والی آیت کے استعاذہ کے حکم کی دلیل کے طور پر بیان کیا گیا ہے یعنی جب شیطان مداخلت کرے تو خدا کی پناہ طلب کرو، وہ مومنین سے اس کے شر کو دفع کرتا ہے غفلت کے پردہ کو اٹھا دیتا ہے پھر انسان بینا اور بصیر بن جاتا ہے۔[۳]

۳۔ اخلاص

دینی تعلیمات میں اخلاص کی بڑی اہمیت ہے۔ خدا کے نزدیک ہر کام کی قدر و قیمت کا معیار یہی ہے روشن نگاہی، بصیرت اور حق و باطل کی شناخت کی قدرت اخلاص کا نتیجہ ہے۔[۴] اخلاص، قلب کی نورانیت کا سبب ہوتا ہے۔ انسان کا دل اس کے اعضاء اور قوا پر حاکم ہوتا ہے۔ اخلاص جتنا زیادہ ہوگا قلب اتنا ہی نورانی بنے گا یہاں تک سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچ جائے اور یہی اخلاص محض ہے جس کا تعلق انسان معصوم علیہ السلام سے ہوتا ہے۔

اگر حامل استعداد دل با اخلاص ہو جائے تو علمی اور عملی قوتوں کے لیے اس کے اندر علم و عمل کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں۔[۵]

رسول خدا فرماتے ہیں" ما اخلص عبد للہ عزوجل اربعین صباحاً الاجرت ینابیعُ الحکمۃ من

۱۔ مجلسی، ج۹۱، ص۱۵۱

۲۔ سورۂ اعراف، آیت ۲۰۱

۳۔ طباطبائی، جلد ۸، ص ۴۹۸

۴۔ حضرت علی نے فرمایا: "عند تحقق الاخلاص تستنیر البصائر"۔ اخلاص کی بنا پر بصیرت روشن ہو جاتی ہے۔

۵۔ قرآن حکیم از منظر امام رضاؑ از جوادی آملی، عبد اللہ، ترجمہ زینب کربلائی، اسراء، قم ۱۳۸۲، ص ۲۳۲

قلبہ علی لسانہ "[۱] جو شخص چالیس دنوں تک اخلاص کے ساتھ عمل کرے گا خدا اس کے دل میں حکمت کی جوت جگا دے گا اور اس کی زبان پر حکمت کا چشمہ جاری کرے گا۔

مخلص انسان، علم الٰہی حاصل کرتا ہے اور اسمائے حسنیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے قرآن کہتا ہے "الم تر انّ اللہ انزل من السمآء ماءً فسلکہ ینابیع فی الارض۔۔۔"[۲] خدا اپنی خاص رہنمائی سے پانی کو زمین میں جاری کرتا ہے اور مناسب جگہ پر زمین شگافتہ ہوتی ہے پھر اس سے چشمہ اُبل پڑتا ہے۔ انسان کے دلوں کی تقویٰ اور فجور کی تشخیص کے راستے اور نبض، خدا کی ہدایت پر حرکت کرتے ہیں اور یہ چشمے ہمیشہ جاری وساری رہتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی باطل خیالات اور ناروا عمل کی بنا پر ان چشموں کو بند کر دیتا ہے تو "کلّا بل ران علیٰ قلوبھم ماکانوا یکسبون"[۳]

ایسی صورت میں فطری علوم دفن ہو جاتے ہیں پھر ان میں کوئی ابال پیدا نہیں ہوتا۔[۴]

۴۔ زہد

لغت میں زہد کے معنی عدم میلان اور روگردانی کے ہیں۔[۵] امیر المومنینؑ کے کلام کی روشنی میں آرزوؤں کو کم کرنے، نعمتوں کے لیے شکر اور حرام چیزوں سے بچنے کو زہد کہتے ہیں۔[۶] کام، کوشش اور حلال نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ دنیا سے بے اعتنائی زہد ہے دینی تعلیمات میں جس کا حکم دیا گیا ہے۔

جب مومن میں تقویٰ دوام پیدا کرے اور اس کے وجود میں گناہوں کی خواہش مردہ ہو جائے تو وہ زہد کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ دینی تعلیمات میں بغیر تعلم کے علم کی پیدائش کی ایک شرط "زہد" ہے یہ نور بصیرت شمار ہوتا ہے اس سے حکمت کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔[۷] آنحضرت ﷺ نے ارشاد

۱۔ مجلسی، ج ۶۷، ص ۲۴۲، شیعری تاج الدین "جامع الاخبار" رضی قم ۱۳۶۳ش ص ۹۴

۲۔ سورۂ زمر، آیت ۲۱

۳۔ سورۂ مطففین، آیت ۱۴

۴۔ جوادی آملی، عبداللہ "مراحل اخلاق در قرآن" تنظیم علی اسلامی، اسرام، قم ۱۳۷۷ش، ج ۱۱ ص ۲۵۶

۵۔ الزاھد فی الشئ وہ ہے جو کسی شئے سے روگرداں ہو اور اس کی طرف میلان نہ رکھتا ہو کم پر راضی ہو جائے۔

۶۔ حضرت علیؑ نے فرمایا "الزھادۃ قصر الامل والشکر عند النعم والتورع عند المحارم" نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸

۷۔ حضرت علیؑ نے فرمایا "الزھدِ تثمر الحکمۃ" آمدی، ص ۲۷۷

فرمایا: " من یرغب فی الدنیا فطال فیها أمله اعمی الله قلبه علی قدر رغبته فیها ومن زهد فیها فقصّر فیها أمله اعطاه الله علماً بغیر تعلّم وهُدیً بغیر هدایة واذهب عنه العمی وجعله بصیرا "[1] جو دنیا کی رغبت رکھتا ہے (ہوا و ہوس اس پر غالب آجاتے ہیں) اور دنیا کے سلسلہ میں اس کی آرزوئیں دراز ہو جاتی ہیں تو اس کی رغبت کے بقدر خدا اس کے دل کو اندھا بنادیتا ہے۔ جو دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے اس کی آرزوئیں کم ہوتی ہیں۔ خداوند عالم اسے بغیر تعلّم کے علم اور بغیر رہنما کے ہدایت عطا کرتا ہے اس سے اندھے پن کو دور کرتا ہے اور صاحب بصیرت بنادیتا ہے۔

۵۔ صالحین کی ولایت

صالحین کی حکومت، معاشرہ کی بصیرت کی زمین ہموار کرتی ہے اس سے بصیرت کی سیاست اور حاکمیت کے اصول وضوابط سے ربط پیدا ہوتا ہے جیسا کہ مکہ میں قیام کے زمانہ میں اگرچہ پیغمبر اکرمؐ کے پاس ظاہری حکومت نہیں تھی پھر بھی آپ نے اپنے اصحاب کو بصیر و آگاہ بنانے کے لیے ان کی فکری اور عقیدتی پرورش فرمائی۔[2]

دعوت پیغمبرؐ بصیرت کے ساتھ تھی اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے آیت اللہ جوادی آملی بیان فرماتے ہیں۔

"قل هٰذه سبیلی ادعوا الی الله علی بصیرة انا ومن اتّبعنی وسبحٰن الله وما انا من المشرکین۔"[3]

یعنی میں اپنے آپ کو اور اپنی پیروی کرنے والوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور یہ دعوت الی اللہ بصیرت کی بنیاد پر ہے۔ یعنی ہمیں معلوم ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اس آیت کی بناپر پیغمبرؐ اور ان کے پیروکاروں کی دعوت آگہی کے ساتھ ہے اسے قبول کرنا یا نہ کرنا بھی بصیرت و آگہی کی بناپر ہے۔[4]

یہاں پیغمبرؐ کے پیروکاروں سے مراد وہ افراد ہیں جو معارف میں آپ کی پیروی کرتے ہیں نہ کہ اصل اسلام میں پیروی کرنے والے مراد ہیں اور ان کے متبعین میں وہ شامل ہیں جو صاحب بصیرت ہیں اندھی تقلید، کرنے والے شامل نہیں ہیں آپ کے پیروکار آپ کے وہ خاص شاگرد تھے جو آگاہی اور

۱۔ مجلسی، بحار، ج ۷۴، ص ۱۶۵

۲۔ جوادی آملی " ادب فنای مقربان " ، جلد ۲ ، ص ۳۰۵

۳۔ سورۂ یوسف، آیت ۱۰۸

۴۔ جوادی آملی، عبداللہ " اسلام ورروابط بین الملل " محقق سعید بند علی، اسراء، قم ۱۳۸۸ ص ۱۲۰

بصیرت کے ساتھ دوسروں کو حق کی دعوت دیتے تھے۔ لوگوں کا وہ ہجوم نہیں ہے جو صرف تقلیدی مسلمان ہے چاہے وہ تقلید اجمالی تحقیق کی بنیاد پر ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی وہ افراد جنہوں نے رسولؐ کی حقانیت کو تشخیص دیکر آپ کی بات قبول کی ہے ان کا ایمان بھی قابل قبول ہے۔[1]

پیغمبرؐ کی دعوت میں وہی شریک ہو سکتا ہے جو بصیرت اور یقین کامل کا مرقع ہو اسی وجہ سے اس آیت کے تابعین کے عنوان سے بعض روایت میں امیر المومنینؑ اور سارے ائمہ علیہم السلام پر اس کی تطبیق نظر آتی ہے۔[2]

موانع بصیرت

قوت بصیرت کو منزل کمال تک پہونچانے کے لیے، افراد اور معاشرہ کی بصیرت کے لیے اس کے موانع کی شناخت کے ذریعہ کسب بصیرت میں کامیابی حاصل ہوتی ہے اس حصہ میں پہلے انفرادی پھر اجتماعی موانع کی تحقیق ہوگی:

انفرادی موانع

موانع بصیرت کی وجہ سے انسان اس کے اصلی نتیجہ یعنی حق و باطل میں شناخت سے محروم رہ جاتا ہے۔ قلب وہ آئینہ ہے جس میں جلوۂ خدا نظر آتا ہے اگر صفحۂ دل سیاہ اور آئینہ قلب گردآلود ہو جائے تو انسان شہود سے محروم رہ جائے گا۔ انفرادی موانع مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ خواہشات نفس کی پیروی

ہوا و ہوس پرستی، نفسانی خواہشات سے افراط کی حد تک اور خواہشات کی پیروی نفس کی وسوسہ انگیز توانائی کی پیداوار ہے۔ نفس کے بہت سے درجات ہیں اس کا سب سے پست درجہ نفس امارہ ہے جو انسان پر خواہشات کا بوجھ ڈالتا ہے اور اس سے بے بصیرتی پیدا ہوتی ہے خداوند عالم فرماتا ہے۔ "انّ النفس لامّارة بالسّوء"[3] بے شک انسان کا نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دیتا ہے۔ بصیرت کے موانع میں ہوائے نفس کا کیا کردار ہوتا ہے اسے حضرت علیؑ نے پیش کرتے ہوئے فرمایا "من رکب الھوی ادرک العمی"[4] جو

۱۔ جوادی آملی، " سیرۃ پیامبران در قرآن" محقق علی اسلامی، اسراء، قم ۱۳۸۹ ج ۶ ص ۸۴

۲۔ جوادی آملی" ادب فنای مقربان" ج ۲، ص ۳۰۴

۳۔ سورۂ یوسف، آیت ۵۳

۴۔ آمدی، ص ۳۰۷، نوری ج ۱۲، ص ۱۱۵

خواہشات کے مرکب پر سوار ہوتا ہے وہ اندھے پن کا شکار ہو جاتا ہے۔

خواہشات کی پیروی کرنے والا حق بین، حق پرست اور خدا محور نہیں ہے۔ خواہشات نفس اس کی بصیرت کو ختم کر دیتے ہیں وہ بلعم باعور کی طرح مقام قرب تک پہونچ کر ہوا پرستی اور راہ بصیرت کے مسدود ہو جانے کی بنا پر قعر مذلت میں گر پڑتا ہے اللہ فرماتا ہے۔ " افرأیت من اتخذ الٰھہ ھوٰہُ واضلّہ اللہ علی علمٍ وّختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ فمن یھدیہ من بعد اللہ افلا تذکرون۔ "[1]

کیا تم نے اسے (ہدایت کے قابل نہ سمجھ کر) گمراہ کر دیا اس کے دل اور اس کی سماعت پر مہر لگا دی اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ایسی صورت میں خدا کے سوا اس کی ہدایت کون کر سکتا ہے۔

اسے نابینائی، سماعت کی خرابی اور بے بصیرتی کا تحفہ حاصل ہوا ہے۔ ہوا پرستی کی بنا پر انسان حق پر باطل کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے، اطاعت خدا پر اطاعت مخلوق کو ترجیح دیتا ہے۔

۲۔ ارتکاب گناہ

قرآن مجید نے گناہ کو آئینہ قلب دھندلا کرنے کا سبب قرار دیا ہے اس کی وجہ سے انسان، آیات، آفاق وانفس کو درک کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ دل نابینا، حق وباطل میں تشخیص کی صلاحیت کھو دیتا ہے اور یہی بے بصیرتی ہے۔ انسان کی عقل پر گناہ اثر انداز ہوتا ہے اور وہ حق تشخیص اور حقیقی معرفت کی صلاحیت کھو دیتا ہے خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ " ولکن قست قلوبھم وزیّن لھم الشّیطٰن ماکانوا یعملون "[2]

لیکن ان کے دل سخت ہو گئے ہیں شیطان نے ان کے اعمال کو آراستہ کرکے پیش کیا ہے ایسے افراد حقیقت کا آئینہ اور حق کی نشانی، جہان خارج کو نہیں دیکھ پاتے کیونکہ ان کے چشم باطن اور حقیقت جہانِ خارج (اس دنیا) کے درمیان بہت بڑی دیوار کھڑی ہو جاتی ہے۔ "وجعلنا من بین ایدیھم سدّا وّمن خلفھم سدّاً فاغشینٰھم فھم لا یُبصرون۔ "[3]

۱۔ سورہ جاثیہ، آیت ۲۳

۲۔ سورہ انعام، آیت ۴۳

۳۔ سورہ یٰسین، آیت ۹

نتیجتاً نہ وہ اپنے سامنے کی چیز دیکھتے ہیں اور نہ ان کی نگاہ پس پشت ہے نہ انہیں مستقبل کی خبر ہے اور نہ ماضی کی کیونکہ وہ ہر طرف سے گناہ کے نرغہ میں محصور ہیں۔[۱]

جو چیز انسان کو یاد خدا سے روکتی اور اس کی بارگاہ میں حضوری سے مانع ہے وہ دنیا ہے دنیا زدہ دل مردہ ہے اسے حکمت عملی کے ذریعہ زندہ کیا جاسکتا ہے۔[۲]

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الارض وتقطعوا ارحامكم اولئك الّذين لعنهم الله فاصمّهم واعمٰى ابصارهم"[۳]

اے منافقو! تم خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت قرآن سے روگردانی کرتے ہو یا زمین میں فساد پھیلاتے ہو اور قطع رحم کرتے ہو پھر اس کے باوجود (نجات کی) امید رکھتے ہو؟ یہی وہ منافقین ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان کی آنکھوں کو اندھا بنادیا ہے۔

۳۔ دنیاداری

دنیا خدا کی مخلوق ہے اس کی ہر شئے میں جمال الٰہی کی نشانی پنہاں ہے۔ انسان اسی گہوارہ میں رشدوہدایت کی منزلیں طے کرتا ہے لیکن اس سے دلبستگی کی بناپر بصیرت کی آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں در حقیقت جو دنیا کی طرف دیکھتا ہے دنیا اس کے لیے آئینۂ عبرت بن جاتی ہے دنیا ہی اسے بابصیرت بناتی ہے اور جو دنیا کو مقصد سمجھ بیٹھتا ہے دنیا اسے اندھا بنادیتی ہے اس طرح بے بصیرتی کی زمین ہموار ہونے لگتی ہے۔ جب عہدہ اور حب ثروت، حب دنیا کے مصادیق ہیں، غیر اللہ کی محبت اور دوستی جتنی بڑھتی جائے گی انسان کی آنکھ اور سماعت کے پردے اتنے ہی دبیز ہوتے جائیں گے۔ دنیا طلب انسانوں کی نظر میں ہر چیز مال وثروت پر تولی جاتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے ثروت پرست افراد کہتے تھے " وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجلٍ من القريتين عظيم"۔[۴]

یہ قرآن مکہ ومدینہ کے کسی ثروت مند شخصیت پر کیوں نہیں نازل ہوا۔

۱۔ جوادی آملی، عبداللہ، " توحید در قرآن" جلد ۲، ص ۱۷

۲۔ جوادی آملی، ص ۴۰۹

۳۔ سورہ محمد، آیت ۲۲۔ ۲۳

۴۔ سورہ زخرف، آیت ۳۱

جب تمام چیزیں زینت دنیا میں سمٹ کر رہ جاتی ہیں تو تھوڑی سی دولت بھی انسان کو حق کا مخالف بنا دیتی ہے، انسانی بصیرت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ ثروت شہوت کی جڑ ہے۔[1] شہوت بے خودی پیدا کرتی ہے انسان نابینا ہو جاتا ہے۔ اہل بصیرت کی نگاہ میں ثروت وسرمایہ نعمت الٰہی ہے جس کا حصول راہ خیر کے ذریعہ ہونا اور پھر اسے راہ خیر میں صرف ہونا چاہئے۔ جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ مسلمانوں اور اسلام کی بقا کا ذریعہ یہ ہے کہ مال ان افراد کے پاس ہو جو حق اور میزان کار خیر کو پہچانتے ہوں اور اس مال سے ہمیشہ کار خیر انجام دیتے ہوں۔[2]

۴۔ حد سے بڑھی امیدیں

امیدیں اور آرزوئیں بارش کے قطرہ کی طرح انسان کے دل کو زندہ رکھتی ہیں اور اگر بڑھ جائیں تو سیلاب کی طرح اسے ویران بھی کر دیتی ہیں۔ پھر انسان دنیا پرستی ظلم اور جرائم میں غرق ہو جاتا ہے۔

انسانی زندگی میں امید وآرزو سے ہی گردش قائم ہے اگر یہ نہ ہوں تو نظام زندگی درہم برہم ہو جائے اور اپنی فعالیت کے لئے کسی انسان کے پاس شاید ہی کوئی دلیل رہ جائے۔ نبی اکرم فرماتے ہیں[3] "الامل رحمة لامتی ولولا الامل مارضعت والدة ولدها ولاغرس عارس شجراً "[4] امید ہماری امت کے لئے رحمت ہے اگر یہ نہ ہوتی تو کوئی ماں نہ تو اپنے بچے کو دودھ پلاتی اور نہ کوئی باغبان کوئی درخت لگاتا۔ حد سے بڑھی ہوئی آرزوؤں کا نتیجہ گناہ، قساوت قلب، موت کی فراموشی، ذلت اور رنج بھری زندگی، کفران نعمت، ادراک حقائق اور نعمتوں سے محرومیت ہے۔

۵۔ غفلت

قرآن اور ائمہ کی روایتوں میں غفلت کو مانع بصیرت گردانتا ہے جس طرح خدا اور قیامت کی یاد موجب بصیرت ہے اسی طرح غفلت دل کو نابینا کر دیتی ہے۔[5]

غافل ہونے کے بعد انسان خدا اور آخرت کو بھول جاتا ہے۔

۱۔ مولا علیؑ نے فرمایا المال مادة الشهوات نہج البلاغہ حکمت ۵۸

۲۔ صادق آل محمد نے فرمایا "ان من بقاء المسلمين وبقاء الاسلام، ان تصير الاموال عند من يعرف بها الحق ويصنع المعروف۔۔۔ حر عاملی ج ۱۱، ص ۵۲۱

۳۔ امل، امید اور آرزو ہے، جر، خلیل فرہنگ لاروس ترجمہ سید حمید طیبیان مطبوعہ ۱۴ امیر کبیر تہران ۱۳۷۳ جلد ۱ ص ۳۲۲

۴۔ قمی، سابقہ حوالہ ج ۱، ص ۳۰

۵۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے " من نسی الله سبحانه انساه الله نفسه واعمی قلبه، جو خدا کو بھول جاتا ہے، خدا بھی اسے یاد نہیں کرتا اور اس کے دل کو اندھا کر دیتا ہے۔

اللہ کی ہدایتوں سے محروم ہو جاتا ہے اس کے دل پر تالے لگ جاتے ہیں کیونکہ اگر خدا کو کوئی بھلا دیتا ہے تو پھر خدا بھی اسے یاد نہیں کرتا اس کے دل کو اندھا کر دیتا ہے۔

یاد خدا کرنے والے کی بصیرت اور اسے بھلا دینے والے کی بے بصیرتی کا دنیا ہی میں پتہ چل جاتا ہے آخرت ظہور حقائق کی جگہ ہے لہٰذا وہاں حقائق ظاہر ہو جائیں گے جو شخص دنیا میں خدا کو نہیں دیکھتا وہ نابینا ہے اگر چہ اسے خود بھی نہیں معلوم کہ وہ نابینا ہے۔[1] اس بنا پر غفلت کا ایک نتیجہ دل کا اندھا پن ہے۔ جس طرح یاد خدا کا اثر بصیرت ہے اس کی طرح خدا کو بھول جانا اندھا پن ہے۔[2]

خداوند عالم نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو "فرقان" عطا کیا تھا یعنی حق کو باطل سے، نور کو تاریکی سے جدا کرنے کی طاقت دی تھی اور وہ شئے عطا کی تھی جو اہل تقویٰ کے لئے یاد آوری کا سرمایہ ہے۔[3]

لہٰذا "ھویٰ" "نفس امارہ" "دنیا سے دلبستگی" "شیطان" مانع بصیرت ہیں اس وجہ سے خدا کی پناہ تلاش کرنے کی کوشش ہونی چاہئے جیسا کہ ہم دعا میں پڑھتے ہیں فیاغوثاہ ثم واغوثاہ بک یااللہ من ھویً قد غلبنی من عدو قد استکلب علی ومن دنیا قد تزینت لی ومن نفس امارۃ بالسّوءِ الّا ما رحم ربیّ"[4] خدایا میری فریاد سن لے جو ہوائے نفس نے مجھ پر غلبہ کیا ہے تو اس سے بچالے، اس نے کتے کی طرح مجھ پر حملہ کرکے پیچھے ڈھکیل دیا ہے اور اس دنیا سے بھی محفوظ رکھ جو میرے لئے آراستہ ہو گئی ہے۔ اور نفس امارہ سے بھی مگر میرا پروردگار اگر رحم فرمادے تو میرا بیڑا پار ہو جائے۔

۱۔ جوادی آملی "تسنیم" محقق حسن واعظی محمدی، اسراء قم ۱۳۸۸ جلد ۷ ص ۵۲۳۔

۲۔ حوالہ مذکورہ۔

۳۔ سورہ انبیاء، آیت ۴۹۔

۴۔ مجلسی، بحار الانوار، ج ۸۴، ص ۲۸۸، طبرسی رضی الدین حسن بن الفضلی مکارم الاخلاق" یک جلدی، شریف رضی، قم، ۱۴۱۲ق، ص ۳۰۲۔